کاشف الحقایق

جلد اول



سید امداد امام اثر مرحو

از زمین تا بہ آسمان سخن است بہ

کاشف الحقایق

معروف بہ

بہارستانِ سخن

مشتمل بر شاعری ہائے مختلف اقوام جہان
و اخلاق و مذہب و معاشرت ایشان وغیرہ وغیرہ

از تصانیف

جناب حکیم مولوی سید امداد امام صاحب متوطن نیورہ ضلع پٹنہ
مخاطب بہ شمس العلما بحکم گورنمنٹ ہند دام فیضہ مصنف کتاب
مرأۃ الحکما و کتاب الاثمار و کتاب الزراعت و ہدیہ قیصریہ و معیار الحق و دیوان اثر وغیرہ

جلد اوّل

در بیان شاعری مصر و یونان و ایطالیہ و عرب

مکتبہ معین الادب - اُردو بازار - لاہور

طبع دوم — جنوری ۱۹۵۶ء — ۱۰۰۰

گیلانی پریس لاہور

فہرستِ مطالب

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیمؕ

صلِّ علیٰ احمد وآل کریم

مقدم بعد ذکر اللہ ذکرہم   فی کلّ بدءٍ و مختوم بہ الکلم

امّا بعد راقم الحروف بندہ سید امداد امام متخلص بہ اثر خدمت حضرات باصدق و صفا میں عرض پرداز ہے کہ یہ ہیچمدان ابتدائے سن شعور میں بھی شاعری کی طرف میلان طبعی رکھتا تھا ہر چند اسے شاعری کی قوت نہ تب حاصل تھی اور نہ اب ہے تو بھی شاعری کی پُر تاثیری کا اس وقت بھی ویسا ہی معترف تھا جیسا کہ اس وقت ہے۔ اسی میلان طبعی کے تقاضے سے یہ فقیر عہد طالب العلمی میں شعرائے یورپ و ایشیا کی تصانیف کو استادوں سے برغبت تمام پڑھا کرتا تھا اور بعد منقضی ہونے اس عہد کے بھی حتیّ الامکان کتب بینی کے ذریعے سے اپنی

واقفیت شاعری کو بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کسی قدر شعرائے یورپ و ایشیا کے طرز کلام اور انداز مذاق سے آشنا ہو گیا۔ یورپ کے اکثر شعرا کی تصنیف سے مطلع ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ اس فقیر کو سالہا سال اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے کا مشغلہ رہا جس کے ذریعے سے علوم جدیدہ کے علاوہ یورپ کے بہت سے شعرائے نامی کی تصانیف کے درس لینے کا موقع ملا۔ اس سلسلہ وار تعلیم کے بعد کتب بینی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مختصر یہ ہے کہ اسی طور سے فقیر کو یورپ کی شاعری سے از وقت ہوسبر وس تا عہد ٹینیسن کم و بیش طور پر اطلاع کی شکل پیدا ہو گئی۔ اس انگریزی تعلیم کے ساتھ ایشیائی شعرا کی تصانیف سے بھی مطلع ہونے کے سامان بہم آئے اس کا یہ طور ہوا کہ جناب والد ماجد شمس العلما سید وحید الدین خان بہادر اعلی اللہ مقامہ فی الجنۃ خوشحالی کے ساتھ علوم یورپ و ایشیا سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ حضرت غفران مآب نے حتی المقدور اس ناچیز کی تعلیم میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ خود بہت سی عربی و فارسی کی کتابیں پڑھائیں اور جب ہجوم کار سے عدیم الفرصت رہنے لگے تو باوقات مختلف چند معلم یکے بعد دیگرے مقرر فرماتے گئے جنسے علاوہ معقولات و منقولات کی تحصیل کے فقیر کو اکثر شعرائے عرب کی تصانیف کے درس لینے کا بھی موقع ملا۔ پھر کتب بینی اور صحبت علمائے بامذاق سے بھی منتفع ہوتا رہا۔ تعلیم عربی کے ساتھ فارسی کی بھی تعلیم ہوتی رہی اور اکثر شعرائے عجم کے دواوین وغیرہ نظر سے گزرے۔ عربی اور فارسی کی تحصیل کے زمانے میں بعض اردو کے شعرا کے بھی کلاموں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد ازاں اکثر دواوین اغیند کر یوں سے رفتہ رفتہ اطلاع ہوتی گئی

عہد طالب العلمی کے منقضی ہونے کے بعد فقیر کو بذریعہ ترجمہ وغیرہ کے قدیم شعرائے ہند کی تصانیف کو دیکھنے کا اتفاق ہوا اور بعد ازاں اہل جاپان و برہماو چین کے شعرا کے مذاق بھی دریافت میں آتے گئے۔ بالمختصر اس فقیر کو آج تک شاعری کی طرف میلان سابق باقی ہے۔ اب بھی جب احباب بامذاق کی صحبت نصیب ہو جاتی ہے تو کچھ نہ کچھ شعر شاعری کا ذکر چھڑ ہی جاتا ہے۔ دم تحریر فقیر کی آنکھوں میں بہت سی ایسی صحبتیں پھر رہی ہیں جن میں یورپ اور ایشیا کے شعرا کا مذکور گھنٹوں رہا ہے۔ کبھی زبان دانان فرنگ کی صحبتوں میں ہومر، ورجل، ہارس، شیکسپیر، ملٹن، بائرن، شیلی، ٹینیسن وغیرہ کے کلام پڑھے گئے ہیں۔ کبھی حضرات علمائے بامذاق کے جلسوں میں حماسہ، سبعہ معلقہ دیوان زہیر وغیرہ سے اشعار خوانیاں ہوئی ہیں۔ اور کبھی مجالس احباب باخبر و بامذاق میں فردوسی ظہیر، خاقانی، سنائی، انوری، مولوی۔ رومی، سعدی، حافظ، جامی، صائب، قاآنی، مرزا نوشہ، عمر خیام، ابن یمین وغیرہ کی طباعیوں سے روح کو حظ وافر نصیب ہوا ہے۔ اور کبھی مجمع سخن سنجان میں میر تقی، میر درد، مرزا سودا، میر حسن ذوق مومن خان، خواجہ آتش، نواب سید محمد خان۔ رند، صبا، بحر، قلق، سحر کے کلاموں نے جان کو تازگی بخشی ہے۔ یہ سب صحبتیں خواب سی معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر احباب بامذاق جن کی صحبتیں ذریعۂ لذت روحانی تھیں راہی ملک بقا ہو گئے۔ خدا ہی جانتے کہ برسوں کا ساتھ چھوڑ کر کہاں گئے اور کیا ہوئے

س ۵
شکوہ ہے رفتگان مقام بعید کا
ایسے گئے کہ خط بھی نہ بھیجا رسید کا

اسی قسم کی صحبتوں میں جب کبھی فقیر کو اپنے اُن خیالات کو جو فن شاعری سے متعلق ہیں بعض احباب سے عرض کرنے کا اتفاق ہوا۔ تو اُن حضرات نے اُن کے مدون کرنے کی ہدایت فرمائی بہت روزوں تک تو ارادہ ہی کرتا رہا اور حقیقت یہ ہے کہ کثرت مشاغل سے اس کام کے انجام کی فرصت بھی نہیں ملی۔ حتیٰ کہ آخر کار جناب برادر معظم و محترم حکیم سید محمد لقمان حیدرؒ صاحب دام مجدہ نے اُن خیالات کی تدوین پر اصرار بلیغ فرمایا ناچار بجاآوری ارشاد میں کوشاں ہوا جس کا نتیجہ یہ رسالہ عجالہ ہے۔ حضرات ناظرین باتمکین اس قلم فرسائی سے یہ زنہار خیال نہ فرمائیں کہ فقیر اپنے کو شاعری کا محقق سمجھتا ہے۔ شاعری کا محقق وہی ہوسکتا ہے جو استعداد کافی اور قابلیت وافی کے ساتھ اپنی تمام عمر عزیز کو تحقیق و تدقیق فن شاعری میں بسر کر ڈالے فقیر کو تو باطمینان اس فن کے ساتھ ہشتم حصہ زندگانی کے صرف کرنے کا بھی موقع نہیں ملا ہے۔ پس دعویٰ تحقیق و تدقیق سے اس فن میں سے فقیر کو کیا علاقہ۔ ایسی حالت میں حضرات ناظرین کاملین سے امید ہے کہ صفت ستاری کے تقاضے سے فقیر کی عیوب پوشی فرمائیں گے اور اس کی خطاؤں سے بمضمون اذا مروا باللغو مروا کراما درگزر فرمائیں گے والعذر عند کرام الناس مقبول

غرض تصنیف ہذا

یہ رسالہ نہ بسبیل تذکرہ لکھا جاتا ہے اور نہ علم عروض سے اس کو کسی طرح کا تعلق ہے اس رسالے کے ملاحظے سے حضرات ناظرین پر روشن ہوگا کہ شاعری کیا شے ہے۔اس کی کے قسمیں ہیں ہر قسم کا کیا تقاضا ہے۔ فطری غیر فطری شاعری میں کیا فرق ہے۔ اور دونوں سے کیا نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، مراثی وغیرہ کا کیا انداز ہونا چاہیے یہ بھی اس رسالے کے ملاحظے سے ہویدا ہوگا کہ ہر نظم حکم شاعری کا نہیں رکھتی بلکہ شاعری کے لیے نظم کی پابندی کچھ ضرور نہیں۔یعنی یہ بخوبی ممکن ہے کہ ایک کتاب منظوم ہو اور لطف شاعری سے بالکل معرّا ہو۔اور دوسری ایسی ہو جو نثر ہو مگر مذاق شاعری سے تمام تر مملو ہو۔ فقیر جو شاعری کے اصول قائم کرتا گیا ہے ان سے حضرات حق بین کو شعرا کی وہبی اور کسبی قابلیتوں کے موازنے کا بھی موقع ملے گا۔اور اُن کی تصانیف کے حسن و قبیح آسانی کے ساتھ درک میں آئیں گے۔مگر ضرور ہے کہ پہلے فقیر کے قائم کردہ اصول صحیح مان لیے جائیں ظاہراً یہ اصول بعد استقرا و تصفح بلیغ کے قائم ہوئے ہیں۔اور بنا ان کی محض فطرت پر واقع ہوئی ہے اگر فقیر سے قوانین فطرت کے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے یا استقرا و تصفح میں خطا لاحق ہوئی ہے تو البتہ ایسی حالت میں وہ اصول قائم کردہ بھی غلط ہوں گے۔بہرحال حضرات اہل انصاف سے امید ہے کہ طرفداری حق میں کوشاں ہوں گے اور اگر ان اصول کو قرین حق ملاحظہ فرمائیں گے تو اُن سے جو جو

مسائل مستخرج ہوں گے اُن کو بھی دیدۂ حق بین سے معاینہ فرمائیں گے۔

شاعری کی تعریف آئندہ آتی ہے مگر یہاں چند امور جو شاعری سے متعلق ہیں اندراج پاتے ہیں ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاعری کا احاطہ اس قدر وسیع ہے کہ اُس کے اندر مضامین اللہ و ماسوائے اللہ سب کی گنجائش دیکھی جاتی ہے۔ اسی سے شاعری کی عظمت اور بلند پائیگی عیاں و آشکارا ہے شاعری کو ایسے ایسے مضامین سے جیسے توحید، عدل، ذات، صفات، وجود، عدم، قدم، حدوث، کون، فساد، جبر، اختیار، تقدیر، تدبیر، بقا، فنا، جزا، سزا، حشر، نشر، جبل، خلق، زمان، مکان، صورت، ہیولیٰ، جوہر، عرض، روح، جسم، ثواب، عذاب، دنیا، عقبیٰ، حافظہ، خیال، وہم، عقل، ہوش، ایمان، خلوص، حیا، وفا، قہر، غضب، حلم، صبر، رضا، شکر، ہمت، شجاعت، سخاوت، مروت، حسد، بغض، جبن، بخل، حرص، طمع، ہوا، ہوس، حسرت، عشق، جنون، رنج، ملال، رغبت، نفرت، رشک، غرور، شمس، قمر، کواکب، ثوابت، سیار، قوس قزح، بروج، قطب، ہوا، برق، باران، جبال، بحور، سبزہ زار، دشت، ہامون، صحرا، وحوش، طیور، حجر، شجر وغیرہ وغیرہ ہیں۔ کافی طور پر مطلع رہنا چاہیے۔ پس جب اس طرح کے مختلف انداز کے مضامین احاطۂ شاعری میں داخل ہیں تو ضرور ہے کہ ایسے مضامین کی تقسیم کوئی علمی طور پر عمل میں لائی جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اگر کسی شاعر نے کسی مضمون کو باندھا ہے تو وہ از روی تقسیم کے کس قسمت میں داخل ہوتا ہے۔ اور جب مختلف اقسام کی شاعری کا مختلف تقاضا ہے تو اُسی قسم کی رو سے یہ امر بھی دریافت میں آسکے گا کہ آیا وہ مضمون اُس قسم شاعری کے تقاضے کے

مطابق اپنے محل پر بندھا ہے یا نہیں۔ اس تقسیم کے سمجھنے کے لیے مردہ ہے
کہ ماسوائے اللہ یعنی مخلوقات خداوندی پر ہم لوگ غور کریں اور دیکھیں کہ ماسوائے
اللہ کی خلقت کس نہج پر واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ جب ہم فلسفی کی آنکھ سے ماسوائے
اللہ کو دیکھتے ہیں تو مخلوقات خداوندی کو دو نہج پر واقع پاتے ہیں۔ ایک نہج میں صفت
ابعاد ثلثہ یعنی طول، عرض، عمق کو داخل پاتے ہیں۔ اور دوسری قسم میں اس صفت
کو بالکل مفقود دیکھتے ہیں۔ اوّل عبارت عالم مادّی سے ہے جس سے صفت
ابعاد ثلثہ کی کسی حال میں منفک نہیں ہو سکتی۔ دوم سے مراد عالم غیر مادّی ہے جیسے
اس صفت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ مثلاً جب ہم کسی شے فی الخارج جیسے
انگور کی طرف اشارہ کریں تو انگور کو کسی حال میں ابعاد ثلثہ سے خالی نہیں پائیں گے
برخلاف اس کے اگر ہم حلم و قہر و محبت و عداوت وغیرہ کا جو وارداتِ
قلبیہ ہیں ذکر کریں تو اُن کو ہر حال میں ابعاد ثلاثہ سے بری پائیں گے۔ مختصر یہ ہے
کہ مخلوقات خداوندی پر لحاظ کرنے سے عالم مادّی اور غیر مادّی کا فرق دریافت
میں آجاتا ہے اور اس فرق کو سمجھنے سے اُن مضامین کا فرق بھی جو اُن سے متعلق ہیں۔
آسانی کے ساتھ ذہن میں در آتا ہے اس تقسیم کے مطلع رہنے سے ہر شخص فوراً سمجھ
سکتا ہے کہ کس شاعر نے اپنے کلام میں کس قسم کے مضامین کو دخل دیا ہے یعنی
آیا اُس نے امور عالم خارج کو یا امور فی الذہن کو حوالۂ قلم کیا ہے اس اطلاع سے
شاعر کے کلام کی حقیقت آسانی کے ساتھ منکشف ہو جا سکتی ہے صاف معلوم
ہو جائے گا کہ اُس کا کلام موقع اور محل سے درست ہے یا نہیں۔ یعنی جس قسم کی
شاعری اُس شاعر نے اختیار کی ہے اس کا کلام اُس شاعری تقاضے کے مطابق ہے

یا نہیں۔ ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بعض شاعری کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اس میں معاملات خارجیہ کو داخل ہونا چاہیے اور بعض شاعری متقاضی اس کی ہے۔ کہ اس میں امور ذہنیہ جگہ پائیں۔ اور بعض میں دونوں کی آمیزش درکار ہوتی ہے۔ پس تقسیم مضامین کے واقف رہنے سے ہر شخص شاعر کی مناسبت و موزونی طبیعت کا اندازہ آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ یعنی مجوز آسانی کے ساتھ تجویز کر لے سکتا ہے کہ آیا وہ شاعر معاملات خارجیہ کے بیان کی قدرت زیادہ رکھتا ہے یا امور ذہنیہ کے بیان پر زیادہ قادر ہے یا دونوں کے بیان کی اسے یکساں قدرت حاصل ہے آئندہ معلوم ہوتا جائے گا کہ بعض شعرا ایسے ہیں کہ معاملات خارجیہ کے بیان کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض نے اس کے برعکس طبیعت پائی ہے۔ اس اختلاف صلاحیت کو تمیز کر لینے سے اُن کی شاعری کا رنگ بخوبی سمجھ میں آجائے گا اور یہ بات بھی بآسانی ذہن میں در آئے گی کہ اُن کا رنگ، بہ تقاضائے موقع و محل حسب مراد ہے یا نہیں۔ تقسیم بالا کو ملحوظ رکھنے سے جب شعرا کی صلاحیتوں کا اندازہ معلوم ہوتا جائے گا۔ تو بین طور پر یہ بات بھی تحقیق کو پہنچے گی کہ بہت کم ایسے شاعر گزرے ہیں کہ معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ دونوں کے بیان پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ لیکن جن کو ایسی صلاحیت مودع تھی وہ لاریب شاعر کامل العیاً اور نادر روزگار تھے۔ علاوہ امور بالا کے اس کتاب کے مطالعہ سے اُن حضرات کو جنھیں وسعت اطلاع کی حاجت ہے۔ مختلف مسائل علمیہ کی دانست کی شکل پیدا ہو گی۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں جن ملکوں کی شاعری کا ذکر آیا ہے۔ وہاں کے حالات بھی جو وہاں کے جغرافیہ، تاریخ، تمدن، اخلاق، مذہب و معاشر

وغیرہ سے متعلق ہیں حوالۂ قلم کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں کے نہیں جاننے سے کوئی شخص کسی ملک خاص کی شاعری کے حسن و قبح کو بخوبی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ لاریب تقاضائے ملک و قوم سے ناواقف رہ کر کوئی شخص کسی ملک کی شاعری سے حظ کامل اُٹھا نہیں سکتا۔ بلاشبہ اقتضائے ملک و قوم کو شاعری میں بڑا دخل ہے۔ اس واسطے راقم نے جن ملکوں کی شاعریوں کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے وہاں کی ملکی اور قومی حالتوں کے بیان کو بھی بقدر ضرورت بسبیل التزام ملحوظ رکھا ہے تاکہ مختلف اقوام کے شاعرانہ مذاق اور ان کے اسباب ہویدا ہو جائیں۔

تعریف شاعری و مجانست شاعری با موسیقی و مصوری

واضح ہو کہ شاعری حسب خیال راقم رضائے الٰہی کی ایسی نقل صحیح ہے جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔ رضائے الٰہی سے مراد فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے مراد وہ قوانین قدرت ہیں جنھوں نے حسب مرضی الٰہی نفاذ پایا ہے۔ اور جن کے مطابق عالم درونی و برونی نشو و نما پاتے گئے ہیں۔ پس جاننا چاہیے کہ اسی عالم درونی و برونی کی نقل صحیح جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے شاعری ہے۔ جب شاعری کا ایسا تقاضا ہے تو ضرور ہے کہ جو شاعر ہو وہ رضائے الٰہی کی نقل پوری صورت کے ساتھ الفاظ بامعنی کے ذریعے سے اُتارے ورنہ اُس کی شاعری فطرت اللہ کے مطابق نہ ہوگی جو شاعری کے لیے ایک بہت بڑا عیب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وضاحت کے ساتھ شاعری کی بحث آئندہ حوالۂ قلم ہوگی۔ مگر

قبل اس کے مناسب ہے کہ کچھ حالات اُن دو فنون کے بھی اندراج پائیں جو شاعری سے مجانست رکھتے ہیں اور جو در حقیقت شاعری کی قسمیں ہیں۔ اوّل اُن سے علمِ موسیقی ہے جو رضائے الٰہی کی نقل صحیح بذریعہ اصوات موزون کے ہے دوم مصوّری ہے۔ جو رضائے الٰہی کی نقل صحیح بذریعہ نقوش اور قلم کاریوں کے ہے۔ الغرض شاعری و موسیقی و مصوری یہ تینوں شریف اور نفیس فن رضائے الٰہی کی نقل صحیح ہیں اور دارومدار ان تینوں فنون کا بتبعیت فطرت اللہ پر ہے پس جو شخص قوانین فطرت کی خوبیوں اور باریکیوں کو ورک نہیں کر سکتا ہے اور مشاہدات عالم دردنی و برونی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اور بعد مشاہدات صحیح کے رضائے الٰہی کی نقل صحیح الفاظ بامعنی یا اصوات موزون یا نقوش و قلم کاریوں کے وسائل سے نہیں کر سکتا ہے تو ایسا شخص نہ شاعر نہ ماہر موسیقی نہ مصوّر کہلا سکتا ہے۔

موسیقی

موزونی و ناموزونی اصوات

راقم کو اس رسالے میں پورے طور پر اس فن کو حوالۂ قلم کرنے کا موقع نہیں ہے۔ لیکن جس قدر امور متعلقہ موسیقی ہیں اور جو اس رسالے کے مباحث سے تعلق رکھتے ہیں بسبیل اختصار عرض کرتا ہے۔ جاننا چاہیے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کمال حکمت سے اصوات کو کیفیتیں موزونی اور غیر موزونی کی بخشی ہیں اور انسان بلکہ بعض حیوانات کی قوت سمع کو بھی اس موزونی اور غیر موزونی کی قوت تمیز علی قدر مراتب عطا فرمائی ہے۔ پھر یہ قوت تمیز مختلف بنی آدم میں مختلف درجے کی پائی جاتی ہے۔ اصوات کی موزونی اور غیر موزونی کی پوری تمیز بہت کم اشخاص کو

وہب ہوتی ہے۔ بہر حال جس قدر انسان میں یہ قوت زیادہ حاصل رہتی ہے اُسی حساب سے اُس میں مذاق موسیقی بھی موجود رہتا ہے۔ جیسا کہ بحث بالا سے ظاہر ہُوا ہوگا۔ موسیقی بھی ایک قسم شاعری کی ہے یہ شاعری ان قوانین فطرت کی تبعیت ہے جن پر موزونی اصوات کا مدار ہے جو شخص اصواتی قانون فطرت سے واقف ہے اور اس سے بھی باخبر ہے کہ کیا کیا کوائف مطبوع اس کے ذریعے سے پیدا ہو سکتی ہیں وہ علم موسیقی کا عالم کہا جا سکتا ہے۔ پھر وہ شخص جو اصواتی قانون فطرت سے مطلع ہو کر اور اصوات کی کوائف سے باخبر ہو کر اصوات موزون کو طرح طرح پر طباعی کے ساتھ برت سکتا ہے اور اجتہادات کی قوت بھی رکھتا ہے تو ایسا ماہر موسیقی درحقیقت شاعر موسیقی ہے۔ موسیقی علم الاصوات کا ایک جزو ہے مگر اس فن سے وہی اصوات متعلق ہیں جو قوانین فطرت کے مطابق موزونیت کا حکم رکھتی ہیں اور بھی جو قانون فطرت کے رُو سے سامع باخبر کے امور اندرونی اور واردات قلبیہ اور قوائے داخلیہ پہ ایک خاص حسب مراد اثر پہنچا سکتی ہیں۔

موسیقی کا کیونکر اثر انسان پر پیدا ہوتا ہے۔

موسیقی کا کیونکر اور کیا اثر انسان اور بھی بعض حیوانات پر پیدا ہوتا ہے ایک بیان وسیع کا طالب ہے جس کی گنجائش پورے طور پر اس رسالے میں نہیں ہے لیکن بسبیل اختصار یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انسان میں چند قوتیں ایسی مودعہ ہیں۔ جو انسان کے وسائل مسرت و غم ہُوا کرتی ہیں اور اُن قوتوں پر امور خارجیہ کا اثر پیدا ہُوا کرتا ہے۔ منجملہ امور خارجیہ کے اصوات بھی ہیں۔ اگر اصوات قانون فطرت کی مطابقت کے ساتھ موزونیت سے خالی نہیں ہوتی ہیں تو جو کچھ اُن اصوات کا تقاضا ہوتا ہے۔ اُس کے مطابق

ان قوائے اندرونی پر اثر پیدا ہوتا ہے اور اسی درجۂ اثر کے اعتبار سے انسان کیفیت سرور وغم کو حاصل کرتا ہے اسی پر اُن حیوانات کو بھی جو کن رس ہوتے ہیں قیاس کرنا چاہیے سامع میں سرور وغم کی کیفیت پیدا کرنے کے واسطے اصوات کے فطرتی تقاضوں سے واقفیت رکھنا ضروری ہے کوئی آواز از روئے فطرت سرور پیدا کرنے کی اور کوئی غم پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے عالم موسیقی کو آوازوں کے برتنے کے وقت اُن کی کیفیتوں پر لحاظ رکھنا واجبات سے ہے ورنہ نتائج حسب مراد پیدا نہ ہوں گے۔ مثلاً اگر کوئی گویا کسی خوشی کی تقریب میں شہانہ کے عوض بروے کے سروں میں کسی گیت کو گانا اختیار کرے تو سرور کے عوض سامعین کے دلوں میں غم کے انداز پیدا ہوں گے اور اسی طرح جہاں بروا کے گانے کا موقع ہو وہاں شہانہ گانے لگے تو سامعین حسب مراد متکیف نہ ہوں گے یہ عالم موسیقی کا فرض منصبی ہے کہ علاوہ اصوات غم وسرور کے ہر کیفیت کی آواز سے اطلاع رکھے اور ان کے برتنے پر پورے طور سے قادر ہو۔ ورنہ لطفِ موسیقی کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ میرے ایک دوست سید عالی نسب والاحسب نے جو فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے بلکہ اس فن کے امام تھے۔ آواز پر ایسی قدرت بہم پہنچائی تھی کہ آواز سے سرور، غم، رنج، راحت، محبت، عداوت، دلیری، بزدلی، وفاداری، بے وفائی، امید، بیم، عشرت، عسرت، رحم، قہر، درشتی، نرمی وغیرہ وغیرہ کی کیفیتیں سامعین کے دلوں پر پیدا کر دیتے تھے۔ پس جس طرح شاعر الفاظ بامعنی سے اور مصور نقوش اور قلم کاریوں سے جو کام لیتا ہے میرے دوست مبرور ومغفور اصوات کے ذریعے سے کام لیتے تھے اور اپنے زور کمال سے موسیقی کو شاعری اور مصوری کے ہم رتبہ

کر کے دکھا دیتے تھے۔ واضح ہو کہ یہ امر بعید از عقل نہیں۔ جب کہ درحقیقت موسیقی ایک قسم شاعری اور مصوّری کی ہے اور جب صرف فرق اس قدر ہے کہ موسیقی رضائے الٰہی کی نقل صحیح بذریعہ اصوات موزون کے ہے۔ اور شاعری و مصوری ویسی ہی نقلیں بذریعہ الفاظ بامعنی اور نقوش اور قلم کاریوں کے ہیں۔ اب رہا کہ کیا اثر موسیقی کا انسان اور بعض حیوانات پر پیدا ہوتا ہے اس کا بھی کسی قدر بیان ضروری ہے یہ حکیم بامذاق کا کام ہے کہ شرح و بسط کے ساتھ ان اثروں کو بیان کرے جنھیں موسیقی انسان میں پیدا کر دے سکتی ہے۔ راقم کو اتنی اطلاع حاصل نہیں کہ حکیمانہ طور پر موسیقی کی تاثیری کیفیتوں کو حوالۂ قلم کرے البتہ حسّی طور پر موسیقی کا جو اثر مزاج انسان پر پیدا ہوتے دیکھا جاتا ہے۔ اُسے کسی قدر عرض کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سنگ دلی اس سے دور ہوتی ہے مزاج میں رحیمی آتی ہے

موسیقی کا کیا اثر پیدا ہوتا ہے

صبر و رضا کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں۔ خیال ایذا رسانی اور حق تلفی کا دور ہوتا ہے اپنی بے حقیقتی، بے چارگی، بے مائگی ہو پیدا ہو جاتی ہے میلان شرو فساد جاتا رہتا ہے۔ انکسار، تحمل، فروتنی، عجز، مروت، حق پسندی، وفاداری، بے غرضی، سیرچشمی، شجاعت، مردانگی، محبت، دردمندی، خلوص اور بھی دیگر صفات حمیدہ دل میں جگہ کرتے ہیں۔ خشونت، رعونت، عداوت، خودستائی، خودغرضی، تکبّر، تشنیع وغیرہ وغیرہ جو رذیل کیفیات بشریہ ہیں اُن کی اصلاح ممیز طور سے ظہور میں آتی ہے۔ لیکن وہ شے جسے عوام موسیقی کہتے ہیں اور جس سے نفس حرام کاری، فسق و فجور، رنڈی، اوباشی وغیرہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے وہ زنہار موسیقی نہیں ہے۔ وہ درحقیقت غنا ہے اور یہ وہی شے ہے

کہ جیسے اہل تقویٰ اشد من الزنا سمجھتے ہیں بجنسہ یہی حالت شاعری کی بھی ہے کہ

موسیقی اور غنا کا فرق

جو شے درحقیقت حکم شاعری کا رکھتی ہے وہ بجائے خود عبادت ہے جیسے قصائد حمد و نعت و محامد اہلبیت و ائمہ معصومین علیہ الصلوٰۃ والسلام یا وسیلہ تہذیب نفسی و تزکیہ روحی ہے مگر وہ شئے جسے عوام شاعری کہتے ہیں اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ قوائے شہوانیہ کو حرکت میں لائے نفس کو بدی کی طرف مائل کرے اور انسان کو ارتکاب معصیت پر آمادگی دلاتے وہ زنہار شاعری نہیں ہے۔ ایسی شاعری وہی ہے جسے شیطان خبیث مزاجوں کے دلوں میں القا کرتا ہے اور جس کی مثال شعرائے ایام جاہلیت میں بہت دیکھی جاتی ہے۔ علیہم ما علیہم

موسیقی کے لیے وفور قابلیت کی حاجت

واضح ہو کہ سچی موسیقی جو ایک قسم شاعری کی ہے نہایت پُرتاثیر شے ہے اور بغیر آمادگی کے اس میں انسان دستگاہ نہیں پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے حصول کمال کے لیے نہایت اعلیٰ درجے کی استعداد درکار ہے یہی حال شعر گوئی کا بھی ہے کہ بغیر آمادگی اور وفور استعداد کے کوئی شخص شاعر نہیں ہو سکتا ہے۔ موسیقی کا اثر تب ہی حسب مراد پیدا ہوتا ہے جب انسان فطرتی قوانین اصوات سے بہرۂ وافر رکھتا ہے۔ قوانین اصوات سے اطلاع کافی رکھنے کے لیے بہت سے علموں میں ماہر ہونا درکار ہے

موسیقی اور ریاضی

حق یہ ہے کہ بے عالم ریاضی اور حکیم دانا دل ہوئے کوئی شخص ماہر علم الاصوات نہیں ہو سکتا۔ المختصر موسیقی کا مدار بڑی قابلیت علمی پر ہے اور یہی سبب ہے کہ فن موسیقی کسی انسان کی بربادی کا سبب نہیں۔

ہوتا ہے بخلاف غنا کے کہ جس کے ذریعہ سے سیکڑوں امیرزادے بدحال بداوقات

امیرزادوں کا مذاق غنا

پریشان روزگار افلاس زدہ مبتلائے نکبت ہو جاتے ہیں۔ یہ امیرزادے ناز پروردہ اتنی مصیبت کب گوارا کرسکتے ہیں۔ کہ تحصیل صرف ونحو وادب ومعقولات وریاضی کے بعد علم الاصوات کی طرف توجہ فرمائیں اور اس علم کے دشوار مسائل کو ذہن نشین کرنے میں دل ودماغ کو ایذائیں پہنچائیں راقم کو آج تک اپنے وطن کے کسی ایسے امیرزادہ صاحب سے شرف نیاز کے حصول کی صورت نہ ہوئی جو اتنا بھی واقف ہوتے کہ صوت کیا شے ہے تموج ہوا کا کیا طور ہوتا ہے کس طرح ہوائے متموج صماخ گوش میں داخل ہو کر طبل گوش پر ضرب لگاتی ہے اندرونی گوش کی ساخت کس وضع پر واقع ہوئی ہے۔ حس سمع کا فعل کس طرح ہوتا ہے اصوات بسیطہ کیا ہیں اور ان بسائط سے مرکبات کیونکر شکل پکڑتے ہیں۔ علم موسیقی کی کتابیں یوروپین زبانوں کے علاوہ عربی میں بھی ہیں۔ شیخ الرئیس کی تصنیف علم الاصوات اور فن موسیقی میں موجود ہیں۔ شفا کی جلد رابع اسی علم میں ہے مگر حضرات عیش مزاج عیش طلب کو ان سرزنشوں سے کیا علاقہ۔ ان بیچاروں نے موسیقی اسی لایعنی شے کو سمجھ لیا ہے کہ بی فلان بی فلان برتا کرتی ہیں اگر کاش ان امیرزادوں میں موسیقی کا سچا مذاق موجود رہتا تو زنان بازاری کی غنا پردازیوں پر جان ومال نثار نہ کرتے اور خسران دنیا وعاقبت کے مصداق نہ بنتے۔ صحیح مذاق موسیقی کا دکھ کر کب کوئی بد اوقاتی اختیار کرسکتا ہے مگر اس صحیح مذاق کے پیدا کرنے کے لیے بڑی کد وکاوش درکار ہے اور یہ نا عاقبت اندیش حضرات سے ظہور میں آنا معلوم۔ بس بہ تقاضائے بے ہنری لہو ولعب میں عمر ضائع کر ڈالتے ہیں اور اکثر بے زری بدحالی بدمنعی

میں مبتلا ہو کر انواع طرح کی تکالیف جسمانی و روحانی اٹھاتے رہتے ہیں۔ اللھم احفظنا من ذالک۔ اگر ایسے حضرات موسیقی کا صحیح مذاق پیدا کیے ہوتے تو لاریب یہ روز سیاہ ان کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ کس واسطے کہ موسیقی کے مذاق صحیح کا یہی تقاضا ہے کہ ارباب غنا اور ارباب لہو ولعب سے تنفر پیدا کرے۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ موسیقی کا مذاق صحیح قوانین فطرت پر مبنی ہے۔ فطرتی قوانین کی دانست یا پیروی سے انسان تباہ و خراب نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے دوست مرحوم جن کا ذکر سابق میں آچکا ہے اکثر مجھ سے فرماتے تھے کہ موسیقی اور غنا دو شے ہیں اور موسیقی زنہار محتاج غنا نہیں ہے۔ موسیقی کی لطافت تک غنا کی رسائی ناممکن ہے۔ ایک بار موسیقی اور غنا کے فرق ثابت کرنے کا جناب میر صاحب کو ایک خوبصورت موقع ملا۔ اتفاق وقت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایران کے ایک حضرت مجتہد صاحب مجلس سوز خوانی کی شرکت سے اس بنیاد پر انکار فرماتے ہیں کہ ہندیوں کی مجلس سوز خوانی غنا کا حکم رکھتی ہے۔ اس پر مرحوم نے وعدہ فرمایا کہ مجلس سوز خوانی اس انداز پر انجام پائے گی کہ غنا کا کچھ لگاؤ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جناب مجتہد صاحب کو عند التجربہ اقرار کرنا پڑا کہ ایسی سوز خوانی زنہار غنا کا حکم نہیں رکھتی ہے بعد ازاں ارباب تمیز سے یہ بات دریافت میں آئی کہ میر صاحب نے غنا سے علحدہ رہنے کے لیے موسیقی کی دشوار راہیں اختیار کی تھیں اور تمام تر ٹکڑی اور تان وغیرہ سے احتیاط فرمائے گئے تھے۔

موسیقی قانون فطرت پر مبنی ہے۔

فقیر نے بھی چند بار اس ماہر علم موسیقی کو اسی طور پر سوز خوانی کرتے دیکھا تھا۔ واقعی مرحوم کی

سوز خوانی غنا سے الگ ہو کر ایک عجیب پاکیزگی پیدا کرتی تھی کہ جس کے سننے سے خدا یاد آجاتا تھا اور تمام نامشروع نغمے قابل تنفر معلوم ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ بے کمال موسیقی کے کوئی شخص ایسا اثر دل سامعین پر پیدا نہیں کر سکتا ہے جو میر صاحب کرتے تھے وہ اعلیٰ درجے کے علم الاصوات کے اصول سے متعلق تھے اور تمام تر قوانین فطرت کے ساتھ تطابق رکھتے تھے اسی باعث سے سامعین پر ایک اثر خاص پیدا ہوتا تھا۔ جناب مرحوم یہ فرماتے تھے کہ اگر موسیقی کا علم قوانین فطرت پر مبنی نہ ہوتا تو روح انسانی کو اس سے زنہار حظ نہیں ملتا اور واقعی امر یہ ہے کہ موسیقی کو لذائذ حسّی سے کوئی تعلق نہیں ہے برخلاف غنا کہ سراپا لذت حسّی سے متعلق ہے اور ہرگز شایان روح پاکبازاں نہیں ہے ارباب الملاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عموماً جو گانا گویے وغیرہ گایا کرتے ہیں وہ علم موسیقی کے احاطے سے گزر کر غنا کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ فن موسیقی زنہار محتاج ان ترکیبوں کا نہیں ہے۔ جس کے خوگر عوام مغنّی دیکھے جاتے ہیں۔ مثلاً ماہران موسیقی گٹکری اور جبڑے کی تان وغیرہ کو داخل فن موسیقی نہیں جانتے اور بالکل ایسی چیزوں سے احتیاط کرتے ہیں چونکہ موسیقی رضائے الٰہی کی نقل صحیح ہے۔ ماہر موسیقی کو فطرت اللہ کی تبعیت کرنا واجبات سے ہے فطرت اللہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فطرتی اصول موسیقی کیا ہیں۔ مرغان نواسنج میں خلقی خوبیاں موسیقی کی مودعہ ہیں۔ فطرت کے گویّے یہی طیور نغمہ سرا ہیں آدمی نواسنج پیدا نہیں ہوا ہے۔ مگر نواسنجی کے کسب کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس ان فطرتی گویّوں کی تبعیت سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے اور جو ان سے حاصل کرے گا اسی کو لب لباب موسیقی سمجھنا چاہیے اور

چونکہ یہ حاصل کردہ انسان کا تمام تر مطابق قانون فطرت کے ہوگا تو ضرور ہے کہ جو شے مطابق قانون فطرت ہو وہ سبب انشراح روح بھی ہو۔

طیور نوا سنج فطرتی ماہر موسیقی ہیں

اسی غرض سے میر صاحب مرحوم بہت سے طیور خوش نوا از اقسام شاما، پدّا، بوکو تھا، کویل، پپیہا، بلبل وغیرہ اپنے پاس رکھتے تھے اور اُن کی نواسنجیوں کو عالم موسیقی کے کانوں سے سُنا کرتے تھے۔ میرے بہشت نصیب دوست تو بڑے ماہر موسیقی تھے اور خدا جانے کیا کیا نکات موسیقی کے نغمہ ہائے طیور سے نکالتے تھے۔ لیکن کیا کہیے اُن کی تھوڑی صحبت سے فقیر کو بھی فطرتی نغموں سے متلذذ ہونے کا مذاق پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ آخر شب کو اکثر بیدار ہو کر مرغان سحر کی خوش آوازیوں سے ایک خاص طرح کی لذت روحی اٹھاتا ہے۔ سوا ان مرغان سحر کے اور بھی نوا سنج طیور ہیں جن کے نغمے سرمایۂ مدہوشی ہیں۔ اس عاجز کی ایک دن کی سرگزشت یہ ہے کہ حسب عادات ایک جنگل میں مصروف شکار تھا اتفاق وقت سے سابردں کی تلاش میں ایک طرف کو جا نکلا۔ ایک اور بھی شکاری دوست ساتھ تھے۔ اِدھر اُدھر نظر ڈال رہا تھا کہ اتنے میں کسی طائر نغمہ زن کی ایسی صدائے دلکش کانوں میں پہنچی کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا ہمہ تن گوش ہو گیا۔ رفل ہاتھ سے جدا ہو گئی۔ جب تک وہ صدائے ہوش رُبا کانوں تک پہنچا کی دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رہی میرے ساتھی دوست کی بھی وہی حالت ہوئی جو میری ہوئی۔ خدا جانے چند منٹ تک ہم دونوں کس عالم میں رہے آج تک بھی جو اس فطرتی نغمے کے تلذذ روحی کو یاد کرتے ہیں تو طبیعت ہاتھ سے جانے لگتی ہے اسی طرح کو ہی جھاڑیوں میں

بہت سے چھوٹے چھوٹے طیور پائے جاتے ہیں جن کے نغمے نہایت دردناک ہوتے ہیں بہت مرتبہ ان خرد مقدار فطرتی مطربوں نے ایسے نغمہ ہائے دلکش سُنائے ہیں کہ اپنے شغل صید افگنی میں کچھ نہ کچھ خلل لاحق ہوتے گئے ہیں۔

سوا انسان کے بعض حیوانات پر بھی موسیقی کا اثر ممیز طور سے پیدا ہوتا ہے۔ سانپ کو تلذذ خاص موسیقی سے حاصل ہوتا ہے خوش آئند آواز کا اثر اس موذی جانور پر بہت ہوتا ہے اور جب تک خوش آئند آواز سے مست رہتا ہے مائل ایذا دہی نہیں ہوتا کبھی یہ جانور شب کے وقت پازیب کی جھنکار سن کر پایۂ صبر سے درگزرتا ہے یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

بعض حیوانات پر بھی موسیقی کا اثر پیدا ہوتا ہے

صوت خوش آئند سے موذی کا دل بھی بھر آتا ہے اونٹوں پر حُدی خوانی کا اثر جیسا ہوتا ہے زائرین اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے۔ کہ "اشتر بہ شعر عرب درحالت ست و طرب" ایک امر واقعی ہے اسی طرح آہوان وحشی بھی مست نغمہ ہو جاتے ہیں اور اثر نغمہ سے اُن کی ساری وحشت بھی ہرن ہو جاتی ہے مصنف مثنوی سحرالبیان یعنی میر حسن غیب لسان نے جو لکھا ہے کہ ؎

جہاں مِٹھ کردہ بجاتی تھی بین ! تو سُننے کو آتے تھے آہوے چین
ہوا بندھ گئی اُس گھڑی اس اصول بسیرا گئے جانور اپنا بھول

زنہار قانونِ فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ سوا ان جانوروں کے مؤلف کی اطلاع ذاتی ہیں اور بھی جانور ہیں جن پر موسیقی کا اثر واضح طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً خرگوش صحرائی وغیرہ اور حتیٰ کہ عنکبوت کہ ستار اور بین کی آواز سے دیوار پر مضطربانہ

دوڑنے لگتا ہے اور کبھی مطربوں کے پاس مشتاقانہ پہنچ بھی جاتا ہے۔ نغمۂ خوش آئند سے مرغان نوا سنج کا مست ہو کر چہکنا ہر شخص کو معلوم ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوران سباعی پر بھی موسیقی کا اثر نمایاں طور سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ محققین نے لکھا ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں بھیڑیوں کی کثرت رہا کرتی تھی اتفاقاً ایک بوڑھا گویا شب کے وقت کسی گانوں کی طرف بغرض شریک ہونے کسی جلسے کے چلا جاتا تھا رات زیادہ آگئی تھی اور راہ بسبب بھیڑیوں کے مخدوش ہو رہی تھی۔ نصف راہ جب طے کر چکا تھا کہ اُس نے بھیڑیوں کی آواز سنی اور سمجھا کہ وہ سب اُس کی طرف آ رہے ہیں خوف جان سے بھاگ نکلا۔ مگر جب مفر کی صورت نظر نہ آئی۔ تب ایک شکستہ مکان کے چھپر پر چڑھ گیا اتنے میں بھیڑیے آ پہنچے اور وہ سب بھی اُس چھپر پر چڑھنے کی مستعدی ظاہر کرنے لگے۔ جب اُس گویے نے یہ دیکھا کہ اُن موذیوں سے وہاں بھی جان بچتی نظر نہیں آتی ہے۔ تب اُس نے فوراً بغل سے سارنگی نکال کر بجانا شروع کی جتنے بھیڑیے تھے اُس ساز کی خوش آئند صدا سن کر محو و سہو ہو گئے اور جو جہاں تھے وہیں رہ گئے امتحاناً جب گویا سارنگی بجانا موقوف کرتا تو پھر اُن کی درندگی عود کر آتی اور وہ سب اُس کے پکڑنے کا قصد کرتے لیکن وہ فی الفور اُن کو جادوے نغمہ سے بے حس کر دیتا۔ اسی طرح دو گھنٹہ کامل گزر گئے اتنے میں کچھ لوگ اُس طرف کو آ پہنچے اور بھیڑیے اُن کو دیکھ کر فرار ہو گئے۔

موسیقی اور غنا پر مذہبی پہلو سے نظر واضح ہو کہ اہل اسلام عموماً موسیقی کو حرام جانتے ہیں اور علمائے اہل اسلام کے فتاویٰ بھی اس کی

حرمت میں دیکھے جاتے ہیں راقم کو فتاویٰ سے یہ نہیں ثابت ہُوا کہ حکم علمائے اعلام کا موسیقی کی نسبت ہے یا غنا کی نسبت اگر غنا کی نسبت ہے تو بہت بجا ہے بدیں وجہ کہ غنا اکثر معاصی کا سبب ہوتا ہے۔ خاص کر ایسے لوگوں کو جو بدا وقات ناعاقبت اندیش اور نفس پرست ہوتے ہیں لیکن اگر موسیقی کی نسبت بھی وہی حکم ہے تو اُس کی حرمت کا کوئی سبب معقول بھی حضرات علما نے ضرور سمجھ لیا ہوگا۔ ورنہ بے سمجھے بوجھے ایسے حکم شرعی کا جاری کرنا چہ معنی دارد۔ اب سوال یہ ہے کہ وقت استفتا حضرات علما کو موسیقی اور غنا کا فرق سمجھایا گیا تھا یا نہیں۔ یا یہ کہ حضرات علما خود موسیقی اور غنا کے مفہوم سے خبر رکھتے تھے یا نہیں۔ دونوں شکلوں میں اگر حضرت مفتی یا حضرت مجتہد کو موسیقی اور غنا کے فرق سے لاعلمی تھی تو عقلاً کوئی حکم مفتی زمان یا مجتہد عصر کا جو ایسی لاعلمی کے ساتھ نفاذ پایا ہو دل میں جگہ نہیں کر سکتا بہ تکلف اس حکم کی نسبت مرد عاقل اقرار باللسان کر سکتا ہے۔ مگر بالقلب ایسے حکم کی پابندی طاقت انسانی سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ فقیر کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات علما نے جو حرمت موسیقی کا فتوٰی صادر فرمایا ہے زنہار موسیقی اور غنا کے فرق کو ملحوظ رکھ کر نہیں فرمایا ہے جیسا مستفتی کا سوال تھا ویسا ہی اس کا جواب ملا۔ ظاہرا موسیقی کے حرام ہونے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے اسلام ایسے عقلی مذہب میں علم موسیقی حرام سمجھا جائے محض تعجب ہی تعجب ہے اسلام بالیقین معین و موید و محافظ علوم ہے ایک اتنا بڑا علم جس کا مدار بہت سے علوم پر ہو ایسے سرسری طور سے بلا وجہ کافی حرام کر دیا جائے۔ اہل عقل کی سمجھ سے بہت بعید ہے علم موسیقی ایک جزو علم الاصوات کا ہے۔

اور علم الاصوات کے اصول علم طبعیات و علم ریاضی پر مبنی ہیں۔ عالم موسیقی ہونے کے لیے بہت بڑا شخص محصل ہونا چاہیے۔ پس ایسے علم کو جس کے حصول کے لیے ایک بھاری تحصیل علمی کی حاجت ہو اسلام کا حرام کر دینا تمام تر عقل انسانی سے باہر ہے عقلاً اگر دیکھیے تو موسیقی کا حرام کر دیا جانا عجب حیرت خیز معلوم ہوتا ہے۔ جن چیزوں کو اسلام نے حرام کیا ہے ان کی حرمت کی وجہیں نہایت کافی اور وافی نظر آتی ہیں انھیں عقل کہے دیتی ہے کہ حرام ہونا چاہیے چنانچہ بعض غیر اہل اسلام جو اپنے کو پابند عقل سمجھتے ہیں وہ بھی ان کی حرمت کو قابل پسندیدگی سمجھتے ہیں برخلاف حرمت موسیقی کے کہ جس کے واسطے کوئی وجہ کافی کسی پہلو سے نظر نہیں آتی ہے اور واقعی نہایت تعجب خیز امر یہ ہے کہ موسیقی ایسا علم ہے کہ جس پر علم کی تعریف پورے طور پر صادق آتی ہے اور جس کو سوا مرد عاقل فلسفی یا حکیم کے اور کوئی شخص حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ بڑے شد و مد کے ساتھ حرام سمجھا جائے ضرور ہے کہ ہمارے حضرات علما کو حقیقت موسیقی سے اطلاع نہیں ہوئی ہے ورنہ ایسی شدت کا حکم اس علم کی نسبت صادر نہ فرماتے۔ ظاہرا مذہب اسلام ایسا مذہب نہیں ہے کہ اس کا پیرو نعمتہائے الٰہی سے محروم کیا جائے اگر اسلام کی وسعت تمتع پر لحاظ کیجیے تو اس قدر وسیع ہے کہ اس سے اس کا دائرہ تب ہی وسیع تر ہو سکتا ہے کہ جب اشیائے ضارہ اس کے احاطۂ تمتع میں ور آئیں مگر جہاں تک تمتع بلا ضرر کا احاطہ ہے وہاں تک اسلام کی پوری اجازت دیکھی جاتی ہے اسلام نے زبان کے ذریعے سے متمتع ہونے کو منع نہیں فرمایا۔ جو لطیف و خوش گوار لذیذ طیب غیر ضار چیزیں کہ انسان ذائقہ کر سکتا ہے۔ سب

اس دین نے حلال کردیں - حرام اُسی کو کردیا ہے کہ جس سے صحت بدنی میں فرق آسکے جیسا کہ سُؤر شراب یا اور اشیائے ضارہ و ناپاک جن سے خرابی جسمانی یا روحانی مترتب ہو اسی طرح اسلام نے قوّت بصر سے متمتع ہونے میں کوئی امتناعی حکم صادر نہیں فرمایا - آدمی پابندی اسلام کے ساتھ تمام رنگ برنگ کی مخلوقات خداوندی کو جو احاطۂ بصر میں آسکتی ہیں بلا خوف معصیت دیکھ سکتا ہے - البتّہ اسلام نے اُنھیں چیزوں کے دیکھنے کو منع فرمایا ہے کہ جن کا دیکھنا بے حیائی سے خالی نہیں ہے یا جن کے دیکھنے کا حق دیکھنے والے کو نہیں ہے اگر اسلام نے ایسی چیزوں کے دیکھنے کی ممانعت فرمائی تو کیا بے جا کیا عاقل آدمی اسلام کی ایسی ہدایت کو ضرور تسلیم کرے گا پھر اگر قوّت شم سے متمتع ہونے کو خیال میں لائے تو پوری وسعت تمتع اسلام کے رو سے اس کے پیرو کو حاصل ہے البتّہ اسلام ایسے سم قاتل کو شم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا ہے - جس سے قتل نفس منتج ہو سکے یا جس کے شم کرنے کا شم کرنے والے کو حق حاصل نہ ہو - اسی پر قوّت لمس کے تمتع کو بھی خیال کرنا چاہیے - پیرو اسلام جائز طور سے ہر شے کو مس کرسکتا ہے البتہ اس قوت کو ایسے طور پر استعمال نہیں کر سکتا ہے - کہ جو طور منافی عقل و شرم ہو - اسلام کا حکم تمتعات حسّی کی نسبت بہت وسیع ہے اور عجب انداز اعتدال رکھا ہے اسلام نے جو رُہبانیت کو حرام کردیا - وُہ بھی اسی وسعت تمتع کے اصول پر مبنی ہے یہ عقل کے بہت خلاف ہے کہ انسان جائز طور پر لذت مواصلت سے محروم رہے - پس جب تمتع کا دائرہ اس قدر وسیع ہے تو نہایت عجب انگیز یہ امر ہے کہ انسان اُس

صورت میں کہ فحش و بے حیائی و مضرات جسمانی سے بچ کر حسِ سمع سے شکل تمتع پیدا کرے تو یہ تمتع اُس کا فعل حرام سمجھا جائے۔ حسِ سمع ایک نہایت شریف انسان کو دیا گیا ہے یہ قوت انسان کے لیے تشرف بالمعرفت کا ذریعہ ہے اگر یہ قوت مودعہ نہ ہوتی تو انسان کسی حال سے صاحب علم و دانش نہ ہوتا یہ وہ قوت ہے کہ جس پر تمام تعلیمات روحانی کا مدار ہے پس ایسی قوت سے اُس چیز کا تمتع کہ جس کو علوم مختلفہ سے تعلق عظیم ہو کیونکر ایک ایسے عقلی مذہب کے رو سے جیسا کہ فی الواقع اسلام ہے حرام مانا جا سکتا ہے موسیقی کو فحش بے حیائی مضرات جسمانی و روحانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

موسیقی مصلح اخلاق ہے نہ موسیقی کسی طور سے محرک شہوات نفسانی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے مصلح اخلاق و مفید صحت جسمانی و معین لذات روحانی ہے ان خوبیوں کے ساتھ ایسی شے جیسی کہ موسیقی ہے اسلام ایسے عقلی مذہب کے رو سے حرام سمجھی جائے خالی از حیرت نہیں ہے ان سب باتوں کو خیال کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے حضرات علما نے موسیقی پر بحیثیت موسیقی توجہ مبذول نہیں فرمائی ہے ورنہ ایسا حکم موسیقی کی نسبت صادر نہ فرماتے علمائے کسی شے کی نسبت حکم مناسب حاصل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ یا خود علما شئے استفتا طلب سے مطلع ہوں یا واضح طور پر کسی اہل اطلاع سے واقف فرمائے جائیں جب دونوں میں ایک شکل بھی موجود نہ ہو تو حکم صحیح کے صدور کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بخیال راقم حضرات علمائے جس قدر استفتا اس مادے میں ہوتا گیا ہے وہ اس طور پر ہوتا گیا ہے کہ فرق موسیقی اور

غنا کا خدمت حضرات علما میں نہیں عرض کر دیا گیا ہے اگر موسیقی اور غنا کا فرق اتنا بھی عرض کر دیا جاتا کہ موسیقی ایک علم ہے کہ علم الاصوات کا ایک جزو ہے اور بحیثیت علمی نہایت دشوار اور قابل توجہ ہے اور چند ایسے قوانین اصوات پر مبنی ہے کہ جو تمام تر فطرتی انداز رکھتے ہیں جن سے قوت سمع کو فطرتی تلذذ حاصل ہوتا ہے جن سے قوائے اخلاقیہ خراب نہیں ہوتے ہیں جن سے خواہشات نفسانیہ کو ہیجان نہیں ہوتا ہے جن سے انسان کو پست خیالی و پست حوصلگی مترتب نہیں ہوتی ہے اور جن سے صحت جسمانی کو نقصان کی صورت نہیں پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کے عوض انسان میں صفتیں وردمندی، ہمدردی، خلوص، انکسار، فروتنی، تعبد وغیرہ وغیرہ کے پیدا ہوتی ہیں اور غنا وہ شے ہے کہ مخرب اخلاق اور سراپا یہ لہو ولعب ہے اس سے قوائے شہوانیہ حرکت میں آتے ہیں۔ اور انسان مرتکب معاصی ہوتا ہے اور آخر کار بدحال و بداوقات ہو کر خسر الدنیا والعاقبت کا مصداق ہو جاتا ہے تو راقم کو اس کا یقین کامل ہے کہ ہمارے علمائے دین کوئی حکم سخت موسیقی کی نسبت صادر نہ فرماتے موسیقی موزونی اصوات کا دوسرا نام ہے موزونی اصوات سے خرابی جسمانی و روحانی منتج ہو اس کا ادراک احاطۂ عقل سے باہر ہے محصّل حضرات نے فقیر سے حرمت موسیقی کے بارے میں یہ تقریر فرمائی ہے کہ چونکہ موسیقی ذریعۂ ہیجان قوائے شہوانیہ ہے اور اس سے ارتکاب معاصی کا ظہور میں آنا قرین قیاس ہے اس واسطے ایسی شے کو جو ایسا ہیجان پیدا کرے ضرور حرام ہونا چاہیے۔ اوّل تو یہ دلیل ہی غلط ہے۔ اگر یہ دلیل حرمت غنا کے لیے پیش ہوتی تو درست تھا

دوم یہ کہ موسیقی کو مجرد ذریعہ ہیجان قوائے شہوانیہ قرار دے کر حرام کہنا کوئی قوی دلیل حرمت نہیں معلوم ہوتی بہت سی چیزیں حلال ایسی ہیں کہ جن کے استعمال سے قوائے شہوانیہ کو موسیقی کے اعتبار سے زیادہ ہیجان ہوتا ہے جیسے دماغ عصفور و گوشت مرغ و گوشت تیتر و حلوائے مصطگی و شہد خالص و ورق طلا وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سب اشیا جن کی فہرست ایک کتاب مبسوط بن جا سکتی ہے حرام قرار دی جائیں گی عقلاً ایسی ایسی دلیلیں کوئی وزن نہیں رکھتی ہیں۔ ہاں اگر کوئی نص قرآنی یا حدیث نبوی صلعم موسیقی کے بارے میں موجود ہے تو اس کے رو سے موسیقی کی حرمت ایک امر مقبول متصور رہے مگر باطلاع فقیر موسیقی کی نسبت کوئی حکم خداوندی معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی حکم خداوندی خلاف میں ہے تو غنا کے خلاف میں ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ قول زور کی قدح فرماتا ہے۔ قول زور سے اگر مراد کوئی شے لی جائے تو یہی غنا ہے مگر چونکہ موسیقی اور غنا کا فرق عموماً نہیں کیا جاتا ہے پس جو حکم غنا کے لیے پایا جاتا ہے وہی حکم موسیقی کے لیے بھی قرار دیا گیا ہے یہ امر ویسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص ناواقفیت کے باعث سرکہ اور شراب کے فرق کو امتیاز نہیں کر کے شراب کے حکم میں سرکہ کو بھی داخل سمجھے۔ بہرحال قول زور کا مقدوح ہونا ایک امر نہایت قرین حق ہے۔ فقیر نے اس قول کی اصلیت کو یوں سمجھا ہے کہ کفار عرب جو بڑے بت پرست تھے بتوں کے سامنے شراب پی پی کر جلاجل بجاتے تھے۔ اور بتوں کے مناقب گاتے تھے اور اسی طرح واہیات گیتوں سے نفس کو شاد کرتے تھے خدائے تعالیٰ نے اُن کے ایسے گانے بجانے کو قول زور

قرار دیا اور واقعی خوب ہی قول زور قرار دیا کس واسطے کہ اُنھوں نے خدائے تعالٰی کی جگہ پر بتوں کو قائم کیا تھا یہ امر ایک امر زور تھا پس جو مناقب وہ لوگ اس زور کی نسبت گا کر پڑھتے تھے سوائے قول زور کے اور کیا ہو سکتا تھا اب حضرات ناظرین انصاف فرمائیں کہ موسیقی کیونکر قول زور کہی جا سکتی ہے عالم موسیقی نہ خدا کی جگہ بتوں کو قائم کرتا ہے نہ ان کے مناقب جلاجل کے ساتھ گاتا ہے عالم وماہر موسیقی کو تو صرف چند اصوات موزوں سے تعلق ہے جنھیں وہ بشکل بسیط ومرکب برتتا ہے۔ اگر اصوات موزوں کا برتنا حرام قرار دیا جائے تو اسلام کے مذہب عقلی ہونے میں گفتگو لاحق ہوتی ہے۔ یہ بات عجیب نظر آئے گی کہ حس ذائقہ کے لیے کھانا جو پکائے تو اُس میں نمک، مرچ، گھی، دھنیا، پیاز، ادرک، دہی، دودھ، مصری ایک وزن مناسب کے ساتھ داخل کریں تو یہ موزونی کسی طرح پر سبب حرمت نہ قرار دی جائے۔ لیکن اگر حس سمع کے لیے اصوات کی موزونی کو ملحوظ رکھیے تو یہ فعل حرام سمجھا جائے۔ حس ذائقہ کو حس سمع پر کیا تفوق حاصل ہے دریافت طلب امر ہے ظاہراً تو حس سمع حس ذائقہ سے اشرف معلوم ہوتا ہے۔ کس واسطے کہ حس ذائقہ کا فعل محض لذائذ حسیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ برخلاف حس سمع کے کہ ایک بہت شریف حس ہے۔ اور ذریعہ تشریف بالمعرفت ہے اور معاملات روحانیہ سے بہت تعلق رکھتا ہے پس کیا سبب ہے کہ ایک ارذل حس کی خاطر داری تو اس قدر کی جائے کہ جو جو اُس کے تلذذ کے عقلی امور ہوں۔ اُن میں کوئی قید نہیں لگائی جائے اور حس سمع جو اشرف ہے اُس سے متمتع ہونا تقاضائے عقل کے خلاف حرام

قرار دیا جائے۔ فقیر کو اس مسئلہ موسیقی میں بہت شکوک لاحق ہیں اور خاص کر اُس روز سے اس کی نسبت فقیر کے خیالات بہت انقلاب پذیر ہو گئے جس روز فقیر کو حضور میں جناب مجتہد قبلہ و کعبہ حضرت شمس العلما مولانا مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ فی الجنہ کے ایک قصیدے کے سننے کا اتفاق ہُوا۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک روز فقیر خدمت ممدوح میں حاضر تھا۔ جناب ممدوح نے فقیر کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تو نے میرے اُس قصیدے کو جسے میں نے منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں لکھا ہے سنا ہے فقیر اُس قصیدے کو چند روز ہوئے تھے کہ سُن چکا تھا مگر جناب ممدوح نے اُسے ایک صاحب کو جو قریب بیٹھے ہوئے تھے پڑھنے کے لیے اشارہ فرمایا اُنھوں نے حسب ایمائے ممدوح اُسے پڑھنا شروع کیا جب تک وہ پڑھتے رہے سامعین محو حیرت رہے حق یہ ہے کہ اُنھوں نے خوب پڑھا اور ایسا پڑھا کہ اس وقت بھی اس کی لذت دل میں موجود ہے اور پھر جس سمع اُس کے سُننے کا طالب ہے خدا پھر ویسا سننا نصیب فرمائے۔ یہ امر بدیہی ہے کہ پڑھنے والے صاحب نے اُس قصیدے کو حضور میں جناب حضرت مجتہد صاحب کے پیرایۂ غنا میں نہیں پڑھا تھا اگر غنا کے طور پر پڑھتے تو حضرت ممدوح کب اس کو گوارا فرما سکتے تھے اور بھی دیگر حضار مجلس جو صاحب ورع و تقویٰ تھے کب اُس کو سُن سکتے تھے اور خود پڑھنے والے صاحب جو ارباب احتیاط سے تھے کب غنا پردازی کے مرتکب ہو سکتے تھے اور حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کہ ان کا پڑھنا غنا سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا۔ بہر حال جس رنگ سے اُنھوں نے پڑھا وہ ضرور کوئی ایسا رنگ تھا کہ

حکم فقہ کے خلاف نہ تھا جب حکم فقہ کے خلاف نہ تھا تو معلوم ہوا کہ ایسا پڑھنا اسلام میں مجاز ہے۔ اب اُس پڑھنے کی کیفیت فقیر سے پوچھیے کہ کیا تھی حضرات ناظرین با تمکین کیفیت یہ تھی کہ تمام قصیدے کو پڑھنے والے صاحب نے سیندؔ کافی کی دُھن میں نہایت پختگی کے ساتھ پڑھا البتہ تان یا گٹکری کہیں بھی اُنھوں نے نہ لی مگر سُر، لے، تال میں کہیں بھی سرِ مو جھول نہ آیا ہر لفظ کو پُورے طور پر ادا فرمایا مخارج الفاظ میں کہیں نقصان لاحق ہونے نہ دیا نام کو بھی کوئی لفظ کہیں سے نہ کٹا چونکہ پڑھنے والے صاحب آدمی خوش آواز بھی تھے۔ اُن کی پختگی اور موزونی اُن کی خوش آوازی کو بڑا جلوہ دے گئی اگر سروں پر اُن کو ایسا اختیار نہ ہوتا تو مجرد خوش آوازی ایسا اثر مطبوع سامعین پر پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ مختصر یہ ہے کہ جو سچی موسیقی کا تقاضا ہے اُس کے مطابق بلاشبہ وہ قصیدہ پڑھا گیا۔ اشخاص ناواقف اُس پڑھنے کو لحن وغیرہ سے تعبیر کریں تو کریں۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس طور سے وہ قصیدہ پڑھا گیا تھا وہ اہلِ اطلاع کے نزدیک سچّی موسیقی کا حکم رکھتا ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اُن صاحب کے پڑھنے کا وہی طور تھا جس کو ہزار درجہ اور بھی زیادہ عمدگی کے ساتھ جناب میر بندہ حسین صاحب غفران مآب سوز خوانی میں برتا کرتے تھے اور یہ طور وہی ہے کہ ماہران موسیقی دُھرپت کے گانے میں ملحوظ رکھتے ہیں اور برخلاف غنا کے صرف سُر، لے، تال سے کام لیتے ہیں۔ الفاظ کو تان گٹکری سے خراب نہیں کرتے۔ مخارج الفاظ کا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو فطرتی تقاضے اصوات کے ہیں اُن کے مطابق کاربند ہوتے ہیں بالمختصر اس روز کی قصیدہ خوانی سے فقیر کے دل پر یہ بات جم گئی کہ موسیقی ممنوعات

شرعی سے نہیں ہے یعنی اگر کوئی قصیدہ بشرطیکہ فحش اور بدآموز نہ ہو سندہ کافی
یں بطرز بالا پڑھا جاسکتا ہے تو پیلو جنگلا بروا وغیرہ میں بھی اُس کا یا اُس کے ایسے
اور قصائد کا پڑھنا حرام نہ ہوگا۔ واضح ہو کہ فقیر کو حلت موسیقی پر اصرار نہیں ہے
اگر حضرات علما اس کو حرام سمجھتے ہیں تو بسم اللہ انتم بیت دھن لا ماہم بھی
حرام سمجھتے ہیں مگر اپنی تشفی اور تسکین کے لیے دلیل کافی ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یہ کہا
جائے کہ موسیقی کے استعمال بد سے ضرر جسمانی و روحانی کا پیدا ہونا متصور ہے تو
ہزاروں چیزیں حلال ایسی ہیں کہ ان کا استعمال بدسبب ضرر دنیا و دین ہو سکتا ہے
تو یہ کوئی دلیل حرمت موسیقی کے لیے کافی نہیں ہو سکتی ہے اگر ایسی دلیلوں پر بھروسا
کیا جائے تو زندگی کرنا انسان کے لیے دشوار ہو جائے ایسی صورت میں تو پھر
کاہے کو کوئی مسلمان شیرہ انگور پی سکتا ہے کس واسطے کہ اُس کا استعمال بد شراب
کی شکل پیدا کر سکتا ہے اگر کوئی شخص بد عقلی سے موسیقی کا استعمال بد کرے تو
اُس میں موسیقی کا کیا قصور ہے۔ موسیقی سے تو بہت عمدہ عمدہ کام لیے جاسکتے
ہیں سوز خوانی منقبت خوانی نہایت عمدہ کام ہیں ان کی پُر تاثیری اور عمدگی میں
کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔ وہی سلام، مرثیہ یا قصیدہ کوئی غیر پابندی موسیقی کے
ساتھ پڑھے اور انھیں چیزوں کو بقاعدہ موسیقی پڑھے دونوں کا فرق محتاج بیان
نہیں ہے تعجب ہے کہ فن موسیقی جو ایک عمدہ ذریعہ گداختگی طبیعت و نرمی
دل کا ہے بلا وجہ معقول حرام سمجھا گیا ہے وہ سوز خوانی یا منقبت خوانی جو غنا سے
علٰحدہ ہو کیوں حرام سمجھی جاسکتی ہے البتہ اگر موسیقی بتوں کے مناقب و محامد
میں استعمال کی جائے تو یہ اس کا استعمال بد قیاس کیا جائے گا مگر اس سے

بنفسہ اُس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ تلوار کا استعمال نیک یہ ہے۔ کہ قصاص کے لیے قاتل کی گردن کاٹے لیکن اگر اُسی تلوار سے کوئی شخص کسی بے گناہ کا سر اُتار دے تو وہ تلوار سوئر شراب کی طرح حرام نہیں سمجھی جا سکتی ہے۔ یہی کیفیت شاعری کی بھی ہے کہ شاعری کا استعمال بدامر مقدوح ہے اور اگر شاعری سے بُت پرستی کی اشاعت غرض ہے تو یہ اس کا استعمال بار یقیناً حرام ہے لیکن اس سے شاعری کا بنفسہ حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کس واسطے کہ اگر شاعری بنفسہ ایک شے مقدوح یا حرام ہوتی تو پیغمبر خدا صلعم حسان ابن ثابت کی اس قدر توقیر نہ فرماتے اور روز غدیر پر حسان کا قطعہ مبارک باد جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

ینادیہم یوم الغدیر نبیہم

پڑھنے نہ پاتے۔ مصوری کی نسبت بھی بہت باتیں حسب حال معلوم ہوتی ہیں مصوری کا استعمال بد تو سوا حرام کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مثلاً بتوں کی تصویریں پرستش کے لیے بنانا لیکن اگر اس سے علم حیوانات وغیرہ کی ترقی مراد ہے تو دین اسلام ایسا مذہب نظر نہیں آتا ہے کہ کسی طور پر مانع ترقی علوم ہو۔ آئندہ جو رائے حضرات علمائے اسلام فقیر کو آداے حضرات علما میں کوئی مجال گفتگو نہیں ہے۔

مصوّری

یہ بھی ایک قسم شاعری کی ہے اور جیسا کہ راقم اس کی تعریف لکھ چکا ہے یہ فن بھی رضائے الٰہی کی نقل صحیح ہے صرف فرق یہ ہے کہ یہ نقل نقوش اور قلم کاریوں کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔ صفحہ کاغذ کے یا کاغذ کے ایسے مسطح اشیا پر جو اظہار اس فن کا کیا جاتا ہے اُسے مصوّری کہتے ہیں اور سنگ و آہن و چوب و گِل وغیرہ کے ذریعہ سے جو نقل فطرت اللہ کی کی جاتی ہے وہ بت سازی ہے۔ مؤلف دونوں قسم کی دستکاریوں کے لیے اس رسالے میں مصوّری کے لفظ کو استعمال کرے گا۔

مصوّر کے لیے علوم کی ضرورت

مصوّری کی حقیقت کو بیان کرنے کے لیے مناسب ہے کہ کچھ ایسے امور اندراج پائیں کہ جن سے معلوم ہو جائے کہ مصوّر کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ واضح ہو کہ علاوہ اُس اعلیٰ درجے کی استعداد خلقی اور طباعی کے جن کی حاجت شاعر اور ماہر موسیقی کو بھی ہے مصوّر کو پورے طور پر ایسے علوم سے جو عالم بردنی اور عالم درونی سے متعلّق ہیں حسب مراد واقف ہونا چاہیے۔ علم حساب، جبر و مقابلہ، اقلیدس، علم مثلث، کمسٹری علوم معدنیات، نباتات و علم حیوانات، علم ہیئت، علم مرایا و مناظرہ وغیرہ وغیرہ اور بھی جغرافیہ، تاریخ، سیر حکایات قصص، تمدن، معاشرت، ادب اور جمیع علوم متعلق آداب مجلس میں اُسے کافی دستگاہ رکھنا واجبات سے ہے۔ علاوہ

ان کے علوم ذہنیہ میں بھی اُسے پوری مہارت درکار ہے۔ اگر کسی مصوّر کو یہ علوم نصیب نہیں ہوئے ہیں تو وہ مصوّر نہیں ہے رنگ ساز یا چتیرا ہے گو کیسا ہی طباع اور کہنہ مشق ہو۔ ان علموں کی کیا ضرورت مصوّر کو ہے عوام اس کو بخوبی نہیں سمجھ سکتے مگر تفہیم عوام کی نظر سے ہم چند مثالیں عرض کرتے ہیں جن سے بعض ان علوم کی ضرورت ظاہر ہوگی۔

ضرورت علوم کی مثالیں

فرض کیجیے کہ ایک ایسا مصوّر ہے جو کمسٹری نہیں جانتا ہے۔ ایسا مصوّر الوان کو حسب ضرورت کیونکر مرکب کر سکتا ہے یا رنگوں کی ترکیبوں کو کیونکر جان سکتا ہے یا رنگوں پر جو اسباب خارجی از قسم شعاع شمسی وغیرہ سے اثر کیمیائی پیدا ہوتے ہیں کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ خود اصول کمسٹری کے جاننے کے لیے حساب و جبر و مقابلہ و طبعیات وغیرہ میں دستگاہ ایک ضروری امر ہے اسی طرح اگر کوئی مصوّر جغرافیہ سے ناواقف ہے اور اس سے یہ فرمائش کی جائے کہ کوہ لبنان کی ایک تصویر کھینچ لاؤ تو ناواقفیت جغرافیہ سے وہ بیچارہ سخت پریشان ہوگا۔ اس لیے کہ اسے کیا معلوم کہ وہ کوہ کس ملک میں واقع ہے اور وہ ملک آیا سرد ہے یا کہ گرم۔ اُس کوہ پر برف باری ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر گرم ہے تو خط استوا سے کس فاصلے پر ہے اُس کا مزاج بلدان کیا ہے۔ نباتات کی روئیدگی کا اس پر کیا طور ہے کس طرح کے جانور اُس میں مسکن گزیں ہیں ترکیب اُس کی آتش فشاں ہے یا کیا ہے آیا کسی وقت میں خود آتش فشاں تھا یا نہیں اگر اب بھی آتش فشاں ہے تو اُس کی آتش فشانی کس انداز کی ہے۔ اگر اس کی آتش فشانی موقوف ہوگئی ہے تو اُس موقوفی کو کتنے

روز گزرے اور اس موقوفی سے ہیئت موجودہ اُس کی کیا ہے۔ خلقت اُس کے پتھروں کی طبقی ہے یا غیر طبقی ہے اور اسی طرح کی بہت باتیں ہیں جن کا یہاں ذکر خالی از تطویل کلام نہ ہوگا۔ بہر حال اگر ان موٹی باتوں سے بھی کوئی مصوّر بے خبر ہے تو کیا مصوّری کی داد دے سکے گا عدم اطلاع تاریخی سے جو نقص مصوّر متصوّر ہے۔ اُس کی مثال یہ ہے کہ اگر اُس سے یہ فرمائش کی جائے کہ قیصر اوّل کی تصویر کھینچ دو تو لاریب یہ بیچارہ سخت مبتلائے پریشانی ہوگا۔ جب اس جاہل کو یہ نہیں معلوم کہ قیصر اوّل کس قوم کا بادشاہ تھا اور اُس کی قوم کس ہیکل اور قویٰ اور شکل وشمائل کی تھی۔ اُس کی قوم کے بادشاہوں کا لباس کیا تھا اور اُس کے خاص لباس کا کیا طور تھا۔ سر پر دہ تاج رکھتا تھا یا دستار کمر میں خنجر باندھتا تھا یا تلوار۔ تو ایسے لا یعلم مصوّر سے کیا صناعی کی امید ہو سکتی ہے اسی طرح اگر اُس جاہل سے یہ کہا جائے کہ تم اُس جنگ کی تصویر جو سو برس بعد حضرت مسیح کے قسطنطین اور مخالفین مذہب عیسائی کے درمیان واقع ہوئی ہے اور جس کا تاریخی نام پل والی لڑائی ہے کھینچو تو وہ مصوّر فرط جہالت سے ممکن ہے کہ ایک ایسی خیالی تصویر کھینچ دے کہ جو اُس پانی پت کی لڑائی سے جس میں احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شکست دی تھی مشابہ معلوم ہو علوم سیر و تمدن و معاشرت و آداب مجلس کی عدم اطلاع سے جو نقصانات مصوّر کی مصوّری میں لاحق ہو سکتے ہیں۔ اُن کی کچھ مثالیں ذیل میں عرض کی جاتی ہیں:۔

فرض کیجیے کہ ایک مصوّر علم سیر سے واقف نہیں ہے اور اُس سے یہ کہا جائے کہ تم قوم ثمود اور عاد کے انداز معاشرت کو بذریعہ مصوّری کے دکھلاؤ۔ یا فرعون و قوم فرعون کی حرکات اور بے عنوانیوں کا نقشہ کھینچو یا غیبت حضرت

موسیٰ میں جو بنی اسرائیل نے حضرت ہارون سے نافرمانی کر کے گاؤ سالہ بنایا تھا اور اُس کی پرستش شروع کی تھی اُس کی تصویر بناؤ تو ظاہر ہے کہ وہ مصوّر جاہل تعمیل فرمائش نہیں کر سکے گا اسی طرح اگر ناتعلیم یافتہ مصوّر سے کہا جائے کہ تم ایران کے صدر اعظم کے کسی جلسۂ تمدنی کی تصویر کھینچو یا انگلستان کی پارلیمنٹ کی تصویر بناؤ یا چین کے شاہنشاہ کے دربار کا نقشہ تیار کرو تو وہ عدم اطلاع کے سبب سے بجاآوری حکم میں قاصر رہے گا ممکن ہے کہ ایسا لاعلم مصوّر ایران کے صدر اعظم کی شکل اکبر شاہ کے رفیق بیربر کیسی اپنی سُنی سُنائی اطلاع کے مطابق کھینچ دے اور انگلستان کے ممبران پارلیمنٹ کے مُنہ سے بڑے بڑے جواہر نگار حقّے لگا دے اسی طرح چین کے بادشاہ کو بھی کسی شیخ عرب کی طرح اونٹ پہ سوار دکھلا دے۔ جاہل مصوّر سے ایسی غلطیوں کا سرزد ہونا بعید از قیاس نہیں ہے مختصر یہ ہے کہ مصوّر کے لیے نہایت اعلیٰ درجے کی اطلاع علمی اور تعلیم یافتگی درکار ہے بلکہ مصوّر کو شاعر اور ماہر موسیقی کی طرح رتبہ حکیم کا حاصل رہنا ضروریات سے ہے تاکہ وہ اپنے وفور دانشت کے ذریعے سے فطرت اللہ کی نقل صحیح اتارنے میں کسی طرح عاجز نہ ہو۔ اسی طرح علم ذہنیات کے عدم واقفیت سے مصوّر جاہل واردات قلبیہ و دیگر امور تصنیفیہ کی نقل صحیح اُتارنے میں قاصر رہے گا۔ مصوّر کا فرض منصبی ہے کہ کیفیات اندرونی از قسم محبت، نفرت، عداوت، رحم، کرم، غضب، قہر، رشک، حسد، ضد، بغض، مروت، سخاوت شجاعت، انکسار، خاکساری، غرور، کبر، نخوت، فخر، بزدلی، ندامت، سفاہت حماقت، سرور، غم، الم، عشق، جنون، وحشت، لینت، خشونت، صبر، شکر، رضا، قناعت، حلم، راستبازی، حق پسندی، مکر، حیلہ، فریب،

دغا، دغا، جفا، خوف، تلون، استقلال، تجمل، زود رنجی، پشیمانی، حرص، ہوس طمع، صدق، کذب، حیا، بے حیائی، امید، بیم، یاس، بے تابی، حرمان، انتظار انتشار، اطمینان، خوش دلی، بے دلی، وہم، خیال، حافظہ، یقین، انکار، اصرار، عقیدت، اعتبار، بے اعتباری، زہد، تقویٰ، ایمان، کفر، توحید، عدل، شرک، الحاد، سفاکی، بے دردی، ہمدردی، الہام، علم، جہل، سیر چشمی، تنگ چشمی، جود، بخل، صفا، کدورت، عصمت، عفت، فسق، آلودگی، شرافت، نجابت، احتیاط وغیرہ وغیرہ کو علمی قواعد کے ساتھ جانے ورنہ داد مصوری نہیں دے سکے گا۔ ظاہر ہے کہ سوا ایسے حکیم دانا کے جس نے ایک اچھا حصہ عمر عزیز کا علم ذہنیات کی تحصیل میں بسر کیا ہو گا۔ دوسرا شخص ان امور ذہنیہ سے خبر نہیں رکھ سکتا ہے شاعر کو بھی اسی طرح ان سے باعلم ہونا چاہیے خواہ باعلمی اس کی ایک امر الہامی خواہ کسبی ہو بہر حال مصور کو بھی شاعر کی طرح علوم ذہنیہ سے باخبر ہونا واجبات سے ہے ورنہ اُس کی بے علمی اُس کے نقص فن کا سبب ہو گی۔ جاننا چاہیے کہ مصور کا کمال اسی میں ہے کہ جو شخص دلیر ہے اُس کی دلیری کو اور جو بزدل ہے اس کی بزدلی کو اور جو عاشق ہے اس کے عشق کو اور جو فاسق ہے اس کے فسق کو اور جو کاذب ہے اس کے کذب کو اور جو صادق ہے اس کے صدق کو اور جو حاسد ہے اس کے حسد کو اور جو قانع ہے اس کی قناعت کو اور جو حریص ہے اس کی حرص کو اور جو غصہ ور ہے اس کے غصے کو اور جو رحیم ہے اس کی رحیمی کو اور جو غضبناک ہے اس کی غضبناکی کو اور جو دوست ہے اس کی دوستی کو اور جو دشمن ہے اس کی دشمنی کو اور جو راست باز ہے اُس کی لکنت کو کو اور جو گویا ہے اس کی گویائی کو اور جو الکن ہے اس کی لکنت کو اور جو صاحب شرم ہے اس کی شرم گینی کو اور جو بے حیا ہے اس کی بے حیائی کو اور

جو بادہ پرست ہے اس کی بادہ پرستی کو اور جو حسن پرست ہے اُس کی حسن پرستی کو اور جو زر پرست ہے اس کی زر پرستی کو اور اسی طرح کی دیگر کیفیات اندرونی کو جو مختلف بنی آدم میں پائی جاتی ہیں زور قلم کاری سے اس طور پر دکھا دے کہ ذرہ بھر بھی تقاضائے فطرت کے خلاف نہ ہو۔ راقم کو دم تحریر تین تصویریں یاد آ گئی ہیں جو کمال مصوری کا نمونہ تھیں اور جن کے بیان سے کسی قدر معلوم ہو جائے گا کہ مصوّر کو علم ذہنیات سے واقف رہنے کی کیا ضرورت ہے۔

تیتیس ۳۲ برس کا عرصہ ہوا ہو گا کہ فقیر ہمرکاب جناب والد ماجد اعلی اللہ مقامہ فی الجنۃ کے کلکتہ گیا ہوا تھا۔ اُس وقت راقم بھاگلپور کے سرکاری اسکول میں کسی نیچے کے درجے میں پڑھتا تھا مگر میلان طبعی سے کسی قدر تصویر شناسی کی صلاحیت رکھتا تھا۔

تین تصویریں جناب غفران مآب فقیر کے مذاق مصوری سے خبر رکھتے تھے اور خود بھی وفور علوم عربی و انگریزی و لاطینی وغیرہ کے ساتھ اس فن کے بھی بڑے قدردان و جوہر شناس تھے۔ حین قیام کلکتہ ایک روز یہ ارشاد فرمایا کہ تین تصویریں ایک جگہ قابل دید ہیں چلو دیکھو اور انسان کی قدرت صناعی کو مشاہدہ کر کے قدرت خداوندی پر غور و فکر کرو۔ حسب ارشاد نصیحت ہمرکاب حضرت نہایت مشتاقانہ وہاں پہنچا جہاں وہ تینوں تصویریں تھیں مالک اُن تصویروں کا کوئی انگریز تھا جو نہایت تکلف کے ساتھ ان تصویروں کو ایک وسیع اور محفوظ جگہ میں مقفل رکھتا تھا اور ان کے دکھلانے کی اُجرت فی شخص ایک روپیہ لیا کرتا تھا۔ یہ تصویریں بقرینہ غالب بارہ ۱۲ فٹ طول میں اور آٹھ فٹ عرض میں ہوں گی۔ یہ تصویریں مضامین کتب سیر کے مطابق

کھینچی گئی تھیں۔ چنانچہ ایک تصویر ایسی تھی کہ جس میں مصور نے کمال صناعی سے حضرت آدم اور حواؑ کی اس حالت کو دکھلایا تھا کہ جب وہ دونوں حکم خدا سے باغ عدن میں قیام رکھتے تھے۔ دوسری تصویر کا منشا یہ تھا کہ باغ عدن کے قیام کے زمانے میں حضرت حوا حضرت آدم کو گندم کھلانے پر آمادہ کر رہی ہیں۔ تیسری تصویر نافرمانی حکم خدا کی وجہ سے حضرت آدم کے مبتلائے غضب الٰہی ہونے کی تھی۔ جس وقت راقم کی نظر اوّل اوّل اُن تصویروں پر پڑی تو یہ تصویریں کسی مسطح شئے پر کھینچی نظر نہ آئیں بلکہ اُن پر اصنام ہونے کا دھوکا ہوا۔ مصور کے کمال صناعی نے ان تصویروں میں ایسا اُبھار پیدا کیا تھا کہ سطحی کیفیت کے عوض اُن میں صنمی اجسام کا انداز پیدا تھا مثلاً ناک حضرت آدمؑ کی صاف صفحۂ کاغذ سے ایسی اُبھری معلوم ہوتی تھی جیسے واقعی انسان کے چہرے میں اُبھری ہوا کرتی ہے اسی طرح اپنا ہاتھ جو حضرت آدمؑ پیشانی پر رکھے ہوئے تھے تو ہاتھ کا اُبھار ایسا تھا کہ جیسے آدمی کا ہاتھ پیشانی پر رکھنے کے وقت سینہ گردن اور منہ سے الگ نظر آتا ہے پھر مصور نے اس خلا کی بھی تصویر کمال صناعی کے ساتھ کھینچی تھی جو ایسی حالت میں درمیان ہاتھ سینہ گردن اور رخ کے نظر آتا ہے۔ اسی پر دیگر اعضا کے اُبھاروں کو قیاس کرنا چاہیے اور ان کی اعتباری دوریوں کو بھی جسے بزبان انگریزی پرسپکٹو (Pres pective) کہتے ہیں۔ اب ہم ہر تصویر کی مختصر کیفیت علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں گو راقم کے قلم میں اس قدر زور نہیں ہے کہ ان کی تمام خوبیوں کے درج پر قادر ہو۔

پہلی تصویر۔ پہلی تصویر جو حضرت آدمؑ و حواؑ کے قیام بہشت عدن کی تھی

اُس سے حضرت آدمؑ و حوّا کا قد اتنا بلند معلوم ہوتا تھا جتنا کہ فطرتی طور پر مرد و عورت کو بلند بالا ہونا چاہیے اُن کے قد کے وہ ولایتی اشخاص ہُوا کرتے ہیں۔ جن کو کوتاہ قدی سے فطرت نے محفوظ رکھا ہے بقیاس فقیر اس تصویر میں حضرت آدمؑ کا قد ۶ فٹ ۶۔۱ انچ یا اس سے کچھ زیادہ دکھلایا گیا تھا اور اسی حساب سے حضرت حوّا کا قد تناسب کے ساتھ کم قرار دیا گیا تھا۔ بہر حال دونوں کو قد کشیدہ مصوّر نے کھینچا تھا۔ یہ تصویر مصوّر کی برائے خود اُس کی خوش مذاقی اور واقفیّت علمی سے خبر دیتی ہے۔ دونوں کی صورتیں نہایت پاکیزہ اور جمیل کھینچی تھیں اور دونوں کے چہروں سے شرافت اور نجابت کے آثار عیاں تھے اُن کو دیکھ کر بے اختیار طبیعت کہ اٹھتی تھی کہ بلاشبہ انسان کے اول باپ ماں ایسے ہی ہوں گے۔ دونوں کے تناسب اعضا اُن کی عمدگی خلقت کی گواہی دے رہے تھے حضرت آدمؑ و حوّا کے شمول میں اُن کی قیام گاہ کی تصویر مصوّر نے کھینچی تھی کسی مکان یا خیمے کا نقشہ کہیں موجود نہ تھا فطرتی حالت میں انسان جس طرح بسر کرسکتا ہے اس کا بیان قلم کاری کے ذریعے سے ظہور میں آیا تھا اشجار بھی فطرتی نشو و نما رکھتے تھے اور سوائے فطرتی اشیا کے اِرد گرد حضرت آدمؑ و حوّا کے کوئی شے مصنوعی نہیں دکھلائی گئی تھی۔ فطرتی وسائل اور رضائے الٰہی کی تبعیت سے جو انسان کو خوشی ہو سکتی ہے اُس کے سب آثار و انداز اُن دونوں حضرات کے چہرۂ پاک و مقدّس سے نمایاں تھے صاف معلوم ہوتا تھا کہ حضرت آدم و حوّا اطاعت خداوندی کی بدولت غایت آرام روحی سے متمتع ہو رہے ہیں۔ چہرے ان کے کہے دیتے تھے کہ وہ خدا سے راضی ہیں۔ اور خدا اُن سے راضی ہے اور دونوں کو نفس مطمئنہ نصیب ہُوا ہے طاعت خدا

اور تبعیت فطرت سے جو تلذذ روحانی انسان کو میسّر آسکتا ہے اُس کی پوری کیفیت
ان کے ہر انداز سے ہویدا تھی۔ بشرۂ ابوالبشر سے یہ امر ظاہر تھا کہ خداوند تعالیٰ نے
کوئی خوشی ان کے واسطے اٹھا نہیں رکھی ہے کسی شے کی اُن کو محتاجی باقی نہیں
رہی ہے طلب سے اُن کے دلوں کو استغنا حاصل ہے فکر و تردد جس سے ان کی
اولاد مبتلائے آلام ہو رہی ہے ان کے واسطے مخلوق ہی نہیں ہوئے تھے اس
آرام روحی کے میسّر آنے کی شکل مصوّر نے یوں دکھلائی تھی کہ ارد گرد حضرت آدمؑ
و حوّا کے تمام معاملات فطرت ہی کو جگہ دی تھی کہیں مصنوعیّت کی جھلک کو بھی
گذر ہونے نہیں دیا تھا۔ جاننا چاہیے کہ تبعیت فطرت ہی ذریعہ انشراح روحی ہے
جنت میں اگر صنعت کو دخل ہو تو جنّت دنیا کی طرح دار المحن ہو جائے۔ روحی
تلذذ انسان کو فطرت ہی کی بدولت نصیب ہو سکتا ہے اگر کچھ بھی فطرت میں صنعت
کی شرکت لاحق ہو جائے تو کمال تلذذ روحی میں نقصان پیدا ہو جائے گا۔ ملٹن
(Milton) شاعر انگلستان نے اپنی کتاب پیریڈایز لاسٹ (Paradise
Lost) میں بڑی خوبصورتی اور قابلیّت شاعرانہ کے ساتھ حضرت آدمؑ کے حالات
منظوم کیے ہیں۔ باغ عدن کے سب معاملات کو کہ محض اصول فطرت پر مبنی ہیں
دکھلایا ہے اُس حیرت خیز شاعر نے یہ لکھا ہے کہ بہشت عدن میں حضرت آدم و
حوّا کی معاشرت کا طور بالکل فطرتی طریق پر تھا آدم اور حوّا دعائے صبح و شام پڑھا
کرتے تھے اور اوقات معینہ میں تسبیح و تہلیل کا مشغلہ رکھتے تھے۔ اس یاد الٰہی
کے ذکر کرنے کی یہ ضرورت تھی کہ یاد الٰہی ذریعۂ انشراح روح ہے جو شخص یاد الٰہی
سے غافل ہوتا ہے یا متدہر یا ملحد ہوتا ہے زنہار ایسے کو روحی خوشی نصیب

نہیں ہو سکتی ہے روحی خوشی نصیب ہونے کے لیے انسان کو تعبد کی حاجت ہے جب بندہ خدا کو یاد کرتا ہے تو خدا بھی اپنے یاد کرنے والے بندے کو یاد کرتا ہے پس جب خدا کسی بندے کو یاد فرمائے تو پھر اس بندے کے واسطے اس سے زیادہ اور کیا دوسری خوشی متصوّر ہو سکتی ہے عبادت کے اصول محض قانونِ فطرت پر مبنی ہیں عقل کہتی ہے کہ مخلوق خالق کو مانے اور اُس کی عبادت تہ دل سے کرے بالمختصر ملٹن نے کمال طباعی سے حضرت آدمؑ و حواؑ کے لذائذ بہشت سے تمتع اُٹھانے کے وسائل میں مضمون تعبد کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر اُس کے ساتھ معاشرت کا طور ابوالبشر کے ایسا دکھلایا ہے کہ جس میں تصنع کو کسی طرح دخل نہیں دیا ہے حضرت آدمؑ کے قیام کے واسطے نہ کسی ایوان کا ذکر کیا ہے نہ باورچی خانہ، غسل خانہ، نوشتہ خانہ، مودی خانہ، شفاخانہ، اثمار خانہ، انبار خانہ، اصطبل، خیمہ، خرگاہ، شہ نشین، نمگیرا، شامیانہ کی حاجت دکھلائی ہے۔ لشکر، سوار، پیادے، پالکی، نالکی، ہاتھی، گھوڑے، فٹن، بروشس لینڈو، آفس جان، بگھی، ٹمٹم، میز، کرسی، آئینہ، چھپرکھٹ، مسہری، چھری، کانٹے، رکابی، گلاس، کٹورے، پیالے اور دُنیا کے جتنے بکھیڑے جن سے راحت نصیب ہونے کے عوض اہلِ دنیا ہمیشہ مبتلائے رنج و افکار رہتے ہیں کہیں بھولے سے بھی حضرت آدمؑ کے لگاؤ سے یاد نہیں کیے گئے ہیں حتیٰ کہ حضرت آدمؑ کے لیے ضرورت لباس کی بھی نہیں دکھائی گئی ہے اسی طرح حضرت حواؑ کے لیے بھی کوئی تکلف انگیز سامان کا نقشہ نہیں کھینچا گیا ہے اگر حضرت حواؑ کو مجرد لباس کا شوق دیا جاتا تو حضرت آدم میلینرس (Milliners) یعنی زنان لباس ساز کی بلیں ادا کرتے

کرتے اور حضرت حوا کی بباسی فرمائشوں کو بجالاتے لاتے آخر کار گھبرا کر باغ عدن سے کسی اور طرف نکل جاتے جہاں ہوسناک تن پرور مسرف عورتوں کا گزر نہ ہو سکتا اور باتیں ایک طرف صرف لباس کی پابندی فیشن یعنی وضعداری سے تو عورت اپنے شوہر کی رُوح پر اس کی قبائے جسم کو تنگ کر دے سکتی ہے۔ اگر کاش حضرت حوا کو پورا انداق اس زمانے کی خاتونان فرنگ (French) کا ہوتا۔ تو خدا جانے حضرت آدمؑ کس عذاب شدید میں مبتلا رہتے پس اس نظر سے کہ حضرت آدمؑ کو بہشت عدن میں تلذذ روحانی نصیب تھا اس کے دکھلاتے کے لیے شاعر نے تمام ایسے امور کو جس میں صنعت انسانی کو دخل ہے بہشت عدن کے بیان میں داخل ہونے نہیں دیا ہے اگر ذرہ بھی صنعت کو خلل انداز فطرت ہونے دیتا تو بہشت عدن کی صورت دوزخ سے مبدل ہوجاتی یعنی پھر وہی بکھیڑے جو خاص کر اس زمانہ کے ہیں اور علی الخصوص جس کے مبتلا اس زمانے کے زن و مرد ہو رہے ہیں۔ بہشت عدن میں دخل پاتے تو بہشت عدن دار العافیت ہونے کے عوض دار المحن ہوجاتا پس شاعر نے نہایت بامذاقی کے ساتھ حضرت آدمؑ کی معاشرت کا طور محض فطرت کے مطابق دکھایا ہے اُس کے شاعرانہ بیان کے مطابق حضرت آدمؑ نہایت آزادانہ طور پر زندگی بسر کرتے دیکھے جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں بیٹھتے ہیں۔ جس طرف چاہتے ہیں ٹہلتے پھرتے ہیں۔ حسب خواہش چشموں سے پانی پیتے ہیں۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھا لیتے ہیں۔ ہزاروں رنگ کے گلہائے خودرو کا تماشا دیکھتے ہیں نہ غم دزد نہ غم کالا ہر طرح سے اُدکار روبموی سے محفوظ نظر آتے ہیں صرف ایک مرتبہ تنہائی سے متوحش ہوئے تھے کہ اُن کی وحشت تنہائی کو

دور کرنے کے واسطے خدائے تعالیٰ نے اُن کے لیے حضرت حوّا کو پیدا کر دیا اور اس قدر سامان فطرت میں جو نقصان رہ گیا تھا وہ بھی پورا کر دیا گیا۔ اس آزادی اور بے فکری کے ساتھ کسی محبوب موافق و دلکش کے ساتھ اوقات بسر کرنا اگر جنت نہیں ہے تو پھر اور کس کو جنت کہیں گے اگر ایسی جنت کے علاوہ اور کوئی جنت ہے تو کسی مُلّا کی جنت ہوگی یا مذاقوں کی تو نہ ہوگی ؎

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

واضح ہو کہ اس تصویر میں مصوّر نے قلم کاری کے ذریعے سے یہ سب کیفیتیں ایک جسم مسطح پر دکھلائی تھیں جنھیں ملٹن اور بھی دیگر مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں حوالہ قلم کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصوّری بھی ایک قسم شاعری کی ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ اسی قدر ہے کہ ایک رضائے الٰہی کی نقل نقوش اور قلم کاریوں کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے اور دوسری وہی رضائے الٰہی کی نقل الفاظ بامعنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے۔

دُوسری تصویر دُوسری تصویر یہ تھی کہ حضرت حوّا قیام بہشت عدن کے زمانے میں حضرت آدم کو گندم کھلانے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ یہ تصویر بھی سراپا قلم کاری کی صنعتوں سے معمور تھی اور اگر پوری کیفیت اس کی خوبیوں کی لکھی جائے تو کلام طولانی ہو جائے گا۔ اس واسطے راقم اس تصویر کے صرف منشا کے بیان پر قناعت کرتا ہے اس تصویر میں مصوّر نے اپنا کمال قلم کاریوں کے ذریعے سے اس طرح دکھلایا تھا کہ جس سے ہویدا تھا کہ ترغیب کیا شے ہے

عورت کی ترغیب دہی کس درجے تک پہنچ سکتی ہے عورت کے ترغیب دینے
کا اثر مرد پر اور وہ بھی مرد عاقل اور مستقل مزاج پر کیا ہو سکتا ہے۔ ترغیب اور اصرار
کے وقت عورت کی آنکھوں کا عنوان کیا ہو جاتا ہے اور اس کے تمام حرکات جسمانی
اس کے عنوان چشم کی کیونکر مددگاری کرتے ہیں۔ محبوبہ کے اصرار و ترغیب کے وقت
مرد عاقل اور مستقل مزاج کی آنکھیں اندیشہ تفکر اور سوچ کے ساتھ کس طرح رفتہ رفتہ
پایۂ عقل و حزم و استقلال سے گزرنے لگتی ہیں۔ اس تیس برس کے عرصے کے بعد
بھی راقم کی آنکھوں میں حضرت حوّا اور حضرت آدمؑ کی آنکھیں پھر رہی ہیں باوجود اس
مدت مدید کے بھی مصوّر کی کمال صناعی کا اثر آج تک فقیر کے دل پر تازہ ہو رہا ہے
بلکہ مرور ایام اور افزائش اطلاع سے اس اثر میں ترقی ہوتی جاتی ہے راقم اس
لطف تصویر کو بھول نہیں سکتا کہ حضرت حوّاؑ اپنی محبوبیت کے اعتماد پر کہ حضرت
آدمؑ ان کا کہنا اٹھائیں گے مشغول اصرار و ترغیب ہو رہی ہیں۔ ان کی آنکھوں سے
یہ کیفیتیں ٹپک رہی ہیں ہاتھ میں جو گندم کے خوشے ہیں وہ اس انداز سے حضرت
حوّاؑ لیے ہوئی ہیں کہ بجائے خود گلدستۂ ترغیب ہو رہے ہیں۔ حضرت حوّاؑ کی
آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ یہ عورت کی آنکھیں ہیں جن کو عاقبت اندیشی سے کوئی سروکار
نہیں ہے۔ آنکھیں نہیں ہیں مجسم ترغیب ہیں اسی کے برخلاف حضرت آدمؑ کی
آنکھیں اظہار تفکر و مآل اندیشی کر رہی ہیں اور عجب کشمکش کا عالم دکھا رہی ہیں خدا
کی نافرمانی کا خوف حوّا کی آزردگی کا خیال عجب مرکب کیفیتیں آنکھوں میں پیدا
کیے ہوئے ہیں پھر حوّاؑ کی سر دست بیدلی کا اندیشہ آئندہ کی ناخوشنودی خدا پر
غلبہ دکھلا رہا ہے۔ اے حضرات ناظرین باتمکین اس عاجز کو اس قدر اطلاع

علمی کہاں ہے کہ اُس مصور عالم کی پوری تعریف رقم کر سکے جس نے کمال صناعی کے ساتھ دشوار دشوار امور ذہنیہ کو اس طور پر حوالۂ قلم کاری کیا تھا بلاشبہ وہ مصوّر علاوہ علوم مختلفہ کے علوم ذہنیہ میں بھی مہارت تامّہ رکھتا تھا ورنہ ایسی عالمانہ مصوّری کا جلوہ خاص و عام کو کس طرح دکھلا سکتا ہے۔ اس تصویر کے دیکھنے سے شعر ذیل کی کوئی عظمت راقم کی آنکھوں میں باقی نہیں رہی ہے ؎

گر مصوّر صورتِ آں جان جان خواہد کشید
حیرتم این ست نازش را چساں خواہد کشید

معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر اُس عہد کا ہے کہ جب فن مصوّری حال کے درجۂ کمال کو نہیں پہنچا تھا ورنہ اس زمانے میں ناز معشوق کے کھینچنے والے بہت اہلِ فن موجود ہیں۔

تیسری تصویر۔ تیسری تصویر بھی دونوں تصویر ہائے بالا سے نفاست اور صناعی میں کم نہ تھی اس تصویر کا منشا یہ تھا کہ گندم خوری سے حضرت آدمؑ پر کیا گزری۔ اور ان کی حالت میں کیا انقلاب پیدا ہوا معاملات خارجیہ کا جو کچھ نقشہ مصوّر نے کھینچا تھا اُس کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے مگر اس نافرمانی خدا سے جو پشیمانی بدحالی بے قراری بے چینی وغیرہ وغیرہ حضرت آدمؑ کو لاحق ہوئیں۔ اُن کی نسبت اتنا عرض کر دینا ضرور ہے کہ ان کے چہرے سے یہ کیفیتیں ایسی نمایاں تھیں کہ ان کیفیتوں کا بیان زبان کے ذریعہ سے بھی خالی از دقّت نہیں ہے

مصوّر کو مشاہدۂ عالم کی حاجت علوم خارجیہ و ذہنیہ کی دانست کے علاوہ مصوّر کو چاہیے کہ وسعت نظر کے ساتھ صحیح طور پر عالم کا مشاہدہ کیے ہو ملک ملک پھرا ہو طرح طرح کے بیابان، صحرا، جنگل، بحور و جبال

کو اپنی آنکھوں سے دیکھے ہو ہر قسم کے جانوروں کو ان کی صحرائی اور پروردہ حالتوں میں معائینہ کیے ہو اقوام مختلفہ کی اوضاع و عمارات کہن و حال کو ملاحظہ کیے ہو اور جتنی چیزیں اس عالم میں فطرتی اور مصنوعی ہیں بحد طاقت بشریہ اُن سے ذاتی اطلاع رکھتا ہو فطرتی اشیا میں قابل مشاہدہ ایسی ایسی چیزیں ہیں مثلاً ملک ملک کی تنفق رنگ آسمان فصل بہار فصل خزاں سمندروں کے جوش طوفان برف باری ژالہ باری برق باراں قوس قزح ارورالوریالس (یعنی شفق شمالی) ریگستان۔ گرد باد۔ باد سموم نیستان۔ مرغزار۔ سبزہ زار۔ چراگاہیں۔ دشت۔ صحرا۔ کوہ آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیاں دامان کوہ دریاؤں کا پہاڑوں سے نکلنا ان کا بلندیوں سے نشیب کی طرف جست کرنا۔ اُن کا پہاڑوں سے گزار اُن کا پہاڑوں کو پھاڑ کر بہ نکلنا ان کا میدانی حصّوں میں کج و کاواک راہوں کا اختیار کرنا چشموں کا اُبلنا بڑی بڑی جھیلیں (جیسے لیک کومو وغیرہ) اور طرح طرح کے اشجار و اثمار و ازہار و طیور و دواب وغیرہ وغیرہ مصنوعی چیزوں میں قابل دید بڑے بڑے شہر بادشاہوں کے محل ان کے دیوانِ عام و خاص قلعہ جات۔ سفارت خانے امرا کے ایوان۔ مساجد۔ مندر۔ گرجے مقابر۔ روضے۔ خانقاہیں۔ مدارس۔ رصدیں۔ منارے۔ باغ۔ فوارے۔ جہان سرائیں، پیادے اور سواروں کی بارکیں۔ پڑیٹیں۔ توپ خانے۔ جہاز جنگی۔ جہاز تجارتی۔ بندرگاہیں۔ تجارت گاہیں۔ تجارتی چیزوں کی کارگاہیں وغیرہ وغیرہ ہیں بالمختصر جب علوم مختلفہ کے ساتھ معاملات عالم کا مشاہدہ صحیح بھی مصوّر کو حاصل ہوگا تب اُس کی صنعت اہل اطلاع کے نزدیک قابل توجہ منصوّر ہوگی اس زمانے میں مصوّری کا فن اس درجہ ترقی کر چکا ہے کہ اگر بہزاد و مانی قبر سے اُٹھ کر

آئیں تو سر جبشوا رنیلز - روبنس وینڈک اوران کے برابر کے مصوروں کی صناعیاں دیکھ کر خود تصویر حیرت ہو جائیں - اب مصوّری اُس بلند پایگی کو پہنچ گئی ہے - کہ مصوّر حکم حکیم کا رکھتا ہے۔

اس عہد میں مصوّری کی ترقی

اس زمانے کے مصوروں کی صناعیوں کے سمجھنے کے لیے انسان کو خود بھی جامع علوم پُر مادّہ اور طباع ہونا چاہیے یلے اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتگی کے مصوّری کے نکات سمجھ میں نہیں آسکتے ایک ایک تصویر اس عہد کی ایسی ہے کہ برائی خود اہل نظر کی وسعت، اطلاع، جہاں دیدگی، باریک بینی، صحیح مذاقی، مضمون رسی، خوش پسندی، قوت دماغی کی آزمائش ہے - سچ یہ ہے کہ اس وقت کے مصوّران یورپ فن مصوّری کو خوب جانتے ہیں اور اُن کی صنعتوں کو ان کے ملک کے لوگ بھی خوب سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس درجے کی تعلیم یافتگی یورپ کے مصوّرین رکھتے ہیں - ان کے مُلک والے بھی اُسی درجے کی تعلیم یافتگی رکھتے ہیں ۔

ہندوستانی مصوّری

اہل ہند کو مصوّری کا مذاق بہت کم ہے اور جن لوگوں کو ہے بھی تو اکثر ناتمام طور پر ہے اور جن کو اس کا تھوڑا بہت مذاق ہے بھی تو انھیں اہل یورپ کی بدولت ہے ایک وقت میں دہلی کے مصوّر مشہور دیار و امصار تھے اور اب بھی مصوّر پیشہ لوگ دہلی میں موجود ہیں فوٹوگرافی کے رواج پکڑنے کے پہلے دہلی کے مصوّروں کو اعتباری دوریوں یعنی پرسپکٹو کی تمیز مطلق نہ تھی عہد ظفر شاہ تک کی تصویریں جو فقیر نے دیکھی ہیں اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصوّران دہلی کو پرسپکٹو کے قاعدے کچھ نہیں معلوم تھے

مثلاً اگر کوئی تصویر ایسی ہے کہ جس کا منشا یہ ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھے ہیں اور اراکین دولت چپ و راست کھڑے ہیں اور تخت کی پشت کی جانب یعنی بیک گراؤنڈ (Back Ground) میں کوئی عمارت اور باغ ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ تخت کا پایہ ہوا میں متعلق ہے یا کسی رکن دولت کے سر پر قرار لیے ہے عمارت کا ٹیلا یا قریب ہے یا باغ کا سرو دور ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام تصویریں پرسپکٹو کا لحاظ ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ نزدیک کی چیز دور اور دور کی چیز نزدیک یا سب چیزیں برابر فاصلے پر نظر آتی ہیں مگر جب سے فوٹوگراف نے رواج پکڑا اور مصوران دہلی فوٹو کی نقلیں اتارنے لگے تو ان کو پرسپکٹو کی طرف ناچار توجہ کرنی پڑی جس سبب سے اعتباری دوریوں کا تصویروں میں لحاظ رکھنا آگیا اب مصوران دہلی بلکہ تمام مصوران ہند جو فوٹو کی نقلیں اتارتے رہے ہیں۔ فوٹو کی مدد سے اچھی تصویریں بسبیل نقالی کھینچتے ہیں اور ہندوستانی اور ولائتیوں سے اس نقالی کے ذریعے سے خوب منتفع ہوتے ہیں۔

مصوری اور نقالی واضح ہو کہ نقالی اور مصوری دو شئے ہیں مصور کو علوم مختلفہ سے بڑا بہرہ درکار ہے اور اُسے مشاہدۂ عالم نہایت وسعت اور صحت کے ساتھ حاصل رہنا چاہیے۔ علاوہ اس کے اُسے بڑا ہی طباع ذہین خلاق مضمون معنی رس اور صاحب اجتہاد ہونے کی حاجت ہے۔ نقالی کے لیے مشق اور فہم معمولی کے سوا اور کوئی قابلیت نہیں درکار ہے۔ نقالی پر نقل را چہ عقل کا مضمون تمام تر صادق ہے۔ ایک ادنیٰ فرق مصور اور نقال کے درمیان یہ ہے کہ مصور اپنے وفور علم اور طبیعت اور قوت معنی رسی سے صحیح تصویریں

مخلوقات خداوندی کی کھینچ سکتا ہے۔ نقال سے ممکن نہیں کہ اس کام کو کر سکے اگر کیسا ہی کہن مشق بھی ہو گا تو بھی نقال نقال ہے ایسا شخص اصول فطرت کے مطابق اپنے ذہن کے زور سے معاملات خارجیہ یا امور ذہنیہ کا تماشا نقوش اور قلم کاریوں کے ذریعہ سے نہیں دکھلا سکتا ہے۔ نقال شاعر کی بلند پایگی نہیں رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے مصوّر شاعر مصوّری ہوتا ہے اور شاعر کا ہم رتبہ متصوّر ہے تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مصوّران ہندوستان کو سچی مصوّری کی واقفیت مطلق حاصل نہ تھی۔ جتنی پرانی پرانی تصویریں فقیر کی نظر سے گزری ہیں کوئی بھی نقص پرسپکٹو سے خالی نہ تھیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم مصوّروں کو کسی قدر شبیہ کشی میں دخل تھا مگر اس شبیہ کشی کی بھی یہ حالت معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہان اور امرا کی بد مذاقی سے اکثر مصوّرین شبیہ کشی سے احتراز کرتے تھے اور کچھ نہ کچھ منعمون کی رضامندی کی نظر سے مبالغہ کو راہ دے جاتے تھے۔ شبیہ کشی کے لیے منعم اور مصوّر دونوں کو مذاق صحیح حاصل رہنا درکار ہے۔ لارڈ کرامول (Lord Cromwell) نے جب اپنی شبیہ کھینچنے کے لیے مصوّر کو حکم دیا تو مصوّر کو پُرزور لفظوں میں یہ فہمائش کی کہ میں جیسا ہوں میری تصویر ویسی ہی کھینچو۔ اگر میرے چہرے پر کے تلواروں کے داغوں کو جن سے میرا چہرہ بدنما ہو رہا ہے چھوڑ دو گے تو میں تمھیں ایک کوڑی نہ دوں گا۔

صحت و عدم صحت مذاق مصوّری

مگر اس مذاق کے خلاف کے لوگ اس وقت بھی دیکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ میرے صورت آشنا ایک حضرت ہیں جنھوں نے ایک مصوّر کو اپنی شبیہ کشی کا حکم دیا۔

مصور بے چارہ ان کے مذاق سے واقف تھا سمجھا کہ اگر حضرت کی تصویر میں آبلہ دوئی بدلونی وغیرہ نے جگہ پائی تو ساری محنت رائگاں جائے گی اور ایک خرمہرہ نہیں ملے گا۔ پس اس نے ایک ایسی تصویر کھینچی جو بسبب وجاہت وجمال کے کبھی ان کی شبیہ ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تصویر کو اس طور پر خوبصورت بنانے کے علاوہ مصور نے حضرت کے فرق اقدس پر خاندان تیموریہ کا ایک تاج بھی چڑھا دیا جس سے اُس تصویر میں دلی کے شاہزادوں کا انداز پیدا ہو گیا۔ جائے لحاظ ہے کہ جب ہندوستان کے خوشحال عوام کا یہ مذاق ہے تو سابق کے مصور با اختیار بادشاہان و نوابان و عمائد کی پوری شبیہیں کھینچنے میں بہت سی حالتوں میں مضایقہ کرتے ہوں گے اس پر بھی اُن مصوروں کی قلم کاریوں سے عیاں ہے کہ ان کو بلاشبہ کسی قدر شبیہ کشی میں دخل تھا اور اکثر سابق زمانے کے ممیز اشخاص اپنی شبیہ کھچوایا کرتے تھے۔ چنانچہ فقیر کے بھی بعض بزرگوں کی تصویریں اس وقت موجود ہیں جن سے سابق کے مصوروں کی صناعی کا اندازہ دریافت میں آتا ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عہد سابق کے اکثر والیان ملک و اہل حکومت فن مصوری کا مذاق صحیح نہیں رکھتے تھے جس سبب سے مصوروں کا مذاق بھی خراب ہو جاتا تھا اور اس خرابی مذاق کے باعث ان کو اپنے فن میں ترقی کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی تھی۔ یہی حال ایشیائی شعرا کا بھی دیکھا جاتا ہے کہ تقرب سلطانی اور تقاضائے سلطنت سے ان کو فطرت اللہ کی تبعیت کا خیال باقی نہیں رہتا تھا اور اپنے ممدوحین کی خوشامدوں سے اپنی شاعری کو بدمذاقی کا نمونہ کر ڈالتے تھے انشاء اللہ تعالیٰ شعرا کی بدمذاقی کی بحث آئندہ بسط کے ساتھ حوالۂ قلم ہو گی الغرض

اس وقت جو عہدِ مسلمانان کی مصوّری کے آثار پائے جاتے ہیں اُن سے مصوّروں کی خوش مذاقی کا کوئی پتا نہیں لگتا۔ اس عدمِ خوش مذاقی کی توجیہہ بعض ناواقف اشخاص نے یوں کی ہے کہ تصویر مسلمانوں کے مذہب کے رُو سے ایک ممنوع امر ہے۔ اس واسطے عہدِ مسلمانان کے مصوّروں میں بدمذاقی کا نقص دیکھا جاتا ہے۔ ظاہراً یہ توجیہہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اور غیر محصّل شخص کو دھوکے میں ڈال سکتی ہے۔ مگر جو حضرات واقفِ حقیقت ہیں وہ اس توجیہہ کو سراپا غلط سمجھیں گے۔ کس واسطے کہ اگر اسلام کے تقاضائے ممانعت سے مصوّرانِ ہند میں نقص بدمذاقی وغیرہ پایا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ عہدِ ہنود کے مصوّر بہ تقاضائے بت پرستی و صنم سازی اسلامی مصوّروں سے بہتر ہوتے حالانکہ معاملہ برعکس دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے اس دعوے کے معین الفنسٹون صاحب مصنّفِ تاریخ ہند کی تحریر ہے جو فرماتے ہیں کہ ہنود اگرچہ تقاضائے مذہب سے صنم پرست ہیں اس پر بھی اسلامی مصوّروں پر ترجیح نہیں رکھتے۔ بہرحال عہدِ مسلمانان کی مصوّری کا جو نقص ہے اس کا اعظم سبب فرماں روایوں کی بدمذاقی ہے۔ چنانچہ اہلِ سلطنت کی بدمذاقی کی مثال ایک یہ ہے کہ صوبہ میسور میں ایک باغ ٹیپو صاحب کا آراستہ کیا ہوا ہے۔ اس کی حفاظت اور مرمّت آج تک سرکارِ انگلشیہ کی طرف سے ہوتی ہے اُس باغ میں ایک پختہ مکان بھی ٹیپو صاحب کا تعمیر کردہ ہے۔ اس مکان کے ایک کمرے کی دیوار پر ایک جنگ کی تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ جو ٹیپو صاحب اور انگریزوں کے درمیان واقع ہوئی تھی اور جس میں ٹیپو صاحب کی فوج چیرہ دست رہی تھی۔ اُس دیواری تصویر کا منشا یہی ہے جو ابھی عرض ہوا۔ مگر اب مصوّر کی

صناعی پر غور و رکار ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصوّر نے کبھی مضمون فطرت اللہ پر غور نہیں کیا تھا ساری تصویر تبعیت فطرت اللہ سے معرّا پائی جاتی ہے۔ اوّل تو ٹیپو صاحب کے گھوڑے کا رنگ شہابی دکھلایا گیا ہے دوم یہ۔ کہ ٹیپو صاحب کا گھوڑا اُن کے لشکریوں کے گھوڑے سے بلا لحاظ پرسپکٹو سہ گونہ جسامت میں زیادہ معلوم ہوتا ہے اور خود ٹیپو صاحب اپنے لشکریوں سے بپا بندی تناسب دو گونہ جسیم معلوم ہوتے ہیں علاوہ ٹیپو صاحب اور ٹیپو صاحب کے گھوڑے کے اُن کے سواروں کے گھوڑے کوئی آسمانی کوئی زنگاری کوئی کاسنی کوئی بینگنی، کوئی دھانی رنگ وغیرہ وغیرہ نظر آتے ہیں۔ ماشاء اللہ ہاتھیوں میں بھی عجیب انقلاب نمایاں ہے کوئی ہاتھی عبیری کوئی گلابی کوئی نارنجی کوئی زعفرانی رنگ کا دکھائی دیتا ہے۔ اس تصویر میں انگریز میدان جنگ سے بھاگتے دکھلائے گئے ہیں مگر نہ ان کا رنگ نہ ان کا لباس نہ ان کی صورت کو اُن کے واقعی حالت سے کوئی علاقہ معلوم ہوتا ہے۔ انگریزوں کے ساتھ ان کے خانساماں خدمت گار بھی بھاگتے نظر پڑتے ہیں مگر ان خانساماں و خدمت گار کی شناخت صرف دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ یعنی ایک تو شراب کی بوتلیں اور دوسری چائے کی بڑی بڑی کیتلیاں۔ خدا جانے عین میدان جنگ میں یہ کمبخت خانساماں خدمت گار کیا کرتے تھے۔ اور ان کی وہاں ضرورت کیا تھی۔ اس قسم کی غیر فطرتی مصوّریوں کی اور بھی بہت مثالیں ہیں جن کے اعادے کی یہاں حاجت نہیں۔ یہی ایک مثال اظہار مطلب کے واسطے کافی ہے۔

واضح ہو کہ بالا میں بہت سے امور جو راقم نے مصوّری کے متعلق بیان

کیے ہیں اُن کو شاعری سے بھی تمام تر تعلّق ہے ۔ جو جو امور صحیح مذاق شاعری کے لیے درکار ہیں وہی امور صحیح مذاق مصوّری کے لیے بھی درکار ہیں حقیقت یہ ہے کہ مصوّری اور شاعری میں اس قدر مجانست ہے کہ جب انسان کا مذاق مصوّری صحیح ہوتا ہے تو شاعری کا مذاق بھی درست ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ مصوّری کا مذاق صحیح ہو اور شاعری کا مذاق غلط ہو جب ہوں گے تو دونوں فنوں کے مذاق صحیح ہوں گے یا دونوں کے غلط ہوں گے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک فن کا مذاق صحیح ہو۔ اور دُوسرے کا غلط ہو موسیقی کا بھی یہی حال ہے ۔ اب فقیر شاعری کی حقیقت کی طرف حضرات با مذاق کی توجہ کا خواستگار ہوتا ہے ۔

شاعری

راقم شاعری کی تعریف سابق میں عرض کر چکا ہے کہ یہ رضائے الٰہی کی ایسی نقل صحیح ہے جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے ظہور میں آتی ہے ۔ رضائے الٰہی سے مراد فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ سے مراد وہ قوانین فطرت ہیں جنھوں نے حسب مرضی الٰہی نفاذ پایا ہے اور جن کے مطابق عالم درونی و برونی نشو و نما پاتے گئے ہیں ۔ پس جاننا چاہیے کہ اسی عالم درونی و برونی کی نقل صحیح جو الفاظ بامعنی کے ذریعے سے عمل میں آتی ہے شاعری ہے ۔

بیانِ عالم مادی و غیر مادی واضح ہو کہ عالم دو نہج پر واقع ہے ایک عالم خارج ہے اور دوسرا عالم باطن عالم خارج سے مراد وہ

عالم ہے کہ جس کی ترکیب میں مادہ داخل ہے۔ اور مادہ وہ شے ہے کہ جس سے صفت ابعادِ ثلثہ کی منفک نہیں ہو سکتی جیسے شجر، حجر و قمر وغیرہ جس سے طول و عرض و عمق منفک نہیں ہو سکتے اور یہ عالم مادی وہی عالم ہے جس پر حواس خمس کا فعل ہوا کرتا ہے۔ اس عالم کے وسائل درک بھی حواس خمس ہیں۔ اگر یہ قوائے ظاہر ہم لوگوں کو عطا نہیں ہوئے ہوتے تو ہم لوگ عالم خارج سے مطلع نہیں ہو سکتے تھے اس عالم خارج کی وسعت پر غور کیجیے تو عجب حیرت دامنگیر ہوتی ہے تحقیق بلیغ کے بعد بھی اس عالم کی ابتدا اور انتہا کوئی دریافت نہیں کر سکتا۔ اگر آسمان کی طرف دن کو نظر اُٹھا کر دیکھیے تو صرف ایک آفتاب دکھائی دیتا ہے اس آفتاب پر اگر علمی نگاہ ڈالیے تو یہ دریافت میں آتا ہے کہ یہ آفتاب صاحب نظام ہے خود مرکز ہے اور اس کے گرد قریب قریب تین سو سیارے گردش کرتے ہیں۔ بعض سیارے کے ساتھ ایک قمر بعض کے ساتھ چار اور بعض کے ساتھ سات قمر بھی گردان ہیں۔ اس نظام کے قوانین عجائب و غرائب ہیں ان کی تحقیق کسی قدر علما کرتے گئے ہیں یہ ہماری دُنیا بھی اسی آفتاب کی فدویان سے ہے اور بمقابلہ مشتری و زحل کے کہ ایک مختصر سیارہ ہے اور خود یہ مشتری و زحل جسامت و عظمت آفتاب کے مقابلے میں مختصر اجرام ہیں مجرد اس نظام پر فکر و غور کرنے سے جب اس ارض کی بے حقیقتی عیاں ہوتی ہے اور پھر اُن اشیا کو جو اس کرے سے متعلق ہیں کیا وزن ہو سکتا ہے۔ ان علمی مسائل کی دریافت سے کیا کیا حیرت نہیں پیدا ہوتی ہے مجرد آفتاب کی عظمت جثہ اور اس کے گرد اس قدر سیاروں کی کثرت ایک حیرت خیز بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب ان کروی اجسام کے نظام گردش کے لیے

کس قدر وسعت کی حاجت ہے اس کو خیال کیجیے تو ایک فضائے عظیم کا تصور دل میں جگہ کرتا ہے جس سے ایک سخت تحیر منتج ہوتا ہے یہ تو اُس آفتاب کا نظام ہے جس کو ہم لوگ دن کو تابان اور درخشاں دیکھتے ہیں اور جو دن کے ظہور کا سبب ہے۔ جب رات آتی ہے اور آسمان میں ہزاروں بظاہر خرد مقدار تابان کروی اجسام جو ثوابت کہلاتے ہیں اور جو درحقیقت آفتاب ہیں اور ہمارے آفتاب سے جسامت میں بزرگ تر ہیں نمایاں ہوتے ہیں تو بصورت حاصل رہنے علم فلکیات کے یہ تعجب گزرنے لگتا ہے کہ خداوندا دن کو تو صرف ایک آفتاب نظر آتا ہے۔ جس کو دیکھ کر حیرت دامنگیر ہوتی ہے اب تو ہزاروں آفتاب دکھائی دیتے ہیں اور کوئی بھی ان شموس سے ہمارے شمس سے چھوٹا نہیں ہے پس اس قدر شموس کے نظام در نظام کے لیے کس قدر وسعت فضا درکار ہوگی لاریب عقل مرد محصل کے ان خیالوں سے مبتلائے تحیر ہوتی ہے۔ اور بے اختیار چلا اُٹھتی ہے کہ الٰہی یہ کارخانہ عالم مادی کا کیسا ہے کہ جس کی نہ ابتدا نہ انتہا معلوم ہوتی ہے اس وقت کوئی اس دنیا کو خیال میں لائے اور سوچے کہ یہ کُرہ غیر محدود عالم خارج کا کیا جزو بے مقدار ہے اسی طرح بتدریج دنیا کی چیزوں پر اگر خوض کرتے جائیے تو ایک سے چھوٹی دوسری چیز نظر آئیگی یہاں تک کہ اجسام خرد مقدار کے حس کرنے کے لیے خردبین شیشوں کی ضرورت ہوگی۔ جاننا چاہیے کہ جس طرح دوربین و آلات رسد کے وسیلوں سے بڑے بڑے اجرام فلکیہ کے عجائبات سے کسی قدر اطلاع کی صورت پیدا ہوتی ہے اُسی طرح ان کلاں بینوں کے ذریعے سے اشیاء خرد مقدار کے عجائبات

دریافت میں آتے ہیں اور عقل ان خرد مقدار اجسام کے درک سے ویسی ہی حیرت زدہ ہوتی ہے جیسی کہ شمس و دیگر اجرام فلکیہ کی، دریافت سے متحیر ہوتی ہے المختصر عالم مادی برائے خود ایک ایسا تعجب انگیز عالم ہے کہ جس کے تصوّر سے انسان کا دماغ چکر میں آنے لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عقل انسانی ایک محدود شے ہے اور زنہار اس کو اتنی صلاحیت حاصل نہیں ہے کہ عالم مادی اور اس کے متعلق کے قوانین کا حسب مراد اندازہ کر سکے اس وقت تک جو کچھ محققین نے دریافت کیا ہے وہ بہت قلیل ہے ان کی تحقیقات سے صرف اُن کے عجز کا اظہار متصوّر ہے یہ تو حالت عالم مادی کی ہے اب عالم ذہن پر غور کیجیے۔ تو اس کی دریافت حقیقت میں عقل انسانی اور بھی مجبور ہے یہ عالم بالکل ہی جداگانہ ہے۔ عالم مادی سے اس کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس عالم میں تمام ایسے امور ذہنیہ داخل ہیں جن کو مادیت سے کوئی سروکار نہیں ہے اور جو ابعاد ثلثہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے یہ عالم عالم اُلوہیت سے اقرب ہے اور اسی لیے عالم مادی سے اشرف ہے اس عالم کی برتری کے آگے تمام اجرام فلکیہ وغیرہ کی بزرگی ہوا ہو جاتی ہے اسی عالم کے ذریعے سے انسان کی رسائی خدا تک ہوتی ہے اور اسی عالم کو معرفت الٰہی کا ذریعہ قیاس کرنا چاہیے انسان کو اسی عالم کے تزکیہ اور تصفیے کی فکر لازم ہے افسوس ہے کہ اس عہد میں اس عالم کی طرف علمائے زمانہ نے توجہ یک قلم موقوف کر دی ہے۔ خاص کر علمائے یورپ کہ بالکل میٹریلسٹک (Materealistic) خیال اور مذاق کے ہو رہے ہیں اور جو کچھ ترقیاں کرتے ہیں عالم مادی کے متعلق کرتے ہیں۔ کوئی

شک نہیں کہ علمائے یورپ نے مادیات میں بڑی ترقی کی ہے اور کرتے جاتے ہیں مگر عالم روحانی سے غفلت اختیار کرنا خالی از ضرر نہیں ہے اس عالم مادی کی ترقی نے اہل یورپ کو روحی معاملات میں سست بنا رکھا ہے مذہب بھی ایک جزو معاملات ذہنی کا ہے اور بہت کچھ قابل توجہ ہے افسوس ہے کہ مادی مذاق کے اہل یورپ مذہب کو توجہ کی آنکھ سے نہیں دیکھتے ہیں خیر جو کچھ اہل یورپ کی حالت ہو عالم ذہن ایک بہت قابل لحاظ امر ہے اس عالم ذہن کو جس طرح خاصان خدا نے سمجھا ہے اُس سے فقیر کو کوئی اطلاع نہیں ہے مگر جو کچھ تفحص کے ذریعے سے اس عالم کے معاملات دریافت میں آئے ہیں اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں ایک شے غیر مادی ایسی ہے کہ جس کی طرف انا نحن کی نسبت کی جاتی ہے اور وہ شے جو منسوب بہ انا نحن ہے اُس کو چند طرح کے قوی فطرت نے بخشے ہیں اور یہ قوی مختلف کام کے لیے دیے گئے ہیں ان میں سے ایک کا کام یہ ہے کہ حواس خمس کے ذریعے سے عالم فی الخارج کو درک کرے دوسرے کا کام یہ ہے کہ جو اس سبیل سے اشیائے فی الخارج کے صُوَر فی الذہن قائم ہوں۔ اُن کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ تیسرے کا کام یہ ہے کہ ان محفوظ صُوَر کو آپس میں ترکیب دے اور ان سے صُوَر مرکبہ قائم کرے۔ چوتھے کا کام یہ ہے کہ اُن صُوَر کو ایک دُوسرے سے تمیز کرے۔ پانچویں کا کام یہ ہے کہ تمیز کے بعد ان میں تجویز کو دخل دے اسی طرح مختلف قوی کے متعلق مختلف خدمتیں ہیں سوا ایسے ایسے قوائے عقلیہ کے قوائے اخلاقیہ ہیں اور یہ قوائے اخلاقیہ یا حمیدہ ہیں یا ذمیمہ علاوہ ان قوائے اخلاقیہ کے واردات قلبیہ ہیں۔ جن سے

قوائے دماغیہ کو کوئی تعلق نہیں ہے اور ان واردات قلبیہ سے اہم امور روحی متعلق ہیں اور ان واردات قلبیہ کی وسعت اس قدر ہے کہ وحی والہام تک اس کے احاطے کے اندر آتے ہیں اور دیگر معاملات الٰہی کو تمام تر اس سے تعلق ہے مثلاً اقرار توحید و ایمان جو انھیں واردات قلبیہ میں داخل ہیں اور انھیں واردات قلبیہ کی ترقی سے انسان رفتہ رفتہ متقرب ذات ایزدی ہو جاتا ہے اس تقرب سے اسرار خداوندی اُس پر کشف ہوتے ہیں اور آخر کار یہی واردات قلبیہ عالم اکبر دکھائی دیتے ہیں۔ جن میں عالم اصغر یعنی عالم فی الخارج مادیت سے بری ہو کر شامل ہو جاتا ہے اور پھر وہی عالم اکبر محل و گزرگاہ ذات باری قرار پاتا ہے یعنی ذات و صفات باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ قرار پاکر عرش اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے

لمؤلفہ

کیوں کعبۂ دل میں نہ رکھیں تجھ سے صنم کو
جلوے نے ترے ایک کیا دیر و حرم کو
ہم نے وہ صنم خانہ بنایا ہے کہ جس میں
ہو دخل نہ زاہد ترے تقوے کے صنم کو
دل ہے جو گزرگاہ خدا کعبہ یہی ہے
اے شیخ ترا کعبہ نہیں چاہیے ہم کو

المختصر ان باتوں سے عالم باطن کی عظمت کو خیال کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ عالم باطن عالم خارج سے کس قدر اشرف ہے خیر ان دونوں عالم کی کیفیت

تواس طرح واقع ہے جیساکہ فقیر نے لسبیل اختصار سابق میں ان کے بیان کو حوالۂ قلم کیا ہے مگر اب یہ جاننا چاہیے کہ یہ دونوں عالم یعنی عالم خارج و عالم باطن جو رضائے الٰہی کے مطابق ظہور میں آئے ہیں انھیں کی نقل صحیح الفاظ بامعنی کے ذریعے سے شاعری کا حکم رکھتی ہے۔

شاعری کی تقسیم ازروئے تقاضائے مضامین

پس جب عالم دو نہج پر واقع ہے یعنی مادی اور غیر مادی تو مضامین بھی جو اُن سے متعلّق ہوں گے ضرور ہے کہ ہمرنگ نہ ہوں چنانچہ حقیقت حال بھی یہی ہے۔ کہ جو مضامین اشیائے فی الخارج سے تعلّق رکھتے ہیں اُن کا رنگ جدا ہے۔ اور جو امور ذہنیہ سے متعلّق ہیں ان کی کیفیت کچھ علیحدہ ہے اسی فرق رنگ کے اعتبار سے شاعری دو قسم پر تقسیم پاتی ہے یعنی شاعری متعلّق عالم خارج جسے بزبان انگریزی آبجکٹو (objective) اور شاعری متعلق بعالم ذہن جسے بزبان انگریزی سبجکٹو (subjective) کہتے ہیں۔ اوّل قسم کی شاعری جس کا نام راقم خارجی رکھتا ہے ایسے بیانات پر مشتمل ہوتی ہے۔ جن سے عالم فی الخارج کے معاملات پیشِ نظر ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی شاعری میں اکثر بیانات رزم، بزم، جلوس، فرج، تزک احتشام بساتین[1]، باغ، قصور، چمن، گلزار، سبزہ زار، لالہ زار جبال، بحور، صحرا، دشت، بیابان، ریگستان، خارستان، جنگل، آبستان، چشمے، ہوا، برق، باران، سیل، برف، شفق، سحر، شام، روز، شب، شمس قمر، سیارے، ثوابت، قطب، بروج اور دیگر خارجی اشیا کے متعلق ہوتے ہیں۔ بعض شعرا میں اس قسم کی شاعری کی صلاحیت ایسی دیکھی جاتی ہے کہ ان کے

[1] جمع بستان

بیان سے معاملات خارجیہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے اور جو لطف اعلیٰ درجے کے مصوّر کی قلم کاریوں سے اُٹھتا ہے وہی لطف ان کے بیان سے پیدا ہوتا ہے۔ یورپ میں اس رنگ کے شاعر کی مثال (انگریزی شاعروں میں) سروالٹر اسکاٹ اور اُردو شاعروں میں کسی قدر نظیر اکبرآبادی ہے۔ یورپ اور ایشیا دونوں میں اس رنگ کے کچھ ایسے شعرا گزرتے گئے ہیں کہ اگر اُنھوں نے کسی معاملہ رزم کو حوالۂ قلم کیا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملہ رزم آنکھوں کے سامنے ظہور میں آرہا ہے اسی طرح اگر اُنھوں نے جبال و بحور و صحرا و غیرہ کے حالات موزوں کیے ہیں تو یہ سب موجودات فی الخارج پیش نظر معلوم ہوتی ہیں اس طرح کی واقعہ نگاری پر قادر ہونا آسان امر نہیں ہے۔ جب تک کہ شاعر کو معاملات خارجیہ پر غور اور فطرت اللہ کی تبعیت کی صلاحیت بدرجہ اتم حاصل نہ ہو گی اپنے بیانات میں تصویر کا عالم نہیں پیدا کر سکے گا۔ دوسری قسم کی شاعری جس کو راقم داخلی موسوم کرتا ہے تمام تر ایسے مضامین سے متعلق ہوتی ہے۔ کہ جن کو سراسر امور ذہنیہ سے سروکار رہتا ہے یہ شاعری انسان کے قوائے داخلیہ اور واردات قلبیہ کی کیفیتوں کی مصوری ہے۔ اس رنگ کے بھی ممتاز شعرا یورپ اور ایشیا میں گذرے ہیں منجملہ ان کے انگریزی شعرا میں لارڈ بیرن (Byron) ہے اور اُردو شاعروں میں میر تقی۔ اس رنگ کے شاعروں نے اگر عشق کو بیان کیا ہے تو عشق کی تصویر سامنے لاکر کھڑی کر دی ہے اسی طرح اگر اُنھوں نے غم، غصہ، رنج، ملال، افسوس، حسد، بغض، رشک، محبت، مروت، رغبت، نفرت وغیرہ وغیرہ کو حوالۂ قلم کیا ہے تو ایسے ایسے امور

ذہنیہ کے بیان میں مصور کی قلمکاری کا لطف دکھایا ہے۔ بہرحال ان دونوں رنگوں کے شعرا کے کلام مختلف زبانوں میں موجود ہیں جن کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی کو معاملات خارجیہ کے بیان پر قدرت حاصل تھی اور کسی کو امور ذہنیہ کے اظہار کوائف کی صلاحیت موہوبہ تھی علاوہ ان کے کچھ ایسے شعرا بھی اقوام مختلفہ میں دیکھے جاتے ہیں کہ دونوں رنگ کی شاعری پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ اور اسی دوہری قابلیت کی وجہ سے اُن کی شہرت آج تک برقرار ہے بلکہ ترقی علوم و فنون کے ساتھ ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس جامعیت کی مثال ہومیروس ورجل فردوسی، شیکسپیر، ملٹن، گوئٹے، میر انیس، والمیکی، بیاس اور کالیداس ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ اقسام بالا کے شعرا کا مذکور زیادہ تفصیل کے ساتھ آئے گا جس سے فقیر کے مضامین بالا کی تصریح اور بھی واضح طور پر ہو جائے گی۔

جاننا چاہیے کہ شاعری کے مذاق صحیح و غیر صحیح کا مدار انھیں معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست پر ہے جن شعرا نے عالم درونی و بیرونی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر مضمون بندی کی ہے اُن کی شاعری مذاق صحیح سے خالی نہیں ہو سکتی۔ عالم خارج و داخل کے تقاضوں پر لحاظ رکھ کر کاربند ہونا تبعیت فطرت ہے۔ پس جب کوئی شاعر تبعیت فطرت کی پابندی کے ساتھ مضمون بندی کرے گا تو عام اس سے کہ اُس کی شاعری کا انداز خارجی ہو یا داخلی اُس کی شاعری ضرور فطرتی ہو گی اسی فطرتی شاعری کو مذاق صحیح کا مصداق سمجھا چاہیے برخلاف اس کے اگر کوئی شاعر معاملات خارجیہ و ذہنیہ کے تقاضوں سے انحراف کرے یعنی تبعیت فطرت نہ کرے تو اُس کی شاعری مذاق غیر صحیح کا نقشہ پیدا کرے گی

اسی اصول پر سخن فہموں کے مذاق کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور حق یہ ہے کہ سخن فہم کو معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست اور اُن کے تقاضوں کی اطلاع خود شاعر کے برابر یا شاعر سے بھی زیادہ درکار ہے اگر زیادہ نہ ہو تو خود شاعر کے برابر تو ہو کس واسطے کہ اگر یہ ہوتا ہے کہ فطرتی مضامین شاعر کو تبعیت فطرت کے قصد کے بغیر بسبیل الہام تفویض ہوتے ہیں اور خود شاعر اپنے کلام کی خوبیوں سے شعرگوئی کے وقت آگاہ نہیں رہتا ہے بلکہ بہت سے ایسے مضامین اس کے قلم سے الہامی طور پر نکل آتے ہیں کہ سخن فہموں کو اُس کی خوبیاں بعد فکر و غور کے درک میں آتی ہیں اور خود شاعر اُن کی اطلاع سے ممکن ہے کہ تادم آخر محروم رہ جائے۔ پس ایسی صورت میں ضرور ہے کہ سخن فہم معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی نہایت وسیع اطلاع رکھے ورنہ شعر فہمی میں عاجز رہے گا اسی لیے ذی فہموں نے کہا ہے کہ "شعرگوئی سے شعر فہمی مشکل ہے"، یہ قول اگر تمام تر صحیح نہ بھی مانا جائے اس پر بھی کوئی شک نہیں ہے کہ شعر فہمی ایک دشوار امر ہے کس واسطے کہ اس کے واسطے بڑے مذاق صحیح کی ضرورت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شعر فہمی کا مذاق صحیح کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ کی دانست اور ان کے تقاضوں سے آگہی بدرجۂ اتم حاصل نہ ہو جب تک انسان بحد امکان اس کی واقفیت پیدا نہ کرلے زنہار دعویٰ سخن فہمی نہ کرے کیا تعجب کی بات ہے کہ بعض اشخاص جو عالم مادی اور عالم ذہنی کا فرق تک نہیں سمجھتے ہیں شعرا کی نسبت رائے زنی کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں اور بے محابا جو کچھ منہ میں آجاتا ہے فرما جاتے ہیں ایسے حضرات سے جب چاہیے سن لیجیے کہ فلاں شاعر نے

خوب غزلیں لکھی ہیں فلاں شاعر نے خوب قصیدے لکھے ہیں۔ فلاں شاعر نے خوب مثنویاں کہی ہیں۔ حالانکہ یہ بھی ان حضرات کو نہیں معلوم کہ غزل کو کس مضامین سے تعلق ہے اور قصیدے اور مثنویوں کے لیے کن اقسام کے مضامین درکار ہیں۔ یعنی انھیں اس کی کوئی خبر نہیں کہ غزل و قصیدہ و مثنوی کے لیے معاملات خارجیہ یا امور ذہنیہ کے متعلق مضامین درکار ہیں یا دونوں کے مضامین کی آمیزش کی حاجت ہے پس جب کسی شخص کو ان باتوں کی تمیز نہ ہو گی تو وہ فطرتی اور غیر فطرتی شاعری کے پہلو کیا سمجھے گا۔ پھر ایسے شخص سے سخن فہمی اور شاعروں کی قدر دانی کی کیا امید کی جا سکتی ہے سخن فہم کو فطرت اللہ سے وفور اطلاع کی بڑی حاجت ہے ایسے شخص کی اطلاع کو بہت وسیع ہونا چاہیے ضرور ہے کہ ایسا شخص معاملات خارجیہ اور امور ذہنیہ سے پوری واقفیت رکھے اور واقفیت اُس کی محصّلانہ طور کی ہو محصّلانہ سے مراد حکیمانہ ہے یعنی یہ نہیں کہ عدم ترتیب کے ساتھ ہزاروں امور سے واقفیت رکھتا ہو مگر اس بے ترتیبی کے سبب سے اپنی دانست سے کوئی کام نہ لے سکے۔ مرد محصّل کے خیالات سلسلہ وار اور منتظم ہوتے ہیں اور فطرت اللہ کے سمجھنے کے لیے اس ترتیب و انتظام کی بڑی ضرورت ہے۔ المختصر شعر فہمی حکیم کا کام ہے اور شعرا کی نسبت رائے زنی آسان امر نہیں ہے۔ پس مناسب نہیں ہے کہ غیر محصّل اشخاص رائے زنی کی تکلیف کو اپنے اوپر گوارا کریں۔

جیسا کہ سابق میں عرض ہوا کہ سخن فہم کو فطرت اللہ سے محصّلانہ اطلاع درکار ہے اس عدم اطلاع سے حضرات ناواقف عجیب عجیب طرح کے مغالطے میں پڑتے ہیں بعض اشخاص معاملات فطرت سے ناواقف رہنے کے باعث مجرد شوکت

لفظی کو شاعری سمجھنے لگتے ہیں اور اسی غلط خیالی میں ہمیشہ مبتلا رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجرد شوکت لفظی کوئی شے نہیں ہے شاعری زنہار شوکت لفظی نہیں۔

معاملات فطرت سے اطلاع کی ضرورت

شاعری کا مدار خوش خیالی پر ہے نہ شوکت لفظی پر شاعری کی جان خوش خیالی ہے شوکت لفظی شاعری کا کوئی جزو بدن نہیں ہے البتہ شوکت لفظی خلعت فاخرہ کا حکم رکھتی ہے اور تب ہی خوشنما معلوم ہوتی ہے کہ قطع بُرید سے درست ہو اور جس مضمون کو پہنائیں وُہ جامۂ زیب بھی ہو ورنہ شعر سعدی صادق آئے گا ؎

گر بود در عروس نازیبا
بد نماید دبیقی و دیبا

اس میں شک نہیں کہ اگر موقع کی شوکت لفظی ہوتی ہے تو اس سے شاعری میں ایک دبدبہ پیدا ہوتا ہے لیکن اگر شوکت لفظی بد قرینگی کے ساتھ ہے یعنی فطرت اللہ کی تبعیت کے ساتھ نہیں ہے تو ایسی شوکت لفظی شخص محصّل کی آنکھ میں بدنما معلوم ہو گی گو اُس سے غیر محصّل اور ناقص التعلیم کو چکاچوند لگ جائے۔ اکثر شوکت لفظی اس قسم کی ہوتی ہے کہ حکیم اُس سے نافر اور جاہل اُس کی طرف راغب ہوتا ہے کمتر شوکت لفظی ایسی دیکھی جاتی ہے۔ کہ تبعیت فطرت کے ساتھ اُس سے کسی مضمون عالی کی بندش ظہور میں آئی ہو۔ جاننا چاہیے کہ مسائل محققہ اور امور فطرتی کبھی محتاج شوکت لفظی کے نہیں ہیں وہی شعرا اس سے کام لیتے ہیں جو اپنے غیر فطرتی اقوال کو پُر از شان و شکوہ دکھایا چاہتے ہیں۔ فطرت کا تقاضا سادگی ہے اور جب کلام تبعیت فطرت کے ساتھ ہوگا ضرور اُس میں سادگی ہوگی ؎

تکلف سے بری ہے حُسن ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

ولمؤلفہ

حُسن کے واسطے درکار نہیں آرائش
ماہرویانِ حسین کس لیے گہنا ہے گہن

شوکت لفظی کے مارے عوام ہی نہیں ہیں بعض خواص بھی اس کے مبتلا نظر آتے ہیں ایسے مصنفین بہت ہیں جنھوں نے شوکت لفظی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے آئندہ اس کی تصریح مثالوں کے ساتھ آتی ہے اہلِ انصاف سے راقم کو تمام تر امید ہے کہ محض منصفانہ نگاہ سے فقیر کے بیانات کو ملاحظہ فرمائیں گے اور بے لوثی تحریر کی داد دیں گے۔

المختصر جاننا چاہیے کہ بے موقع کی شوکت لفظی نہایت نامطبوع امر ہے اور اس لیے قابلِ حذر ہے جب بے موقع اس کا استعمال ہوگا تو کبھی تقاضائے فطرت کے مطابق نہیں ہوگا اور جب تبعیت فطرت کی باقی نہیں رہی تو حکیمانہ دماغ کو ایسے پُرشکوہ غیر فطرتی کلام سے حظ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ شوکت لفظی کی مثال مصوری کے پیرایے میں یہ ہے کہ اگر کسی مصور کو کہا جائے کہ تم ایک عربی گھوڑے کی تصویر کھینچ لاؤ۔ اگر مصور صاحب مذاق صحیح ہے یعنی مرد محصّل ہے تو اپنی اطلاع کے مطابق جیسا کہ عربی گھوڑا ہوتا ہے ویسے ہی اس کی تصویر کھینچ لائے گا لیکن اگر بدمذاق ہے یا جان بوجھ کر فطرت اللہ سے عداوت رکھتا ہے تو ترقی شان و شوکت

کی نظر سے تصویر کشی میں جس قدر فطرت اللہ سے انحراف ممکن ہے۔ انحراف کریگا۔
مثلاً گھوڑے کے بدن کو دھانی رنگ دے گا۔ سُم لعل کے کان یاقوت کے
آنکھیں نیلم کی مُنہ فیروزے کا پیشانی پکھراج کی دُم منقش کی بنا دے گا بلکہ اس پر بھی
قناعت نہیں کرکے دو پر بھی جواہر نگار لگا دے گا۔ گھوڑے کی ایسی تصویر عالم
فطرت کو جیسی مکروہ معلوم ہو گی محتاج بیان نہیں ہے مگر غیر محصّل شخص تو ایسے بوقلمونی
الوان و مرصع کاری کو دیکھ کر جان و مال سے محو سہو ہو جائے گا یہی حال ناتعلیم یافتہ آدمی
کے ہر قسم کے مذاق کا ہے شخص غیر محصّل لباس وہی اختیار کرتا ہے جو رنگا رنگ اور
زر آلود ہو۔ گھوڑے، ہاتھی، لڑکے، بالے، نوکر چاکر سب کی آراستگی اُسی نامطبوع
ترکیب سے پسند کرتا ہے مکان اُسی مذاق کے ساتھ تعمیر کرتا ہے مختصر یہ ہے کہ جو
کچھ کرتا ہے جاہلانہ شان و شکوہ کے ساتھ کرتا ہے خیر راقم نے جو مصوری کے پیرایہ
میں مثال بالا عرض کی اُس میں چنداں مبالغے کو دخل نہیں ہے۔ غیر محصّل اشخاص کا
مذاق ایسا ہی ناپسندیدہ انداز کا ہوتا ہے۔ جس کی واقعی مثال اُس تصویر میں ملے گی۔
جس کا بیان مصوری کی بحث میں آیا ہے یعنی جہاں راقم نے ٹیپو سلطان کے باغ کی
اُس تصویر دیواری کا ذکر کیا ہے جس میں ہاتھی گلابی اور گھوڑے سبز۔ زرد آسمانی۔
دھانی رنگے ہوئے آج تک موجود ہیں بہر کیف یہ مثال تو مصوری کے پیرایہ میں تھی
اگر شعرائے ایشیا کے کلاموں میں ایسی مثالیں ڈھونڈھیئے تو بے شمار ملتی ہیں واقعی
شعرائے ایشیائی نے ملوک و اُمرا کو عجب تماشے کا گھوڑا بنا رکھا ہے۔ اگر
گھوڑے کو بلند دکھایا ہے تو اُس کی بلندی کو آسمان سے بھی زیادہ رفیع دکھلایا
ہے چنانچہ ظہیر فاریابی نے اپنے ممدوح کے گھوڑے کو اس قدر بلند دکھلایا ہے

کہ عرش اللہ تعالی بھی اُس سے کچھ نیچا ہی نظر آتا ہے فرماتے ہیں ؎

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا

تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

اس شعر کی بے تکی محتاج بیان نہیں ہے مگر سعدی کہ شاعری کا مذاق صحیح رکھتے تھے نہایت تبعیت فطرت کے ساتھ فرماتے ہیں ؎

چہ حاجت کہ نہ کرسی آسمان

نہی زیر پائے قزل ارسلان

رعایت لفظی شوکت لفظی کے علاوہ عوام رعایت لفظی کو بھی جان شاعری قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ رعایت لفظی بجائے خود کوئی شے نہیں ہے اور شاعری سے اس کو کوئی تعلق ضروری نہیں ہے اگر بے تکلف کسی شعر میں رعایت لفظی کی صورت پیدا ہو جائے تو ایسی رعایت لفظی خالی از لطف متصور نہیں ہے مگر بہ تکلف رعایت لفظی کا التزام صرف ناپسندیدہ ہی نہیں ہے بلکہ سچی شاعری کے بہت منافی ہے بعض شعرا کو رعایت لفظی کا مرض ہوتا ہے اور غیر محقق اشخاص اُن کے کلام کو مجرد رعایت لفظی کے خیال سے پسند کرتے ہیں رعایت لفظی تب ہی لُطف دیتی ہے کہ خود بخود الفاظ میں معنوی تعلق موجود ہو ایسی صورت میں رعایت لفظی انتخاب الفاظ مناسب و مربوط کے اصول پر مبنی ہوتی ہے۔

مبالغہ پردازی ۔ منجملہ بدمذاقیوں کے غیر فطرتی مبالغہ پردازی بھی ایک نہایت ناپسندیدہ امر ہے اس کے مرتکب ایشیائی شعرا بہت دیکھے جاتے ہیں۔ ان شعرا کی اس بدمذاقی کا سبب بیشتر بادشاہان اور اُمرا ہوتے گئے ہیں۔ تقرب

سلطانی نے اکثر عالی دماغ اور عالی خیال شعرا کو بھی برباد کر ڈالا ہے۔ عوام مبالغہ پردازی کو عین شاعری سمجھتے ہیں حالانکہ فطرتی شاعری میں مبالغہ پردازی کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

صنائع بدائع۔ سوا ان لغویات کے غیر محصّل اشخاص بہت سے صنائع بدائع کو ضروریات شاعری سے شمار کرتے ہیں۔ لیکن اہلِ مذاق سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے ایسے ڈھکوسلوں کو شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے انشاءاللہ تعالیٰ ان امور کی تصریح مثالوں کے ساتھ آئندہ حوالۂ قلم ہوگی۔

پست خیالی۔ اس مقام پر ایک اور بھی بدمذاقی کا اعادہ ضرور معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ شعرا کبھی کبھی پست خیالی کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں شاعری کے لیے پست خیالی سخت عیب ہے بعض اساتذہ سے بھی ایسی بدمذاقی سرزد ہوتی رہی ہے اور انھیں اساتذہ کو دیکھ کر اس وقت کے بعض زندہ شعر گو بھی اس عیب کو اختیار کرتے گئے ہیں زندہ شعر گویوں کے ایسے کلاموں کو تو مثالاً ہم اس غرض سے عرض نہیں کر سکتے کہ ان کے ایسے کلاموں کا اعادہ ان کی دل شکنی کا سبب ہوگا۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ بعض زندہ شعر گو ایسے ہیں کہ فطرت کے رو سے پست خیال ہیں اور ان کی طبیعت ہمیشہ پستی کی طرف میلان رکھتی ہے۔ راقم ایسے حضرات کو شاعر کے معزز خطاب کے قابل نہیں سمجھ کر اور ان کو شاعر سے فرق کرنے کی نظر سے شعر گو کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ ایسے حضرات بلا تامل زنانِ بازاری کے مناقب لکھنے کے لیے تلے رہتے ہیں اور خاص کر غزل سرائی میں انھیں فواحش کو معشوق قرار دیتے ہیں اور کلام کی ترکیب ایسی بری

رکھتے ہیں کہ جس سے معشوق بازاری کے سوا معشوق حقیقی مراد لیا جا ہی نہ سکے۔ اسی طرح جوش جوانی وغیرہ کا بیان اس بدمذاقی کے ساتھ کرتے ہیں کہ جس سے دلی تنفر پیدا ہوتا ہے اور سوا امر لیائے مادرزاد کے اکثر بشر کے دل میں کچھ نہ کچھ ناپاک خیال پیدا ہوتے ہیں اور تقاضائے بشریت سے ناجائز امور کی طرف طبیعت کو میلان بھی ہوتا ہے مگر جوانی کے ایسے معاملات زنہار اس قابل نہیں ہیں کہ شاعران کو بڑے ذوق و رغبت کے ساتھ شعروں میں باندھے اور وہ شعر زانو پر ہاتھ مار مار کر پڑھے جائیں کیوں نہ ہو جیسے کہنے والے خوبصورت ویسے پڑھنے والے خوبصورت انھیں شعر گویوں کے کلاموں میں سراپا وغیرہ کے متعلق بھی ایسے مضامین دیکھے جاتے ہیں کہ جن سے طبیعت کو کراہت پیدا ہوتی ہے بہرحال زندہ شعر گویوں کے بدمذاق اشعار کے اعادے کے عوض راقم مثالاً صرف دو معروف شعر دو بڑے شاعروں کے ذیل میں عرض کرتا ہے ؎

نہ انگیا نہ کرتی ہے جانی تمھاری
نہیں پاس کوئی نشانی تمھاری

یہ مطلع نواب سید محمد خان رند کا ہے۔ رند عموماً نفیس گو شاعر ہے اتنے بڑے شاعر کو ایسا شعر کہنا زیبا نہ تھا۔ اس شعر کا مذاق بہت پست ہے ؎

چناں بُرد و آورد و آورد و بُرد
کہ وا یہ ز حسرت پسِ پردہ مُرد

فردوسی سے ایسی بدمذاقی کا سرزد ہونا محض امر اتفاقی ہے مگر راقم کو تعجب ہے اُن حضرات سے کہ جو اس شعر کو غایت بدمذاقی کی وجہ سے بڑی واہ واہ کے

ساتھ پڑھتے ہیں۔ اہل مذاق صحیح سے پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ شعر باوجود اس کے کہ اس کی زبان نہایت عمدہ ہے اور مضمون نیچرل طور پر بندھا بھی ہے مگر زنہار اس قابل نہیں ہے کہ شاہنامہ ایسی باوقعت کتاب میں جگہ پا سکتا۔

مکروہ مضامین ۔ مکروہ مضامین سے حتی الامکان اجتناب واجبات سے ہے مجرد نیچرل ہونے سے کوئی مضمون شاعر کے اختیار کرنے کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ ہزاروں مضمون ایسے ہیں کہ جو نیچرل یعنی فطرتی ہیں مگر اس سے ضرور نہیں کہ شاعر یا ناولسٹ اُن کو حوالۂ قلم کر ڈالے پستی خیالات سے احتراز پہلا کام شاعر اور ناولسٹ کا ہے اردو کے ایک انوٹھے ناولسٹ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جو مضمون نیچرل ہے عام اس سے کہ کیسا ہی مکروہ و بدقرینہ ہو اس کو اختیار کر لینا ناولسٹ کا کام ہے چنانچہ وہ ناولسٹ نہایت بدمذاقی کے ساتھ ایک عورت کی قضائے حاجت کے مضامین کو محض نیچرل امر سمجھ کر حوالۂ قلم کرتا ہے اس بدمذاق نے یہ نہ سمجھا کہ آداب تحریر کیا ہیں اور عورت کی مستوریت کے کیا کیا تقاضے ہیں۔ بلاشبہ جو مصنف بامذاق ہو گا عورت تو درکنار مرد کی اس طرح کی ضروریات کا ذکر زبان قلم پر نہیں لائے گا۔ افسوس ہے کہ راقم کو ایسے ایسے مکروہ مضامین کی طرف اس رسالے میں رجوع لانا پڑا اگرچہ چونکہ اس سے اصلاح بدمذاقی منظور تھی ناچار ایسے تنفر خیز امروں کو حوالۂ قلم کرنا گوارا کیا۔

بدمذاقی جدید سابق میں جو بدمذاقیاں حوالۂ قلم ہوئیں بیشتر اُن میں اوپر سے چلی آئی ہیں اور امراض قدیمہ سے شمار کی جا سکتی ہیں مگر اس زمانے میں ایک نئی بیماری پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر ادھورے انگریزی خوانوں کے دماغ

میں اس خیال فاسد نے جگہ کر لی ہے کہ ساری خوبیاں یورپ پر ختم ہو گئی ہیں۔ ایشیا کو خوبی کا کوئی حصہ ملا ہی نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں یورپ نے مادیات میں بڑی ترقی کی ہے یہاں تک کہ اکابر علمائے یورپ خدا سے بھی مستغنی نظر آتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے علوم مادیات کا یہی تقاضا ہے کہ انسان تدہر اختیار کرے چنانچہ یہ امر محقق ہے کہ انسان جس قدر مادیات میں ترقی کرتا جاتا ہے روحانیات سے دور پڑتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ آخر کار خدا اور تمام روحانیات سے منکر ہو بیٹھتا ہے خیر جو کچھ یورپ تدہر کی حالت میں مبتلا ہو رہا ہے اس کی مادی ترقیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے مگر اس سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی ہے کہ اگر یورپ ساری خوبیوں سے معمور ہے تو ایشیا تمام خوبیوں سے محروم ہے قصور معاف اکثر ہمارے نئی روشنی والے حضرات کا تو ایسا ہی خیال معلوم ہوتا ہے وہ ایشیائی خیالات اوضاع و معاملات کو یک قلم قابل نفرت سمجھتے ہیں یورپ کے ہر امر پر عام اس سے کہ معقول ہو یا غیر معقول جان دے دیتے ہیں اور اپنے اقوال و افعال سے عجیب طرح کی نادیدگی ظاہر کرتے ہیں حیا و بے حیا ہر قدم پر اہل یورپ کے تتبع پر مستعد رہتے ہیں معلوم ہوتا ہے خذ ما صفا و دع ما کدر کا مضمون ان کے گوش مبارک تک کبھی پہنچا ہی نہیں ان حضرات کی دلدادگیاں معاملات یورپ کی نسبت اس درجے کو پہنچ گئی ہیں کہ ایشیائی شاعری بھی ان کی نظر میں ذلیل و محقر معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ خود اہل یورپ اس کے مقر ہیں کہ ابھی تک انھیں ایشیائی خیالات شاعرانہ سے آشنائی پیدا نہیں ہوئی ہے اور بہت کچھ ان کو معلوم کرنا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک جو کچھ

ان کو ایشیائی شاعری سے اطلاع کی شکل پیدا ہوئی ہے وہ پایۂ اعتبار نہیں رکھتی ہے اس پر بھی جس قدر وہ مطلع ہو چکے ہیں اُس حساب سے ایشیائی شاعری کی وقعت ان کے دلوں میں پیدا ہو چکی ہے۔ حضرات ناظرین راقم کی اس تحریر سے یہ نہ سمجھیں کہ ایشائی شاعری تمام معائب سے پاک ہے اس پر بھی قابل نفرت نہیں ہے مگر نئی روشنی والے حضرات نے اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ جو معائب ہیں ایشیائی شاعری میں ہیں اور یوروپین شاعری تمام معائب سے مبرا ہے میں آئندہ انشاءاللہ تعالیٰ یورپین شاعری کے معائب بھی دکھلاؤں گا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ یوروپین شاعری ایسی نہیں ہے کہ آنکھ بند کر کے شعرائے یورپ کا تتبع کیا جائے اس میں شک نہیں کہ فارسی اور اُردو کی شاعریاں معائب رکھتی ہیں مگر ان معائب سے ایشیائی شاعریاں ایسی ذلیل نہیں ہیں کہ کسی حکیم یا مرد محصّل کے قابل توجہ نہ ہوں راقم جب ان نئی روشنی والوں کو یورپ کی شاعری کا ذکر کرتے سنتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں یوروپین شاعری تمام معائب سے پاک متصوّر ہے اور ایشیائی شاعری اس کے برخلاف سراسر عیب ہے۔ بدانست راقم اس تنگ چشمی کا سبب نادیدگی ہے یا یہ کہ یوروپین شاعری بسبب ایک امر جدید ہونے کے پُر لذت معلوم ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ یوروپین شاعری کی آگاہی سے ہم ایشیائیوں کی شاعری کو بہت کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ نئے نئے مضمون دستیاب ہو سکتے ہیں مگر یہ فائدہ یوروپین شاعری کو بھی ہماری ایشیائی شاعری سے پہنچ سکتا ہے۔ اس واسطے کہ بہت سی نازک خیالیاں ایشیائی شاعری میں ایسی ہیں جن سے شعرائے یورپ کے دماغ کو ابھی آشنائی پیدا نہیں ہوئی ہے اسس

امر سے اعتراف خواہ اہل یورپ اور اہل امریکہ کو ہے بہر حال اہل یورپ کو ایشیائی خیالات سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے ضرور ہے کہ یا پوری طرح اردو فارسی، عربی سیکھیں یا ان زبانوں کے شعرا کی تصانیف کو نہایت صحت کے ساتھ ترجمہ کر ڈالیں۔ اسی طرح ہم لوگوں کو ترقی فن شاعری کے لیے دو امر درکار ہیں ایک یہ کہ جو معائب ایشیائی شاعری کے ہیں ان سے متنبہ ہو کر ان کے ازالے کی فکر کریں۔ دوم یہ کہ جو جو خوبیاں یوروپین شاعری میں ہیں اُن کو حسب ضرورت اپنی شاعری میں داخل کرنے کی صورتیں نکالیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان دونوں امروں کا بیان اپنے محل پر آئے گا لیکن یہاں ایک بات یوروپین شاعری کی خوبی کی نسبت عرض کر دینا مناسب ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس سے ہمارے ایشیائی شعرا محروم معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی شعرائے یورپ اپنی تصانیف میں ہزاروں امور کو جو متعلق جغرافیہ اور تاریخ کے ہیں داخل کرتے ہیں برخلاف اس کے ایشیائی شاعر ان امور سے خاص کر امور جغرافیہ سے نہایت نابلد معلوم ہوتے ہیں۔ چند معمولی شہر دریا و کوہ کا ذکر بھی جو کرتے ہیں تو آگاہی علم جغرافیہ سے اُن کے ذکر کو تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بلا شبہ جب ہمارے ملک کے طبیعت داروں کو اہل یورپ کا یہ مذاق صحیح معلوم ہو جائے گا تو حسب مراد تاریخ و جغرافیہ کی اطلاع کی صورت پیدا کریں گے اور اس ذریعے سے بہت سے نئے نئے مضامین ایشیائی شاعری میں داخل ہو جائیں گے۔

شاعری ایک امر طبعی ہے

واضح ہو کہ شاعری ایک امر طبعی ہے اور جزو فطرت ہونے کے باعث کسی حال میں انسان سے منفک نہیں ہو سکتی۔ جیسے تاریخی وسائل سے انسان کے حالات کا پتا لگتا ہے۔ ہر

ملک ہر قوم اور ہر وقت میں شاعری نثر یا نظم کے پیرائے میں جلوہ گر رہی ہے۔ وحشی سے وحشی قوم پر لحاظ کیجیے تو کچھ نہ کچھ شاعری اُس قوم میں پائی جائے گی گو اُس قوم کی شاعری ہومیروس، ورجل، فردوسی، ملٹن، بالمیکی، میرانیس کے درجے کی شائستگی اور بلند خیالی کے اعتبار سے نہ سہی کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں ہے کہ جس میں کچھ نہ کچھ گیت نہ گائے جاتے ہوں۔ یہی گیت قومی شاعری سے خبر دیتے ہیں اگر انھیں وحشی اقوام کو تعلیم یا فتگی نصیب ہو تو ان کے شعرا میں بھی ہومیروس وغیرہ کی عالی خیالی پیدا ہو سکتی ہے مختصر یہ ہے کہ چونکہ شاعری داخل فطرت انسانی ہے۔ جہاں انسان کا وجود پایا جاتا ہے وہاں شاعری بھی موجود رہتی ہے گو وہ شاعری کسی درجۂ ابتذال کی ہو اس سے شاعری کا ایک امر فطرتی ہونا ثابت ہوتا ہے اگر شاعری کے ذہنی تعلق پر غور کیجیے تو شاعری سے ایک قلبی کیفیت درک ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعری تب انسان سے منفک ہو سکتی ہے جبکہ خود قلب معدوم و مفقود ہو جائے البتہ مختلف انسانوں کو مختلف درجے کی صلاحیت قلبی بخشی گئی ہے اور گو بہت سے انسان بظاہر شاعری سے بے لگاؤ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر کبھی ایسا نہیں ہے کہ قلب انسان کو دیا گیا ہو اور قلب واردات قلبیہ سے خالی ہو۔ جاننا چاہیے کہ یہی واردات قلبیہ شاعری کے تخم ہیں عام اس سے کہ اُن سے شاعری کا درخت اُگے یا نہ اُگے فقیر کی دانست میں ہر صاحب واردات قلبیہ کچھ نہ کچھ شاعر ہے گو اُس نے کبھی ایک مصرع بھی نہ کہا ہو ایسا شخص اپنے لیے تو ضرور شاعر ہے گو اپنی شاعری کا اثر دوسرے تک بسبب موانع کے نہیں پہنچا سکتا ہے۔ فقیر شاعر نہیں ہے مگر اپنے واردات قلبیہ پر جو لحاظ کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ واردات قلبیہ ایک ایسا عالم رکھتی ہیں جس کی گرد کو بھی عالم مادی نہیں پہنچ سکتا ہے در حقیقت واردات قلبیہ کا ایک ایسا عالم معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالموں سے مستغنی ہے اور اگر اُس عالم میں ترقیاں پیدا ہوں تو قلب پورا عالم اکبر کا عالم دکھلا سکتا ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قلب سے مراد وہ صنوبری شکل مضغۂ گوشت نہیں ہے جو انسان کے سینے کے اندر جانب چپ میں واقع ہے قلب سے مراد وہ لطیفہ ربانیہ ہے کہ جس کو خدا نے اپنی جلوہ گاہ بنایا ہے اور جس سے متعلق روحانیات کو کر دیا ہے پس جاننا چاہیے کہ شاعری اسی لطیفہ ربانیہ کا جوش ہے عالم اس سے کہ اُس کا اظہار نطق یا قلم سے ہو یا واردات قلبیہ کی طرح دل ہی دل میں رہ جائے جب شاعری کو اتنا بڑا تعلق قلب کے ساتھ ہے تو شاعری کے فطرتی ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

اغراض شاعری

جب شاعری ایک امر فطرتی ہے تو اس سے اغراض انسانی کا کم و بیش طور پر تعلق رکھنا بھی خالی از فطرت نہیں ہے۔ چنانچہ عند التفحص یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شاعری اگلے زمانوں میں اپنا جلوہ دکھلاتی رہی ہے اور آج بھی اُس کی وہی رونق باقی ہے اور تا بقائے نوع انسان اُس کی رونق سابق کی طرح رہے گی قدیم اہل مصر و اہل یونان و اہل روم و اہل ہند اور بعثت آنحضرت صلعم سے پہلے کے اہل عرب کے درمیان میں شاعری ایک قومی آلۂ تمدن و مذہب سمجھی جاتی تھی بعد بعثت کے بھی اس کا زور شور قائم رہا گو انداز شاعری میں بہت فرق آتا گیا اور اُس کے اغراض کے پہلو بدلتے گئے۔ کتب تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بادشاہوں نے شاعری کو بہت عزیز رکھا ہے۔ گو

اُن کی توجہ سے نفس شاعری کو ضرر بھی بہت پہنچتا گیا ہے۔

شاعری صرف شاہان اسلام میں ممتاز صورت نہیں رہی ہے بلکہ عیسائی شاہان یورپ بھی اس کے قدرداں رہے ہیں۔ یورپ اور ایشیا دونوں برِ اعظم میں اس کی یکساں توقیر رہا کی ہے اور جو اس کی قوت سابق میں تھی آج تک باقی ہے

لمؤلفہ

جیسا تھا حُسن یار باقی ہے　　　　وہی اگلی بہار باقی ہے

شاعری کا زور جیسا تھا اب بھی ہے

فرق اسی قدر ہے کہ اب شاعری کے عنوان بدل گئے ہیں ورنہ نفس شاعری اپنے حال پر ہے اور اُس سے بہ رنگ سابق تمدنی اخلاقی اور مذہبی کام لیے جا رہے ہیں۔ عامیانہ خیال کا آدمی پوچھ سکتا ہے کہ اس اُنیسویں صدی میں تو نہ یورپ نہ ایشیا میں شاعری کو کسی قسم کا فروغ نظر آتا ہے پھر شاعری کی سابق قوت سے اعتراف کیونکر کیا جا سکتا ہے ظاہرا شخص ناواقف کا اعتراض بہت بجا معلوم ہوتا ہے واقعی اس وقت میں کہاں ہومیروس، ورجل، شیکسپیر، ملٹن، گوئٹے، فردوسی، سعدی، حافظ، کالیداس بالمکی وغیرہ کے مماثل لوگ ہیں جن سے شاعری کے فروغ کی صورت قیاس کی جا سکتی ہے۔ اس عہد میں ظاہرا شاعری کی رونق تو کہیں بھی دیکھی نہیں جاتی ہے۔ مگر جب نفس شاعری کے فروغ وغیر فروغ پر لحاظ کیجیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعری انسان کے داخل فطرت ہونے کے باعث اُسی قدر فروغ پر ہے۔ جس قدر سابق اُمم کے وقت میں تھی البتہ شاعری نے لباس بدل دیا ہے ورنہ شاعری معزول نہیں ہو گئی ہے انسان کا جو کام شاعری پہلے کرتی تھی اس صدی میں بھی کرتی ہے

اور زمانۂ آئندہ میں بھی کرتی رہے گی گو اُس کے پیرائے انقلاب پذیر ہوتے چلے جائیں

یہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدرت را می شناسم

اس عہد میں البتہ ممتاز اقوام دنیا بلباس نظم شاعری سے کم کام لیتے ہیں مگر شاعری کو اتنے رنگوں سے برتتے ہیں کہ امم سابقہ نے نہیں برتا ہے شاعری فی زمانتا مختلف پیرایۂ زبان و قلم میں برتی جاتی ہے اور مختلف فنون کے لباسوں میں در آ کر اپنی قوت دکھلاتی ہے مختلف پیرایۂ زبان و قلم کی مثال یہ ہے کہ عہد جدید کے فصحا و بلغا کی اسپیچیں عام اس سے کہ تمدنی یا اخلاقی یا مذہبی عنوان رکھتی ہوں وہ کام کرتی ہیں کہ جسے قوی ترین شعرائے عہد سابق بھی نہیں کر سکے ہیں۔ برک (Burke) اور شیریڈن (Sheredun) اور ان کے عہد سے آج تک کے فصحا و بلغائے یورپ نے نطق کے وہ تماشے دکھلائے ہیں کہ مجرد جن کے خیال سے عقل دنگ نظر آتی ہے ان فصحا کے نطق نے سلطنتیں قائم کی ہیں اور سلطنتیں معدوم کی ہیں ملکوں کو خونریزی سے بچایا ہے اور ملکوں کو خونریزی میں مبتلا کیا ہے ظلم کی بنیادیں ڈالی ہیں اور ظلم کی بنیادیں کھودی ہیں بادشاہوں کو تخت سے اُٹھایا ہے اور تخت پر بٹھایا ہے مختصر یہ ہے کہ قوموں کو جس راہ پر چلایا ہے قومیں وہ راہ چلی ہیں کیا ان فصحا بلغا کے نطق لطافت شاعری سے خالی تھے۔ درحقیقت ان کے نطق عین شاعری تھے جو اُن سے ایسے ایسے حیرت خیز اثر قوموں پر پیدا ہوتے گئے ہیں اسی طرح نطق کے ذریعے سے فرقۂ اہل قانون عجیب و غریب تماشے دکھلاتا ہے واقعی اس عہد کے بیرسٹران نامی اک رنگ کے شعرا ہیں اُن کے کمال نطق کا اثر یہ ہوتا ہے کہ سامعین پر

عالم حیرت طاری ہوتا ہے بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ سامعین کو اشکباری کی نوبت پہنچی ہے اور بہت بار ہنسی کا روکنا دشوار ہو گیا ہے غرض یہ ہے کہ جادو۔ یٔ نطق سے ہنسانا رلانا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی بے گناہ شخص ماخوذ جرم ہو کر عدالت کے سامنے لایا گیا ہے اس کو اپنی بے گناہی کا پورا یقین ہے مگر جب اُس کے خلاف میں بیرسٹر نے بحث شروع کی اور اس کی مجرمیت کو دکھلانا شروع کیا تو بے چارہ ماخوذ باوجود بے جُرم ہونے کے اپنے مخالف کی اسپیچ کے اثر سے اپنے کو مجرم سمجھنے لگتا ہے چنانچہ وارن ہیسٹنگس - (Warren Hastings) لکھتے ہیں کہ جس وقت میرے خلاف میں اسپیچیں بحضور ممبران پارلیمنٹ ہونے لگیں تو ہر چند میں بے گناہ تھا مگر مخالف کے زور نطق کا یہ اثر ہمارے دل پر پیدا ہوا کہ ہم اپنے کو مجرم سمجھنے لگے ایسی ایسی پُر تاثیر اسپیچیں اگر شاعری نہیں ہیں تو کیا ہیں علاوہ فرقہ اہل قانون کے موعظین و مقررین جو طرح طرح کی تاثیریں سامعین کے دلوں پر پیدا کیا کرتے ہیں۔ شاعری کی داد اگر نہیں دیتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ لسانی شاعروں کے سوا مورخین و ناولسٹ جو کام کرتے ہیں وہ عین شاعری نہیں ہے تو کیا ہے مورخین تاریخ کے پردے میں شاعری کے عجیب عجیب جلوے دکھلاتے ہیں اور ناولسٹ نے تو درحقیقت نظم کی راہ شاعری کو چھوڑ کر نثر کی راہ شاعری کو اختیار کیا ہے اور اپنی طباعی اور خلاقی سخن کے رو سے اُن کی شاعرانہ نثر منظوم شاعری سے کسی بات میں کم نہیں معلوم ہوتی ہے اسی طرح اور بھی طرح طرح کی شاعرانہ نثر کی تحریریں نثاران یورپ نے حوالۂ قلم کی ہیں۔ جن کو منظوم شاعری کے ہم پہلو قیاس کرنا نہایت حق پسندی ہے مثلاً اڈیسن، میکالے، وکار لائل وغیرہ کی نثر اعلیٰ درجہ

کی شاعری کے سوا اور کیا سمجھی جا سکتی ہیں علاوہ تقریری اور تحریری شاعری کے فنون کے وسائل سے شاعری سے کام لیے جا رہے ہیں مثلاً اس عہد میں مصوری، بُت تراشی، بُت سازی اور موسیقی نے جو شاعری کی صورتیں نکالی ہیں اُنھیں اعلیٰ درجے کی شاعری نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ بالمختصر یہ عامیانہ خیال کہ اس عہد میں شاعری رخصت ہو گئی ہے بالکل غلط ہے البتہ اس کی منظوم شکل میں جو کچھ کمی لاحق ہو گئی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اُس نے اور شکلوں میں جو زور پکڑا ہے۔ اس سے شخص محصل انکار نہیں کر سکتا یہ درحقیقت بڑی تنگ بینی ہے کہ انسان جب شاعری کو تصوّر کرے تو صرف منظوم پیرائے میں تصوّر کرے نفس امر کے لیے پرایہ کیا شے ہے ایک ہی شراب سو قسم کے ظرف میں رکھی جا سکتی ہے اس سے اُس کی خمریت میں فرق نہیں آ سکتا یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جب تک شراب شیشے کے ظرف میں رہے گی شراب رہے گی اور جب سونے کے ظرف میں منتقل ہو جائے گی تو شراب نہیں رہے گی۔ شراب ہر حیثیت سے اُس وقت تک شراب ہے جب تک اُس کی ماہیت نہ بدل جائے۔

اغراض انسان سے شاعری کا تعلّق شاعری کو اغراض انسانی سے بڑا تعلّق ہے۔ ہر زمانے میں شاعری انسان کے تمدنی اخلاقی اور مذہبی معاملات میں تاثیر رساں اور بکار آمد ہوتی رہی ہے تمدنی معاملات پر شاعری کے کیا کیا اثر پیدا ہوتے رہے ہیں اس کی مثالیں مستند کتب تاریخ یونان و روم و عرب وغیرہ میں موجود ہیں۔ زمانہ جدید بھی اس کے اثر سے خالی نہیں ہے یورپ قدیم اور جدید کی شاعری تو زیادہ تمدنی ہے یا ایسی ہے کہ زیادہ تر تمدن سے تعلق

رکھتی ہے یہی انداز عرب میں بھی بعثت آنحضرت صلعم کے قبل کی شاعری کا معلوم ہوتا ہے کہ تقاضائے ملک کے مطابق تمدنی مذاق سے خالی نہیں ہے اگر نام بنام یورپ قدیم و جدید اور بھی عرب قدیم کے شعرا کے تمدنی حالات لکھے جائیں۔ تو دس جلدیں بھی ان کے بیان کو مکتفی نہیں ہو سکتی ہیں۔

معاملات تمدن بہرحال اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ انسان کے معاملات تمدن میں شاعری کو دخل رہا ہے اور انسان کے تمدنی اغراض شاعری سے کم و بیش طور پر ہر عہد میں متعلق رہے ہیں۔

معاملات اخلاق اخلاقی معاملات انسان سے شاعری کو کیا تعلق ہے اس کے لیے اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ جتنے معاملات اخلاقی ہیں شعرا قلم بند کر چکے ہیں۔ بدالنسبت راقم شاعری سے کوئی قوی تر آلہ اخلاق آموزی کا دوسرا نہیں ہے کیا امیر المومنین علیہ السلام اور سعدی کے اشعار سے کوئی زیادہ پر تاثیر اخلاق آموزی کا آلہ نشان دیا جا سکتا ہے کیا اخلاق کی معروف کتابیں یہ تاثیری قوت رکھتی ہیں ہر گز نہیں لاریب شاعری بہترین ذریعہ اخلاق آموزی کا ہے بے سچی شاعری کے انسان کے قوائے اخلاقیہ ترقی نہیں کر سکتے شاعری عین فلسفہ اخلاقی ہے راقم اس وقت ایک ایسی جگہ کی روداد کو عرض کیا چاہتا ہے جس سے شاعری کا اعلیٰ درجے پر اخلاق آموز ہونا ثابت ہوتا ہے چالیس بیتالیس برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ کپتان ڈی ال ریچرڈسن صاحب کلکتہ کے کالج سرکاری میں علم ادب یعنی لٹریچر کا درس دیتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اس فن خاص میں اس وقت تک کلکتہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے خود شاعر بھی تھے اور شعرائے یورپ کی تصانیف سے نہایت درجے کی اطلاع رکھتے تھے۔

فقیر کے زمانے سے بہت پہلے اُن کا زمانہ گزرا ہے لیکن فقیر نے ان کی ایک جسیم تالیف کو جس میں اُنھوں نے اڈونت چاسر (Chaucer) تمام شعرائے انگلستان کے کلاموں کو نہایت خوبصورتی اور مذاق صحیح کے ساتھ منتخب کیا ہے اپنی زندگی کے مختلف حصّوں میں چند بار معاینہ کیا ہے۔ کپتان ممدوح کے درس یافتہ طلبہ اب بہت کم رہ گئے ہیں اُن میں سے ایک صاحب تھے جو ایک وقت میں فقیر کے پرائیویٹ ٹیوٹر یعنی نجی کے معلم تھے اور اعلیٰ درجے کی مناسبت ادبیہ رکھتے تھے۔ شاعری کی قوت اخلاق آموزی کے تذکرے میں اُس جلسے کی رُوداد جس کا ابھی اوپر حوالہ ہوا ہے یوں بیان کی ہے کہ کچھ متعصب عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ شیکسپیر کے کلام مخرب اخلاق ہیں اس واسطے اس کی پڑھائی سرکاری کالجوں سے اُٹھا دینا چاہیے۔ جب یہ بات کپتان ممدوح کے گوش گزار ہوئی تو کپتان صاحب نے فرمایا کہ میری دانست میں اگر ایک پلے (Play) شیکسپیر کا طلبہ کو اچھی طرح پڑھایا جائے اور اچھی طرح اُنھیں ذہن نشین ہو جائے تو ہزار واعظین کے مواعظ سے زیادہ اخلاق آموز ہے۔ خیر دو چار روز کے اندر ایک جلسہ انعقاد پایا اور بڑے بڑے حکام اور اہل علم اعتراض بالا کے حق و ناحق تجویز کرنے کے لیے کالج میں جمع ہوئے کپتان صاحب نے فرمایا کہ ہم اس کتاب کی نیک آموزی اور بد آموزی میں کوئی بحث نہیں کریں گے مگر ہم آپ حضرات کے سامنے ایک جماعت طلبہ کو اس کتاب کے دو ایک ورق پڑھائیں گے۔ میرے درس کے بعد آپ حضرات جو رائے قائم فرمائیں گے ہم اس کی تبعیت کریں گے چنانچہ باجازت صدر انجمن جو اس وقت کے صدر دیوانی عدالت کے چیف جسٹس تھے اور بڑے ذی علم اور محقق شخص تھے کپتان صاحب نے

درس دینا شروع کیا۔ ایک صفحے کا نصف بھی نہیں پڑھایا تھا کہ چیف صاحب مع دیگر ممبران انجمن جیبوں سے رومال نکال کر آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگے اور جب ضبط رقت نہ کر سکے تو میز پر سر ڈال کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس بدافاقگی کو دیکھ کر کپتان صاحب طلبہ سے فرمانے لگے کہ اب ہم درس موقوف کرتے ہیں عدالت عالیہ کے صدر اور ممبران جلسہ کی حالت قابل توجہ ہو رہی ہے ظاہر ہے کہ ایسی شورش کے بعد چیف جسٹس صاحب اور دیگر حضرات کو شیکسپیر کی پُر تاثیر اخلاق آموزی میں کیا گفتگو کی جگہ باقی رہی تھی سب ممبران نے بالاتفاق اس اعتراض کو جو متعصبانہ اشخاص نے پیش کیا تھا محض بے معنی اور مہمل قرار دیا اور شیکسپیر کی پڑھائی اپنے حال پر قائم رہی۔ اس واقعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں مُلّائے خشک موجود ہیں سوا مُلّائے خشک کے کس کو یہ سوجھ سکتی ہے کہ شیکسپیر یا میر حسن کی مثنوی نہ پڑھائی جائے مثنوی میر حسن کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آتا ہے جس سے اس کتاب کی ندرت اور عظمت ثابت ہو گی۔ خیر روداد بالا تو راقم کی چشم دید نہیں ہے مگر شیکسپیر کیا کتاب ہے اس کی شہادت فقیر بھی کسی قدر دے سکتا ہے اس عاجز نے شیکسپیر کے چند پلے اپنے کالج کے زمانے میں ایسے ایسے استادوں سے جیسے مسٹر کنڈل (Mr. Rindle) اور مسٹر گریفتھ (Griffith) تھے پڑھے ہیں۔ میں اپنی واردات قلبیہ سے سمجھ سکتا ہوں کہ شیکسپیر کے کلام کیا تاثیر رکھتے ہیں اور ان کو اخلاق آموزی میں کیا دخل ہے واضح ہو کہ انسان کی طبیعت سے خشونت دفع کرنے کا وسیلہ شاعری سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہے شاعری مزاج انسان میں عجب ملایمت پیدا کرتی ہے جن کو شاعری کا

مذاق صحیح از روئے فطرت حاصل رہتا ہے اُن کی طبیعت تو یقیناً خشونت سے پاک واقع ہوا کرتی ہے۔ لیکن جو اس کے برخلاف مزاج رکھتے ہیں ان میں بھی اکتسابی طور سے کچھ نہ کچھ ملایمت آہی جاتی ہے بلاشبہ شاعری خراط کا کام کرتی ہے کُندہ ناتراش کو بھی چھیل چھال کر درست کر دیتی ہے یہ بات عندالتجربہ پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے۔ کہ جن کی خلقت میں صفات حمیدہ بہ سبیل فطرت داخل ہیں۔ بلاشبہ شاعری کا مذاق صحیح ان کی خلقی خوبیوں کو افزوں کر دیتا ہے اور جب ناہموار مزاجوں پر شاعری اپنا اثر کچھ نہ کچھ پیدا ہی کرتی ہے تو کیا تعجب ہے کہ اچھوں کو اس سے حسب مراد نتایج مترتب ہوں یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ سچی شاعری کا احاطہ بہت وسیع ہے اس کے اندر اللہ و ماسوی اللہ کے متعلق جو مضامین ہیں گنجائش پاتے ہیں پس جس فن کا احاطہ اس قدر وسیع ہو اور اس وسعت کے ساتھ پُر از لطافت و نزہت بھی ہو تو ایسے فن سے کیونکر تعلیم و تہذیب کی صورت نہیں پیدا ہو سکتی ہے۔ پس اس فن کو اخلاق آموز سمجھنا نہایت قرینِ انصاف ہے اور اس حیثیت سے یہ فن ایک اہم غرض انسانی سے تعلّق رکھتا ہے جو حضرات شاعری کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔ انھوں نے شاعری کی حقیقت کو نہیں سمجھا ہے اور لاریب بہت محدود خیالات کے آدمی ہیں۔

انسان کے مذہبی اغراض سے شاعری کو کس قدر تعلّق رہا ہے کتب تاریخ و سیر سے اس کی تحقیق دشوار نہیں ہے۔ علمی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم سے مشرک و موحد اقوام دونوں مذہبی معاملات میں شاعری سے کام لیتی رہی ہیں۔ اہل یونان و اہل روم مشرک قومیں تھیں اور ان کے دیوتاؤں کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے۔ کوئی پہاڑ کوئی جنگل، کوئی جھاڑ، کوئی دریا، کوئی پتّھر کوئی درخت دیوتا سے خالی نہیں

سمجھا جاتا تھا علاوہ ان کے بہت سے آسمانی اور ارضی دیوتا تھے ان میں کچھ مذکر اور کچھ مونث مانے جاتے تھے ان دیوتاؤں کے محامد اور مناقب کے لیے شاعری استعمال میں لائی جاتی تھی - اسی طرح قبل بعثت آنحضرت صلعم کے اہل عرب بُت پرست تھے اور بتوں کی پرستشوں میں شاعری سے کام لیتے تھے اور ان کے مناقب کو جلاجل وغیرہ پر گاتے تھے جیسا کہ اس وقت ہنود بھی اپنے دیوتاؤں کے بھجن جھانج وغیرہ پر گاتے بجاتے ہیں ہنود جن کا سلسلہ شائستگی یونانیوں سے بھی قدیم تر نظر آتا ہے ساری مذہبی تعلیمات کو حوالۂ شاعری کیے ہوئے تھے اور آج تک بھی ان کی مذہبی کتابیں شاعرانہ پیرائے میں دیکھی جاتی ہیں چنانچہ ان کی مذہبی کتابیں رامائن، مہابھارت جو معروف خاص و عام ہیں بہت اعلیٰ درجے کی شاعری سے خبر دیتی ہیں علاوہ ان کے ہزاروں اشلوک ہیں جو محض مذہبی پیرایہ رکھتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی نظر سے سکھلائے پڑھائے جاتے ہیں اگر بُت پرست اقوام میں شاعری کا دخل اس زور و شور کے ساتھ دیکھا جاتا ہے تو موحد قوموں کی مذہبی کتابیں بھی مذاق شاعری سے خالی نہیں نظر آتی ہیں عتیق صحیفوں میں علی الخصوص زبور یعنی ادعیہ حضرت داؤدؑ و اقوال حضرت سلیمان علیہم السلام بہترین نمونہ شاعری ہیں صحف جدیدہ میں جس قدر اقوال حضرت مسیح علیہ السلام کے پائے جاتے ہیں کس قدر پاک مذاق شاعری کا رکھتے ہیں - مثلاً آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو کوئی ایک گال پر تماچا مارے تو تم دوسرا گال بھی پیش کر دو اس قدر یہ قول شاعرانہ ہے کہ آج تک اُن کی کسی اُمت سے اس کی تعمیل نہ ہو سکی بلکہ اُن کی اُمت اس کے برخلاف السن بالسن کے اصول کی پابند رہتی چلی آئی - لیکن اگر نفس قول پر لحاظ کیجیے تو سبحان اللہ کیا یہ قول ہے جس سے بڑی نفس کُشی کی تعلیم مراد ہے - میں بہت سے

اس طرح کے پیارے اقوال اُس جناب کے پیش کر سکتا ہوں مگر خوف تطویل کلام سے قلم کو روک لیتا ہوں اور اب میں بسبیل اختصار شاعری کے اسلامی تعلق کو عرض کیا چاہتا ہوں۔

یہ امر مسلم ہے کہ ہم مسلمانوں کے تمام امور تمدنی و مذہبی کا دار و مدار قرآن پر ہے اور یہ کتاب مقدس جس کو ہم مسلمان اُمّ الکتاب کے لقب کے ساتھ یاد کرتے ہیں کچھ ایسی ہی متبرک اور بزرگ شئے ہے کہ اس کا ذکر رسولِ خدا نے اپنی عترت پاک کے ساتھ اپنے آخر عہد حیات میں فرمایا چنانچہ اس قول کی صحت کی حدیث انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی ہے اب جو ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو اس میں اس درجے کی شاعری پاتے ہیں کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت کا مضمون پیش نظر ہو جاتا ہے واقعی اس کی فصاحت و بلاغت اور لطافت شاعریہ کی انتہا نظر نہیں آتی ہے کوئی تعجب نہیں کہ اُس کی آیات نے شعرائے عرب کی شاعریوں کو بھلا دیا اس کتاب خدا کے اجزا کچھ تورات موسویہ کی طرح احکامات پر مشتمل ہیں اور کچھ قصص سے اور کچھ وعدہ و وعید موعظت توحید و تمجید عبادات ادعیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں احکامات بھی فصاحت و بلاغت سے جو ضروریات شاعری ہیں خالی نہیں ہیں۔ مثلاً خداوند تعالیٰ حکم صادر فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص خون کرے تو قاتل مستحق قصاص ہے۔ اس قصاص کی ضرورت کو خدا کس شاعرانہ خوبصورتی کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب یعنی تم لوگوں کے واسطے قصاص میں زندگی ہے اے سمجھ رکھنے والو۔ فی الواقع اس قول کی بلاغت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے لفظ تو تھوڑے ہیں مگر کس قدر معنی خیز

ہیں۔ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصاص میں حیات کی صورت ہوسکتی ہے کس واسطے کہ جس شخص پر حکم قصاص جاری کیا جاتا ہے اس کی زندگی تمام ہو جاتی ہے۔برعکس اس کے قولہ تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص ذریعۂ حیات ہے لیکن اگر غور سے دیکھیے تو واقعی قصاص میں حیات ہے اوّل تو قصاص ذریعۂ حیات اس شخص کے لیے ہے کہ جو جرم قتل کا مرتکب ہوا یعنی اگر اس سے قصاص نہیں لیا جائے تو مقتول کا خون اس کی گردن پر رہ جائے گا اور بعد مردن جو عالم حیات ابدی کا پیش آنے والا ہے وہ اُس کے لیے بدتر از موت کی شکل پیدا کرے گا اور حقیقت پوچھیے تو حیات ابدی ہی حیات ہے اور جس حیات کو ہم لوگ حیات کہتے ہیں ایسی ہی حیات ہے کہ اُس کے پیچھے موت لگی ہوئی ہے۔دوم یہ کہ قاتل کے قصاص پانے سے اور بنی آدم کی حیات کی صورت متصور ہے اگر قاتل کو سزائے موت نہیں دی جائے تو امن کی صورت قائم نہیں رہ سکتی ہے ہر انسان کی حیات معرض خطر میں در آسکتی ہے۔کس واسطے کہ جب قاتل کو سزا پانے کا خوف نہیں رہا تو اگر اُس نے آج ایک آدمی کو مارا ہے تو کل دس کو مارے گا پھر اُس کو خونریزی میں مطلق العنان دیکھ کر اور اشخاص بھی خونریزی کے مرتکب ہونے لگیں گے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام معاملات تمدنی و اخلاقی و مذہبی برہم ہو جائیں گے جس کے سبب سے بقائے نوع انسانی کی کوئی صورت قائم نہیں رہے گی۔جو حصے قرآن مجید کے قصص سے مشتمل ہیں ان کے بیان کی خوبی کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے۔حضرت یوسفؑ کا قصہ کس سچے مذاق شاعری کے ساتھ بیان ہوا ہے۔توراۃ میں بھی یہ قصہ موجود ہے مگر وہی قصہ کس خوبصورتی جدت اور بلاغت کے ساتھ قرآن میں دہرایا گیا ہے

جامی کی کتاب منظوم معروف بہ یوسف و زلیخا گو ہر ارشاعرانہ خوبیوں سے آراستہ ہے مگر قرآنی لطافتوں کی اُس کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ راقم کو اس رسالہ عجالہ میں اس سورہ کی شاعرانہ خوبیوں کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ تحریر طولانی ہوجائے گی اس واسطے ناچار قلم کو روک لیتا ہے اسی طرح سورۂ مریمؑ کی بھی خوبیاں قابلِ ذکر نفیس مگر اسی خوف سے وہ بھی حوالۂ قلم نہیں کی جاتی ہیں۔ بالآخر اگر قرآن کے اُن اجزا پر لحاظ کیجیے جو وعدہ وعید موعظت توحید تمجید عبادات ادعیہ وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں تو یہ سب کے سب نہایت اعلیٰ درجہ کی لطافت شاعرانہ سے خبر دیتے ہیں چنانچہ جہاں خدائے تعالیٰ نیک کاروں کو جزائے خیر کی بشارت دیتا ہے۔ تو تفہیم عوام کی غرض سے معاملات روحیہ کو حسیات کی شکل میں بڑی ندرت کے ساتھ بیان فرماتا ہے اسی پر اُس کے وعیدوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ اُسی پیرایہ میں مذکور ہوتے گئے ہیں۔ موعظت کے ایسے انداز ہیں کہ افصح واعظ بھی اُس انداز کو نہیں اٹھا سکتا اور جو اُن موعظت کے مضامین میں اخلاق کے ایسے جید اصولوں پر مبنی ہیں کہ فلاسفر اخلاقی ان کی تبعیت سے فائدہ بے شمار حاصل کر سکتا ہے۔

تعلیم توحید۔ توحید کی تعلیم تو وہ تعلیم ہے کہ پیرو محمدؐ بانگ بلند سے ساکنان دنیا کو پکار کر کہہ سکتا ہے کہ اے اقوام مختلفہ آؤ اور ہم سے توحید کا سبق لو اس انیسویں صدی کے موحدین جو اپنے توحیدی مذہب کے ایجاد پر فخر و مباہات کرتے ہیں درحقیقت خوشہ چین اسلام کے ہیں۔ اس زمانے کے دعویٰ داران توحید نے معاملۂ توحید میں کوئی بات توحید قرآنی سے ایک خس کے برابر بھی زیادہ نہیں پیدا کی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ایک ایسا قول زبردست ہے کہ اس سے زیادہ کوئی

دوسرا زبردست قول معاملۂ توحید میں ہو نہیں سکتا۔ یہ دعویٰ داران توحید کیا ایجاد توحید کریں گے۔ بہت دعویٰ داران توحید کے حالات مالی وملکی سے فقیر کو ذاتی اطلاع ہے خبر یہ کیا ہیں توحید موسویؑ تو توحید محمدیؐ کی برابری نہیں کر سکتی پھر اور کوئی ملت و مذہب کی توحید تو کیا توحید محمدیؐ کو پہنچے گی۔ جن حضرات نے پانچوں صحیفے حضرت موسیٰؑ کے آنکھ کھول کر پڑھے ہیں اور قرآن کو بھی تامل کے ساتھ پڑھا ہے وہ توحید موسویؑ اور توحید محمدیؐ میں تمیز کر سکتے ہیں۔ راقم کو اس سے زیادہ یہاں لکھنے کا موقع نہیں ہے بہرحال توحید کی تو یہ ندرت ہے

تمجید باری تعالیٰ اب تمجید باری تعالیٰ کے مضامین کو دیکھیے تو انصاف بھی کہتا ہے کہ قرآنی تمجید کی نظیر کسی کتاب دینی یا دنیوی میں نہیں ہے کوئی شخص تمجید کی ایک آیت بھی صحف سابقہ سے یا ایک مصرع بھی کسی شاعر کی تصنیف سے دکھلادے جو **قولہ تعالیٰ** ھو اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السّلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر کا جواب ہو یا کسی کتاب میں **آیۃ الکرسی** کے برابر کوئی تمجیدی تحریر کا نشان دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان آیتوں کے برابر توحیدی اور تمجیدی مضامین اس وقت تک کہیں دیکھے نہیں گئے۔ اور تاقیامت نہیں دیکھے جائیں گے۔ عبادات کے مضامین بھی لطافت شاعریہ سے خالی نہیں ہیں اور ادعیہ کہ مخ عبادت ہیں اس شاعرانہ پیرائے کے ہیں کہ جن کے آگے تمام دنیا کی دعائیں بد دعائیں معلوم ہوتی ہیں المختصر قرآن شریف تمام ترسچی شاعری کا نمونہ ہے اس کی شاعری کہیں داخلی یعنی سبجکٹو (subjective) اور کہیں خارجی یعنی آبجکٹو (objective) اور کہیں دونوں قسموں کی آمیزش کے ساتھ

واقع ہوئی ہے۔ عبارت کے رو سے قرآن شریف گو نظم ہے مگر سچے مذاق کی شاعری کے لیے جیسی عبارت چاہیے اُس کا عیار کامل ہے یہی سبب ہے کہ عرب کے شعرا و فصحا و بلغا ترکیب عبارت سے الگ عاجز آئے اور عالی خیالی اور بلند پروازی سے الگ مغلوب رہے ناچار بعضوں کو کہنا پڑا کہ قرآن کلام بشر نہیں ہے اور بعض اپنی شاعری کی بے حقیقتی کے معترف ہو کر حلقۂ اسلام میں در آئے۔

ظاہر ہے کہ جو کچھ اس اُمّ الکتاب کے شاعرانہ مذاق کا ذکر یہاں حوالۂ قلم ہُوا وہ واقعی بہت قلیل اور مختصر طور پر ہُوا ہے بہر حال اب عترت رسول اللہؐ کے بعض حضرات کے مذاق شاعری پر غور درکار ہے بلا شبہ بحیثیت وفور علم و فضل عترت رسول اللہؐ کے سردار علی ابن ابی طالب ہیں۔

کلام حضرت امیر المومنین علیؑ حضرت کے سچے مذاق شاعری کی تعریف ہو نہیں سکتی حضرت کا دیوان حضرت کی شاعرانہ عالی مذاقی کا گواہ ہے۔ سوا اس کے حضرت کے خطبات کس قدر سچے مذاق شاعری سے خبر دیتے ہیں سوا ان خطبات کے جو نہج البلاغت میں موجود ہیں بہت سے خطبات آپ کے ایک کتاب میں مدوّن ہیں۔ جن سے اُن جناب کی عالی درجے کی قوت شاعریہ عیاں ہے روزانہ کے کلام حضرت کے کیا کم رتبۂ شاعری رکھتے ہیں۔ علاوہ ان کے حضرت کی ادعیہ حضرت کے کمال درجے کے توحیدی اور تمجیدی مذاق سے خبر دیتی ہیں۔ منجملہ ادعیہ کے حضرت کی دعائے صبح کس قدر پُر تاثیر مذاق شاعری کا نمونہ ہے۔ اس دعا کو پڑھ کر کون انسان ہے جس پر عالم وجد نہیں طاری ہو سکتا ہے۔ یہ دعا انسان کو خدا کے سامنے بے جا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ داعی کو صاف درک ہوتا ہے کہ مدعا کیے

حضور میں حاضر ہے اب اس سے بڑھ کر اور کیا توحیدی او رتمجیدی شاعری ہو سکتی ہے
علاوہ اُس جناب کے دیگر حضرات خاندان پیغمبر بھی نہایت سچا مذاق شاعری رکھتے تھے
حتیٰ کہ حضرت خاتون جنت رضؓ ۔ چنانچہ وہ شعر حضرت کا جسے اپنے پدر بزرگوار کی رحلت
میں مرثیہ کے طور پر فرمایا ہے کس قدر سچے مذاق شاعری سے مملو ہے وہ شعر کس قدر
اعلیٰ درجے کی واردات قلبیہ سے خبر دیتا ہے اور اس تعلق کو کس عمدگی سے دکھلاتا ہے
جو کسی بے حد پیاری بیٹی کو اپنے بے حد پیارے باپ کے ساتھ ہوتا ہے اُس شعر
کی مرثیت حضرت آدمؑ کے اُس شعر کی مرثیت سے بڑھی ہوئی ہے جسے حضرت ابوالبشر
نے ہابیل کے غم میں ارشاد فرمایا تھا اس طرح کے اشعار مراثی کا شمار اگر مذہبی شاعری
میں کیا جائے تو خلاف عقل نہیں ہے ۔ کس واسطے کہ جو کلام مذہبی سرداروں کے ہیں
بہت مناسب ہے کہ مذہب سے متعلق سمجھے جائیں ۔

شاعری ادعیہ صحیفہ کاملہ خیر اب ہم اُن ادعیہ کا ذکر کرتے ہیں جو مندرج صحیفہ کاملہ
ہیں یہ کتاب زبور آل محمدؐ ہے اور یہ دعائیں امام ابن امام
ابن امام حضرت سجاد زین العباد سے ہیں جن کو امام ممدوح اور ان کے بعد کے ائمہ
پڑھا کرتے تھے اور آج تک فریقین کے غیر متعصب ارباب عبادت پڑھا کرتے
ہیں اُن ادعیہ کی توحیدی اور تمجیدی شاعری اس اعلیٰ درجے کی ہے کہ اُن کے مضامین
سے عجیب تازگی اور سچا جوش عبادت پیدا ہوتا ہے ۔ میرے اس قول کی گواہی وہی
حضرات دے سکتے ہیں جو اس صحیفہ مقدس کو پڑھا کرتے ہیں ۔ کیا دنیا میں ایسا کوئی
مذہبی مزاج کا آدمی ہے کہ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کو پڑھے اور متاثر نہ ہو ۔ ان ادعیہ
کو خلوص دل سے پڑھنے کے وقت صاف فرق داعی و مدعو ۔ خالق و مخلوق ۔ عابد و

معبود کا قلب درک کرنے لگتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا توحیدی اور تمجیدی شاعری ہو سکتی ہے علاوہ ان ادعیہ کے ائمہ علیہم السّلام کے بہت سے منظوم و غیر منظوم ایسے کلام ہیں جو توحیدی اور تمجیدی شاعری کے عیار ہیں۔ ان سرداران دین کے اقوال و کلام کے سوا شعرائے عرب و فارس کے بہت کلام ہیں جو مذہبی شاعری کے عمدہ نمونے ہیں۔ مثلاً قصیدہ بردہ۔ قصیدہ فرزدق قصیدہ علامہ مغربی قصائد خاقانی و سنائی مثنوی مولانا روم ہفت بند کاشی وغیرہ علاوہ شعرائے اسلام کے عیسائی شعرا میں بھی مذہبی شاعری کا رواج دیکھا جاتا ہے۔ انگلستان کے گرامی ترین شاعر یعنی ملٹن کے کلاموں کا زیادہ حصّہ مذہبی پیرایہ رکھتا ہے بلکہ جس تصنیف نے ملٹن کی شہرت شاعری کو منتہائے اوج کو پہنچایا تمام تر مذہبی پیرایہ رکھتی ہے۔ یہ تصنیف ملٹن کی دو حصوں میں مشتمل ہے ایک حصّے میں حضرت آدمؑ کے جنّت کو کھونے کے احوال مندرج ہیں۔ دوسرے میں ان کے پھر جنّت کے پانے کے احوال رقم ہوئے ہیں۔ ملٹن نے حصّہ اوّل میں شیطان کو اُن کے جنّت کے کھونے کا سبب دکھلایا ہے۔ اور حصّہ ثانی میں حضرت مسیحؑ کو اُن کے پھر جنّت کے پانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ المختصر راقم کی تحریر بالا سے حضرات ناظرین باتمکین پر روشن ہوا ہوگا کہ شاعری کو مذہبی اغراض انسانی میں کس قدر دخل رہا ہے ہر مذہب نے عام اس سے کہ انداز اُس کا مشرکانہ یا موحدانہ ہو شاعری سے تعلق رکھا ہے اور ہر قوم عام اس سے کہ قدیم یا جدید ہو کچھ نہ کچھ شاعری سے کام لیتی رہی ہے۔

مختلف اقوام کی شاعری پر ریویو

یہ ظاہر ہے کہ اس رسالہ عجالہ میں طول و بسط کے ساتھ تمام اقوام دنیا کی شاعری پر ریویو کو گنجائش

نہیں دی جاسکتی ہے مگر چونکہ مرکوز خاطر راقم یہ ہے کہ ایسے حضرات کو جن کو اپنی دیسی شاعری کے علاوہ کسی اور ملک کی شاعری کے انداز مذاق کو دریافت کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ فقیر کی تحریر سے کچھ اطلاع کی شکل پیدا ہو جائے اس لیے بسبیل اختصار اقوام مختلفہ کی شاعریوں کے عنوان و انداز کو ذیل میں عرض کرتا ہے اس اطلاع دہی سے اوّل عرض راقم یہ ہے کہ حضرات ناواقف پر نفس شاعری کی وسعت منکشف ہو جائے دوم یہ کہ ہماری دیسی شاعری کی حیثیت دریافت میں آئے۔

واضح ہو کہ مصر برّ اعظم افریقہ کے ملکوں سے ایک مشہور ملک ہے۔

جغرافیہ مصر۔ ہمارے ایسے ناظرین جن کو مُلّائی طریقۂ تعلیم کے سبب سے علم جغرافیہ کی تحصیل کا اتفاق نہیں ہُوا ہے اُن کی خدمت میں بہ نظر تفہیم مضمون برّ اعظم گزارش یہ ہے کہ علم جغرافیہ کے رُو سے دُنیا کی تقسیم چند بڑے بڑے حصّوں میں عمل میں آئی ہے ان میں ہر حصّے کو برّ اعظم کہتے ہیں اور اس کا لفظ مترادف زبان انگریزی میں کانٹیننٹ (Continent) ہے یہ بڑے بڑے حصّے پانچ ہیں۔ اور وہ برّ اعظم ایشیا۔ برّ اعظم یورپ۔ برّ اعظم افریقہ۔ برّ اعظم امریکہ جنوبی و شمالی۔ اور برّ اعظم آدشینیا ہیں ہر برّ اعظم میں بہت ملک داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ برّ اعظم ایشیا میں جاپان۔ چین ملاکا۔ سیام۔ برہما۔ ہندوستان۔ تبت۔ تاتار۔ چین روس۔ کابل۔ فارس۔ عرب۔ عراق عرب۔ ایشیائے کوچک داخل ہیں۔ اور جو اقوام کہ ان ملکوں میں رہتی ہیں اُنھیں ایشیائی کہتے ہیں۔ اس تقسیم کے رُو سے ہم لوگ جو ہند کے رہنے والے ہیں ایشیائی ہونے میں اہلِ جاپان و چین و فارس و عرب وغیرہ کے برابر ہیں۔ اسی طرح برّ اعظم یورپ میں چند ملک داخل ہیں۔

جیسے ناروے، سویڈن، جرمنی، ڈنمارک، انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، روس، پرتگال، سوئٹزرلینڈ، یونان و ٹرکی جسے اہل اسلام رُوم کہتے ہیں۔ اور جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہے بڑا عظم افریقہ کے ملک بہت ہیں بخوف طوالت کلام صرف بعض درج کیے جاتے ہیں۔ اور وہ بعض یہ ہیں یعنی مصر، بربر، بارکا، ٹری پولی، ٹیونس، الجیریا یعنی الجزائر۔ فیزان، مراکو۔ حبش۔ کیپ وغیرہ برّاعظم امریکہ شمالی وجنوبی میں بھی اسی طرح بہت ملک ہیں۔ امریکہ شمالی کے ملکوں سے نیوفونڈلینڈ، کینیڈا، مکسکو وغیرہ ہیں۔ اور امریکہ جنوبی کے چیلی برازیل وغیرہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جو اقوام جن ملکوں میں رہتی ہیں وہ علاوہ اُن ناموں کے جو اُن کے ملک کا ہے اُن برّاعظم کے نام سے بھی یاد کی جاتی ہیں جن برّاعظم میں کابلی اور جو شام میں وطن رکھتے ہیں۔ شامی اور جو چین میں وطن رکھتے ہیں چینی کہلاتے ہیں تو علاوہ ملکی ناموں کے یہ اقوام ایشیائی بھی کہلاتی ہیں۔ اس سبب سے کہ یہ ملک سب برّاعظم ایشیا میں واقع ہیں۔ اسی طرح جو اقوام مختلف بلاد یورپ میں رہتی ہیں مُلکی نام کے علاوہ یوروپین کہلاتی ہیں۔ چنانچہ جرمن، انگریز، فرانسیسی، اسپینی، پرتگالی روسی وغیرہ پر یکساں لفظ یوروپین دلالت کرتا ہے۔ یوروپین بزبان انگریزی اہل یورپ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق تمام ملک ہائے یورپ کے سُکنا پر یکساں طور سے ہوتا ہے اسی طرح ملک ہائے افریقہ کے رہنے والے افریقی کہلاتے ہیں عام اس سے کوئی قوم مصر میں رہتی ہو یا حبش میں یا بربر میں یا الجزائر وغیرہ میں اسی طرح ملک ہائے امریکہ شمالی وجنوبی کے ملکوں کے رہنے والے امریکن

یعنی اہل امریکہ کہلاتے ہیں ان امور متعلق جغرافیہ کو ذہن نشین کرنے سے حضرات ناواقف کو فائدہ یہ ہوگا کہ جن ملکوں کی شاعری کا بیان اس کتاب میں آتا جائے گا اُن حضرات کو معلوم ہوتا جائے گا کہ وہ ملک سب دنیا کے کس حصے میں ہیں۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ آدمی ملکوں کی سمت وجہات وعام حالات سے واقف نہ ہو اس وقت کی مُلّائی تعلیم کا تو یہی تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا کے ضروری معاملات بڑی وبجری سے ناواقف رہے پُرانے طریقہ تعلیم کے پابند حضرات سے فقیر کو کوئی ایسے صاحب نہ ملے کہ جو دنیا کے ملکوں کے نام وسمت وجہت سے سرسری طور پر بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ گھر بیٹھے ہوئے جو کبھی چین ماچین کا نام لیتے ہیں تو اس سے اُن صاحب کو اس کی کبھی اطلاع نہیں ہے کہ اُن کے دولت خانے سے چین ماچین پچھم واقع ہیں یا پورب۔ اتر واقع ہیں یا دکھن۔ درس تدریس میں ختا وختن بول جاتے ہیں مگر موضعی اطلاع کچھ نہیں رکھتے ان کے علم جغرافیہ میں صرف چند ملک وشہر ہیں۔ جیسے تبت، تاتار، کابل، فارس، عراق، شام، عرب، مصر، روم لیکن ان ملکوں کے نام کے سوا اُن کی نسبت کچھ نہیں جانتے۔ بہت حضرات تو ملک وشہر میں فرق نہیں کرسکتے غرض عجب طرح کی لاعلمی میں مبتلا نظر آتے ہیں اس پر اگر علم جغرافیہ کی ضرورت کو ایسے حضرات سے بیان کیجیے تو اس علم کو شاید کسی قسم کی بدعت قیاس کرکے برہم ہوجاتے ہیں حالانکہ یہ علم ایک وقت میں عین مسلمانوں کا علم تھا ہائے شامت کہ اس وقت یہ علم صرف بے ضرورت ہی قیاس نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ کوئی ایسا امر قبیح سمجھا جاتا ہے۔ جو پُرانی تعلیم والوں کی برافروختگی کا سبب ہوتا ہے راقم زنہار مبالغہ پردازی کے پیرایے میں ان باتوں کو عرض نہیں کرتا ہے فقیر پر یہ سانحہ گزر چکا ہے

اور صرف ایک بار نہیں بلکہ چند بار منجملہ ان الم خیز واقعات کے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک حضرت ارباب علم وفضل سے سکندر نامہ کا درس دے رہے تھے اور اسی طرح ہر روز کتب عربیہ و فارسیہ کا درس دیا کرتے تھے اور نہیں معلوم عمر بھر میں کے بار سکندر نامہ وغیرہ کا درس دے چکے ہوں گے میں نے اس طالب العلم سے جو اس وقت سکندر نامہ پڑھ رہا تھا پوچھا کہ سکندر کا وطن کہاں تھا وہ کچھ نہ بتا سکا پھر میں نے پوچھا کہ سکندر کی قومیت کیا تھی اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا۔ پھر میں نے پوچھا کہ سکندر کے ظہور کو کتنا عرصہ ہوا ہوگا۔ اس کا جواب بھی خاموشی کے سوا کچھ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ مدرس صاحب نے ان باتوں کی طرف توجہ کو مبذول نہیں فرمایا تھا بیچارے طالب علم کا کوئی قصور نہ تھا بعد ازاں جو مدرس صاحب سے بسبیل تذکرہ ان باتوں میں گفتگو پیش آئی تو معلوم ہوا کہ مدرس صاحب کے نزدیک علم جغرافیہ یا علم تاریخ کوئی شے نہیں ہے۔ واقعی سر پیٹنے کی بات ہے جو ہمارے حضرات اہل علم کے ایسے خیالات ہو رہے ہیں جائے غور ہے کہ اس زمانے کے یا ایسے ملایانہ خیالات ہیں یا ایک ایسا وقت مسلمانوں کا تھا کہ علاوہ اور علوم کے علم جغرافیہ اور علم تاریخ میں اہل اسلام اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اہل یورپ جو اس وقت علموں میں ید طولیٰ رکھتے ہیں مسلمانوں کے رستہ دکھائے ہیں کیا تماشا ہے کہ یہ علم سب اغیار میں چلے گئے اور ہم سے صرف رخصت ہی نہیں ہو گئے بلکہ ہم کو اپنے سے نفرت بھی دلا گئے تاکہ پھر ہم لوگ ان کے کبھی خواستگار نہ ہوں۔ واضح ہو کہ اہل یورپ نے علم جغرافیہ اور علم تاریخ کو اس قدر ضروری سمجھا ہے کہ اپنی شائستگی اور عام لٹریچر میں ان علموں کو اس طرح ممزوج کیا ہے کہ اس وقت ان کا لٹریچر

کیا نظم کیا نثر ایسا ہو رہا ہے کہ بے علم جغرافیہ و علم تاریخ کوئی شخص قرآن کے لٹریچر کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور نہ ان کے لٹریچر سے کچھ حظ اٹھا سکتا ہے۔

ہر چند امور بالا کی تحریر کی حاجت اس کتاب میں نہ تھی مگر ملکی ضرورتوں کو لحاظ کر کے راقم نے مضامین بالا کو حوالۂ قلم کرنا مناسب سمجھا خیر اب جو امور ضروری بیان مصر سے متعلق ہیں اس کی طرف حضرات ناظرین توجہ فرمائیں۔

جیسا کہ بالا میں ذکر ہوا ملک مصر برّ اعظم افریقہ میں واقع ہے اہل یورپ اس ملک کو ایجپٹ (Egypt) کہتے ہیں اس کی جانب شمال میں بحیرۂ مغرب یعنی میڈیٹرینین سی (Mediterranean sea) اور مشرق میں بحیرۂ احمر یعنی ریڈ سی (Red sea) اور خاکنائے سویز واقع ہے۔ شمال میں ملک نیوبیا واقع ہے اور مغرب میں صحراہائے ریگستانی جو ملک فیزان تک چلے گئے ہیں۔

اس ملک کا عرض ۵۰۰ لم۔ اور رقبہ ۰۰۰ ۱۱ میل ہے۔ اس ملک میں صرف ایک دریا ہے جس کا نام نیل ہے، یہ بڑا دریا ہے اور بہت دور سے نکل کر مصر سے گزرتا ہوا بحیرۂ مغرب میں گرا ہے تخمیناً اس دریا کا طول ۵۰۰ میل ہے یہ دریا مصر کی زراعتی آبادی کا سبب ہوتا ہے۔ اگر یہ دریا نہ ہوتا تو مصر ایک غیر آباد ملک ہوتا اس ملک میں پہاڑ بھی واقع ہیں مگر بہت مرتفع نہیں ہیں علاوہ پہاڑوں کے چند وسیع جھیلیں بھی ہیں۔ آب و ہوا اچھی ہے مگر یبوست غالب پائی جاتی ہے جو شخص مبتلائے امراض باردہ ہوتے ہیں ان کے مزاج کے ساتھ یہ ملک موافقت کرتا ہے۔ اس کے بعض حصوں میں بارش کی فصل ۱۳ لعدز سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ بیشتر ہوائے گرم چلتی ہے۔ ریگستانی حصوں میں بادسموم آزاردہ ہوتی ہے امراض وبائی بھی پیدا ہوتے ہیں سوداکثر اشخاص عوارض

چشم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جانوران وحشی اس ملک کے ببر، کفتار، گرگ، آہو، نسناس، جاموس، گھوڑ گدھے، نگر اور ہیپو پوٹمس ہیں۔ واضح ہو کہ ببر ایک قسم شیر کی ہے اور یہ وہی جانور سباعی ہے جسے انگریزی میں ٹائیگر (Tiger) کہتے ہیں اور یہ جانور ہمارے ملک ہندوستان میں کثیر الوجود ہے۔ اہل ہند اُسے سیلا یا سلودھا باگھ کہتے ہیں اس کے جسم پر لانبی لانبی سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں یہ جانور نہایت قوی پنجہ عظیم الجثہ اور خونخوار ہوتا ہے جو اشخاص علم حیوانات سے اطلاع نہیں رکھتے وہ ببر کو مترادف اسد کا سمجھتے ہیں اور ببر کو محل اسد میں استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ اسد ایک اور جانور سباعی ہے۔ جس کے سر اور گردن میں بڑے بڑے بال ہوتے ہیں اور جس کی کنیت ابو الحارث ہے یہ جانور برّ اعظم افریقہ میں پوری نشو و نما پاتا ہے گو اس کی خرد پیکر قسمیں ایران و گجرات و راجپوتانہ وغیرہ کی اطراف میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اسد کو افریقہ سے ویسے ہی خصوصیت ہے جیسا کہ ببر کو ہندوستان و برہما وغیرہ سے ان ملکوں کے سوا ببر جہاں جہاں دیکھا جاتا ہے وہاں خرد مقدار پایا جاتا ہے۔ ہیپو پوٹمس ایک ایسا آبی جانور ہے کہ بر و بحر دونوں سے تعلق رکھتا ہے اور مثل گینڈے کے عظیم ہیکل ہوتا ہے یہ بھی ایک خشین اور قوی جانور ہے اور اہل افریقہ اس کا گوشت رغبت کے ساتھ کھاتے ہیں۔ طیور اس ملک کے شتر مرغ، عقاب، باز، بط وغیرہ ہیں۔ ایک اور بھی چڑیا ہوتی ہے۔ جسے اہل یورپ آئیبس (Ibees) کہتے ہیں۔ اس چڑیا کے طور کی ایک چڑیا ہندوستان میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ جسے شکاری مُنڈل کہتے ہیں۔ اس چڑیا کو قدیم مصری نہایت مقدس و متبرک سمجھتے تھے اور مذہبی حکم کے مطابق اُس کی پرستش کرتے تھے۔ حشرات الارض اس ملک میں بہت اقسام کے پائے جاتے ہیں

منجملہ اُن کے ایک قسم سانپ کی ہوتی ہے جس کے سر پر چھوٹے چھوٹے دو سینگ ہوتے ہیں۔ اس سانپ کا زہر نہایت قاتل ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے ایک سانپ کفچہ دار ہوتا ہے جس کو نیجا کہتے ہیں یہ ہمارے ملک کے گھمن سانپ سے مشابہت رکھتا ہے اور نہایت زہریلا ہوتا ہے۔ مصر کی زراعتی پیداوار بُھٹا، گیہوں، دھان، پیاز، تربوز، خیار، نشکر، افیون، تمباکو، پٹوا، روئی، السی اور نیل ہیں۔ مصر کی زرخیزی کا دارومدار دریائے نیل کے جوش پر ہے جب فصل برشگال آتی ہے یہ دریا سیلاب کی شکل پیدا کرتا ہے اور جب اس کا پانی نکل جاتا ہے تو اس دریا کی ہر دو جانب کی اراضی پر کوسوں تک نئی مٹی کی سطح جم جاتی ہے جو زراعت کے حق میں کھاد کا کام کرتی ہے اور جس کے سبب سے پیداوار حسب مراد ظہور میں آتی ہے اس ملک میں پھل بھی بہت قسم کے ہوتے ہیں، بُستانی چیزیں بھی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں یہاں کے اثمار نارنگی، کوکے، لیموں، انجیر، کھجور، بادام، کیلے اور بیر ہیں۔ نباتی چیزوں میں ایک شے ہوتی ہے جسے اہل یورپ پیپرس (Papyrus) کہتے ہیں۔ اس شے سے پہلے پہل کاغذ بنایا گیا تھا انگریزی میں کاغذ کو پیپر (Paper) کہتے ہیں وجہ تسمیہ پیپر کی یہی ہے کہ اس نباتی شے سے شروع شروع بنایا گیا تھا۔ علاوہ اس کے اس ملک میں نیلوفر بھی اقسام طرح کا بکثرت پیدا ہوتا ہے معدنی اشیاء از قسم سونا چاندی وغیرہ نہیں پیدا ہوتی ہیں مگر چند طرح کے پتھر جو عمارت سازی کے کام کے ہوتے ہیں۔ کثیر الوجود ہیں۔ انھیں اقسام سنگ میں ایک سُرخ رنگ کا پتھر دیکھا جاتا ہے جس سے اہرام مصری بنائے گئے ہیں۔ جواہرات میں صرف زمرد پایا جاتا ہے۔ اور اس پتھر کی کانیں اُن پہاڑوں میں دیکھی جاتی ہیں جو ساحل بحیرِ احمر کے قرب

میں واقع ہیں۔ اس ملک کی تجارتی اشیاء دندان فیل آبنوس مشک عنبر شتر مرغ کے پر اور قہوہ ہیں۔ کتب سابقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں مصر اور ہندوستان کے درمیان تجارتی کاروبار جاری تھا اور جناب مسیح علیہ السلام کے قبل اور بعد بھی مصری جہاز ہندوستان کو جاتے آتے تھے مصر کی عمارات کہن بہت قابل لحاظ ہیں سب سے پہلے توجہ طلب وہاں کے اہرام ہیں یہ عمارتیں جو مربع شکل اور نہایت مرتفع ہیں اپنے دیکھنے والوں پر عجیب حیرت پیدا کرتی ہیں جو ان میں سے ارفع ہے وہ قریب پانسو فٹ کے بلند ہے۔ یہ عمارت تعمیر کردہ چیاپس (Cheaps) کی ہے جو فراعنۂ مصر سے ایک قوی بادشاہ تھا اس کے عہد کو قریب چار ہزار برس کا زمانہ گزرا ہوگا اتنے عرصۂ دراز کے بعد بھی یہ عمارت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا آج بنی ہے۔ اہرام مصر کی تعمیر کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل مصر قدیم کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک بعد ممات لاش کی شکل قائم رہتی ہے تب تک رُوح بھی فنا پذیر نہیں ہوتی ہے اس غرض سے مرنے کے بعد وہ اپنے مُردوں کی لاشوں میں ایسی دوائیں جو مانع بوسیدگی ہوتی ہیں داخل کرتے تھے اور ان لاشوں کو محفوظ جگہوں میں رکھتے تھے۔ فراعنۂ مصر بھی جو اس عقیدے کے شریک تھے۔ غرض بالا سے اہرام بناتے گئے تاکہ بعد ممات ان کی لاشیں محفوظ رہیں اسی خیال کی پابندی سے چند بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے یہ عمارتیں جو درحقیقت اُن کے مقابر ہیں تعمیر کیں۔ ان عمارتوں کو دیکھ کر یہ تعجب گزرتا ہے کہ ان کی تعمیر کیونکر ظہور میں آسکی۔ کس واسطے کہ ان کی تعمیر میں اتنے بڑے بڑے پتھر ایسی ایسی بلندیوں پر چڑھائے گئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے کے مصریوں کو جر ثقیل کا اور کوئی علم حاصل تھا باسباب ظاہر یہ

زمانہ کا علم جر ثقیل کسی طرح بکار آمد نہیں ہو سکتا ہے خدا جانے کہ وہ قوم کیسی تھی اور کیا کرتی تھی۔ علاوہ ان عمارات حیرت انگیز کے اُس قوم کے معابد بھی موجود ہیں جن کی عمارتیں اُن احرام کے برابر مرتفع تو نہیں ہیں مگر صناعی کا وہ تماشا دکھلاتی ہیں کہ جو کسی اور ملک کی عمارات کہن کو نصیب نہیں ہے علاوہ ان احرام و معابد کے ایک شہر جس کا نام تھیبس (Thebes) تھا اب ویران پڑا ہوا ہے۔ دس میل کے اندر تک اُس کی عمارتیں مبتلائے بدحالی نظر آتی ہیں۔ اُس کے سیکڑوں سنگی پائے جن پر بڑے بڑے سنگی شہتیر دھرے ہوئے ہیں۔ ابھی تک کھڑے ہوئے ہیں یہ پائے ایک ڈال ہیں اور ان کے طول و عرض و عمق کو دیکھ کر عقل دنگ ہوتی ہے کہ وہ کہاں سے آئے اور کیونکر کھڑے کیے گئے اندر سو میل کے تو کوئی پہاڑ بھی نہیں ہے جہاں سے اُن کا لایا جانا قیاس کیا جائے۔ ان باتوں کو دیکھ کر مضمون قرآنی ذات العماد کا پیش نظر ہو جاتا ہے اور عبرت مجسم آگے آکھڑی ہوتی ہے۔ اے جبارین زمانہ ہوش میں آؤ دیکھو تو وہ کیسی اُمت تھی جس کے آثار اُس اُمت کی گزشتہ قوت و حشمت کو کن حسرتوں کے ساتھ ثابت کر رہے ہیں وہ اُمت کیا ہو گئی اور تم کیا ہو جاؤ گے اس چندروزہ زندگی پر یہ بے اعتنائیاں اگر تم مرتے نہیں تو کیا نہیں کرتے۔ اے متاع دنیا کے خریدارو اگر دولت دنیاوی نے تمہارے دماغ میں خلل پیدا کیے ہیں۔ تو اس شہر ذات العماد کے ویرانوں کی سیر کر آؤ۔ وہاں پہنچ کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کیا ہو اور تمہاری حقیقت کیا ہے۔ تمہاری ثروت کیا اعتبار رکھتی ہے اور تمہارے جاہ و حشم عنقریب کیا ہو جانے والے ہیں ان حیرت انگیز ویرانوں کو دیکھ کر کیا کوئی دنیا پر ناز کر سکتا ہے۔ مصرعہ کہ بسیار کس چوں تو پروردہ گشت

اُس کا دوامی دھندا ہے دنیا کیا اور اس کی ثروت کیا اور اس ثروت پر ناز کیا۔
آں چہ دیر نپاید دلبستگی را نشاید۔ اگر تم کو خدا نے عروج دنیوی بخشا ہے تو سر کو سجدۂ شکر میں ڈالو احسان منعم حقیقی کو مانو تم کو گردن کشی کا کیا موقع ہے تم نے خود کیا کیا ہے کہ جس پر تم کو اس قدر ناز و تبختر ہے اور بالفرض اگر یہ سب کیا دیا تمھارا ہی ہے تمھارے اُس آقا کا نہیں ہے جس نے تم کو معدوم سے موجود کر دیا ہے تو پھر تمھارا عرصۂ زندگی ہی کیا ہے اور اگر زندگی دراز بھی سہی تو زندگی موجود میں کون بڑی خوبیاں ہیں کہ مرد حقیقت بین و عاقبت اندیش کو محو سہو کر ڈالیں۔

لمولفہ

سبب شور و شغف اہل جہاں کا کیا ہے
عمر دو روزہ کو نافہموں نے سمجھا کیا ہے

پوچھیے تارک دنیا سے بُرائی اس کی
کیا خبر طالب دنیا کو کہ دنیا کیا ہے

ہائے بن بن کے بگڑ جاتی ہیں شکلیں کیا کیا
مطلب اس عالم فانی کا خدایا کیا ہے

لذت ہستی و اندازۂ لذت معلوم
اور کچھ روز جئیں اس کی تمنا کیا ہے

دل گرفتہ نہ ہو نا سازی دنیا سے اثرؔ
ہے غلام شہ مرداں تجھے پروا کیا ہے

مصریان سابق کا لٹریچر

واضح ہو کہ ان قدیم مصریوں کے حالات اہل یورپ کی تحقیقات و تفتیشات سے کسی قدر معلوم ہوتے گئے ہیں۔ مگر ان مصریوں کے لٹریچر کی نسبت راقم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے وقت میں بہت کچھ برسر ثروت تھی مگر اس قوم کا لٹریچر ممتاز تشکل نہ تھا جو نوشتے اُن کے اس عہد میں موجود ہیں ان میں اہل یونان و اہل روم کے لٹریچر کی خوبیاں نام کو پائی نہیں جاتی ہیں ان مصریوں کے زوال کے بعد ملک مصر کیانی شاہان ایران کے زیر حکومت

ور آیا پھر اہل یونان کو ہاتھ لگا چنانچہ شہر اسکندریہ جو مصر کے شمالی جزو میں واقع ہے سکندر یونانی کی یادگار ہے یہ سکندر بادشاہ مقدونیہ (Macedon) کا تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصے میں جہان کو زیر و زبر کر ڈالا۔ وفات سکندر کے بعد اُس کے مفتوحہ اور مقبوضہ ممالک اس کے چار میر لشکروں پر تقسیم ہو گئے۔ اُن چار میں ایک شخص بطلیموس لیگیس (Ptolemy Lagus) نامی تھا یہ شخص جو فیلقوس پدر اسکندر کے نطفے سے تھا پہلا یونانی بادشاہ مصر کا قرار پایا پھر اُس سے شاہی خاندان بطلیموس مصر میں جاری ہوا ان بطلیموسوں میں ایک بادشاہ گزرا ہے کہ جس کا نام بطلیموس کلازیوس (Phlamy Chaudas) ہے یہ شخص بہت بڑا عالم ریاضی تھا اور کتاب مجسطی اُسی کی تصانیف سے ہے اسی بادشاہ کا وہ نظام شمسی ہے۔ جو نظام بطلیموس کہلاتا ہے اور جس نظام کی پیروی ہمارے ہندی ملا خرماتے ہیں اور جو کتابیں علم ہیئت کی ہندوستان میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اسی مصری مہندس کے نظام کے مطابق پڑھائی جاتی ہیں۔ ان شاہان مصر کے زمانے میں مصر کا وہی لٹریچر تھا جو اہل یونان کا لٹریچر تھا۔ بعد یونانیوں کے اہلِ روم مالک مصر ہوئے رومیوں کے وقت کا لٹریچر وہی تھا جو رومیوں کا لٹریچر تھا۔ پھر تھوڑے ہی روز ظہور اسلام کے بعد یہ ملک مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اور اس وقت بھی یہ ملک اہل اسلام کے متعلق ہے۔ بعد فتح اہل اسلام کے اس ملک میں اہل اسلام کا لٹریچر جاری ہوا۔ اور اس وقت بھی اسلامی لٹریچر جاری ہے۔ شہر قاہرہ میں جو مصر کا دار السلطنت ہے مدارس اسلامیہ جاری ہیں اور وہاں علوم و فنون کی تعلیم خوش اسلوبی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بہر حال سب سے قدیم شائستگی کے رو سے اہل مصر تھے۔

شاعری مصر سابق

ان کی قدامت کی شریک اگر کوئی قوم تھی تو ہنود سابق تھے جن کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے موقع پر کیا جائے گا۔ ہنود سابق کی شاعری سے محققین بخوبی اطلاع رکھتے ہیں۔ مشاہیر شعرائے ہند کے کلام بکثرت اس وقت موجود ہیں۔ ان کے نام اور ان کے حالات سے ہر تعلیم یافتہ شخص کو اطلاع ہے اور ان کی شاعری اس درجہ کمال کی ہے کہ آج تک شائستہ ترین اقوام دنیا اُن سے حظ وافر اٹھاتی ہیں مگر مصریان بعید العصر کی شاعری سے کسی کو حسب مراد اطلاع نہیں ہے اس قوم کے کسی شاعر کا ذکر فقیر نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا مگر کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں نوشت و خواند کا رواج کسی قدر تھا اور جو قدیم کتابیں اس قوم کے حال میں موجود ہیں اُن سے دریافت ہوتا ہے کہ مصریان سابق قصص و حکایات کا مذاق بہت رکھتے تھے یہ قدیم کتابیں تین ہزار برس سے ادھر کی نہیں ہیں بلکہ بعض اس قدر قدیم ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کے بھی دو ہزار برس قبل لکھی گئی تھیں مگر ان کتابوں سے اہلِ مصر سابق کا مذاق شاعری کچھ دریافت میں نہیں آتا ہے اس قوم کے قصص و حکایات خاص رنگ کے ہیں مگر اُسی رنگ کے کہانی قصے اور اقوام مابعد میں بھی دیکھے جاتے ہیں جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان مابعد اقوام نے مصریان سابق سے اُنھیں لیا ہے۔ بہرحال اس قوم کی شاعری کا کوئی معقول اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے اس واسطے کہ کوئی ایسی کتاب اس قوم کے عہد کی جو اُس کے مذاق شاعری سے خبر دے سکے اقوام جدیدہ تک نہیں پہنچی ہے۔ قیاس راقم ایسا ہے کہ یہ قوم بہت شاعر مزاج نہ تھی۔ اگر کاش ہوتی تو یونانیوں کی طرح کچھ نہ کچھ اپنی شاعری کی ممتاز یادگار چھوڑ جاتی اس

عہد تک جو مصریان سابق کے شاعرانہ کلام پہنچے ہیں وہ بیشتر بھجن وغیرہ ہیں جو اقوام مابعد کے مراتب شاعری کو نہیں پہنچتے ہیں علاوہ ان کلام کے اہل مصر حیوانات کے قصے نظم کیا کرتے تھے یہ منظوم کہانیاں ہم سبھوں تک نامربوط طور پر پہنچی گئی ہیں۔ ان کہانیوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مابعد کے اقوام میں جو حیوانات کی کہانیاں مروج تھیں ان کا ماخذ وہی اہل مصر کی کہانیاں تھیں۔

شاعری اہلِ یونان

بیانِ ملک یونان ملک یونان جسے اہل یورپ گریس (Greece) کہتے ہیں برِ اعظم یورپ کے ملکوں سے ہے اس ملک کی جانب شمال یوروپین ٹرکی (European Turkey) یعنی ملک رُدم جس کا دار السلطنت قسطنطنیہ ہے اور جانب مغرب میں بحیرۂ یونین (Ionian sea) و جزائر یونین اور جانب جنوب میں بحیرۂ مغرب یعنی میڈیٹرینین سی (Medi-terranean sea) اور جانب مشرق میں بحیرۂ ایجین (Aegean sea) واقع ہیں۔ یہ ملک طول میں ۲۱۰ اور عرض میں ۱۶۰ میل ہے۔ اور اس کا مجموعی رقبہ ۱۵۰۰۰ میل ہے۔ مگر اس رقبے میں یونانی جزائر بھی شامل ہیں۔ چونکہ اس ملک کے اردگرد سمندر بیشتر واقع ہے۔ یہ ملک جہاز رانی کی اغراض کے لیے بہت مناسب ہے اس ملک میں بہت کوہ واقع ہیں اور انقباد اس کی جنگی اعتبارات سے ایسی ہے کہ غنیم کو اس ملک میں داخل ہونا دشوار متصوّر ہے۔ صرف ایک راہ

قلب اس ملک میں داخل ہونے کی ہے جس کا نام درّۂ تھرماپیلی ہے اس کا طول پانچ میل ہے اور جہاں یہ درّہ نہایت تنگ ہے عرض میں صرف پچاس گز ہے۔ اسی درّے میں لیانیڈس (Leonidas) بادشاہ یونانی نے تین سو جوان سے ایران کے مور و ملخ لشکر کو روک رکھا تھا یہ واقعہ ۴۸۰ برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور میں آیا تھا اس ملک میں چند دریا اور جھیلیں بھی ہیں۔ آب و ہوا اس ملک کی نہایت معتدل اور روح پرور ہے۔ الا چند ترائیوں کی جو کثرت رطوبت کے سبب سے بغایت بد آب و ہوا ہیں اس ملک کے صحرائی جانور خرس، گرگ، شغال اور آہو ہیں۔ پرورده جانور گدھے، بکریاں اور بھیڑیں ہیں۔ باربرداری کا جانور گدھے کے سوا کوئی نہیں ہے۔ دودھ، دہی، گھی صرف بکری، بھیڑ کے ذریعے سے دستیاب ہوتے ہیں۔ جنگل کی کثرت ہے یہاں کے ممتاز اشجار اوک، پائن، اخروٹ اور چسنٹ ہیں۔ پیداوار زراعتی گیہوں، روئی، ریشم، پشم اور تمباکو ہیں۔ ہر چند یونان ایک زراعتی ملک ہے۔ مگر فی الحال اس کی زراعتی حالت اچھی نہیں ہے۔ عہد قدیم میں یہ شکل زراعت کی نہ تھی۔ کس واسطے کہ اس زمانے کے زراعتی آثار جو تھسلی (Thessaly) اور مقدونیہ (Macedon) میں پائے جاتے ہیں۔ ان سے اس عہد کا فروغ کاشت نمایاں ہے۔ اثمار یہاں کے انجیر، بادام، کھجور، کوئیے لیموں اور خربوزہ ہیں۔ مگر ان سبھوں سے زیادہ یہاں زیتون کی کثرت دیکھی جاتی ہے واضح ہو کہ ملک یونان عہد قدیم میں چند حصوں پر منقسم تھا اور ہر حصے کا ملکی انتظام علیحدہ تھا پہلے ہر حصے میں ایک بادشاہ حکمران رہتا تھا مگر آخر میں تمام حصوں میں جمہوری سلطنتیں قائم ہو گئیں الا مقدونیہ میں کہ جہاں شخصی سلطنت بحالت

خود قائم رہ گئی فیلقوس اسی مقدونیہ کا بادشاہ تھا اور اس کا بیٹا سکندر اعظم ایک بڑا نامی بادشاہ نکلا جس نے اس وقت کی اکثر سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ یہ وہی سکندر ہے جس کا ذکر شاہنامہ میں فردوسی اور سکندر نامہ میں نظامی کرتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اہل یورپ اہل گریس یعنی اہل یونان کو مختلف ناموں سے یاد کرتے تھے۔ مثلاً کبھی ان کو اکیئنس (Achaeans) اور کبھی ارجینس (Argeans) ڈالوپس (Dolopes) ہیلینز (Hellenes) آئی اونس (Ions) معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں اہل گریس آخر نام سے مشہور تھے۔ کس واسطے کہ آئی اونس اور یونانی میں بڑی مشابہت ہے اور حقیقت حال یہ ہے کہ یونان معرب آئی اونیا (Ionia) کا ہے جو جزائر گریس سے ہے۔ ملک یونان ہر چند طول و عرض میں نہایت مختصر ہے مگر علم و فضل عقل و ہنر و شجاعت وغیرہ میں شہرۂ آفاق رہا ہے۔ یہاں کے لوگ ہر فن سے مناسبت رکھتے تھے طباعی اُن پر ختم تھی فلسفہ، منطق، طبابت، ریاضی وغیرہ نے اس ملک میں ظہور کیا۔ علاوہ ان علوم کے شاعری نے بھی یہاں ابتدا کی اور درجۂ کمال کو پہنچی۔ اہل یونان کی نظم و نثر کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل یونان اعلیٰ درجے کا مذاق ادبیہ رکھتے تھے اور ان کے تتبع سے یورپ کی کوئی قوم خالی نہیں نظر آتی ہے ایک عرصے تک اہل یونان برسر ثروت رہے لیکن آخر کار اقبال نے اُن سے مُنہ موڑا۔ اور رومیان سابق اُن پر غالب آئے اور ان کی سلطنتیں برباد ہوگئیں ہر کمالے را زوال و ہر کا عروج ایسا ہی ہوتا ہے لکل شیٔ اذا ما تم نقصانٗ۔ بعد رومیوں کے ۱۴۱۸ء میں ترک عثمانی اس ملک کے مالک ہوئے ان کے قبضے سے بھی یہ ملک ۱۸۱۹ء میں نکل گیا۔

اور یہاں ایک خود سر عیسائی سلطنت قائم ہوئی۔

شاعری اہلِ یونان اہلِ یونان کے عروج کا زمانہ اہلِ مصر کے بعد ہے اس قوم کی شاعری صرف اپنے زمانے ہی پایۂ عالی نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ اس وقت بھی اُس کا وہی رتبہ قائم ہے جو اپنے وقت میں تھا۔ واضح ہو کہ اہلِ یونان کی شاعری کو کسی طرح تتبع سے تعلق نہیں ہے۔ سرزمین یونان میں پیدا ہوئی اور اسی سرزمین میں نشوونما پا کر نہایت سربرآوردہ ہوئی اور اس کا کمال اس درجے کو پہنچا کہ اقوام مابعد کی شاعری کو اس سے برابر فائدہ پہنچتا گیا۔ تتبع یا اعانت بیرونی سے شاعری کیونکر وجود میں آسکتی ہے۔ اس کی مثال اردو کی شاعری ہے کہ شعرائے اردو ہر طرح کے خیالات کو فارس اور بھی کسی قدر عرب کے شعرا سے اخذ کرتے گئے اور آخر کار اردو کی شاعری تتبع کے ذریعے سے ایک موقر رتبے کو پہنچ گئی۔ یہ کیفیت یونانی شاعری کی نہیں ہے شعرائے یونان کسی ملک کے شعرا کے متتبع نہ ہوئے نہ کسی ملک کی شاعری سے خیالات کی اعانت لی اور نہ کسی ملک کی شاعری کا مذاق اختیار کیا۔ اہلِ یونان فن شاعری کے خود موجد ہوئے اور اپنی طبیعت داری سے اس فن کو منتہائے کمال کو پہنچا دیا۔ یونانی شاعری کا کمال اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یورپ کی اقوام مابعد صدہا سال یونانی شاعری کی تقلید کرتی چلی آئیں۔ شعرائے یونان کی رزمی شاعری (Syrees) اُن کی بزمی شاعری (Epnees) اور اُن کے ڈراما (Drama) کو شعرائے مابعد برابر ہدایت نامہ سمجھتے رہے اور حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی شاعری مابعد نے جو کچھ فروغ پایا ہے ان کے فروغ کی بنا یونانی شاعری پر واقع ہے۔ بعد یونانیوں کے رومیوں کا زمانہ آیا۔ رومیوں نے شعرائے یونان کا

تمام تر تتبع اختیار کیا۔ متاخرین شعرائے یورپ بھی اس تتبع سے خالی نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملٹن (Milton) ایسا شاعر بھی اس تتبع سے بری نہیں دکھائی دیتا ہے۔ ملٹن نے اپنی کتاب پیریڈائز لاسٹ کی اتباع ہومیروس کی تقلید کے ساتھ کی ہے اور بہت جگہوں میں اُس کی تصنیف کے اندر ہومیروس کے تتبع کے آثار ہویدا ہیں۔ اب راقم ذیل میں شعرائے یونان کے بعض تصانیف کا ذکر کرتا ہے جس سے کسی قدر اہل یونان کے مذاق شاعری کا اندازہ متصور ہے۔

ہومیروس ۔ یونان کا قدیم ترین شاعر ہومیروس ہے اس کی دو تصنیفیں منظوم آج تک یونانی زبان میں موجود ہیں ایک کا نام ایلیڈ (Illiad) اور دوسری کا نام آڈیسی (Odyssey) ہے۔ یہ دونوں کتابیں انگریزی زبان میں ترجمہ ہو گئیں ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ ایلیڈ کو علم پروران بنگالہ نے بھی اپنی بنگلہ زبان میں ترجمہ کر ڈالا ہے۔ کہاں ہو اے اردو کے خیر خواہو کیا اردو کا لٹریچر ایسا ہی تا قیامت رہے گا اپنی جواری قوم کو دیکھو ستر، اسی برس کے اندر اُس نے اپنے لٹریچر کو ایک مختصر حالت سے موقر درجے کو پہنچا دیا ہے اس وقت کسی قسم کی شاعری نہیں ہے۔ جو بنگلہ زبان میں نہیں ہے۔ افسوس ہم پر کہ ہم جہاں تھے ابھی تک وہیں ہیں - ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے ہیں۔ خیر ہومیروس کے کلام کی عمدگی اُسی شخص کو کامل طور پر معلوم ہو سکتی ہے کہ جو اہل یونان کے مذہب، رواج ملکی عادات قومی طریقہ معاشرت معاملات تمدنی و اخلاق وغیرہ سے واقفیت رکھتا ہے۔ بے اس طرح کی واقفیت کے کوئی شخص کسی ملک کی شاعری کے حسن و قبح کو درک نہیں کر سکتا ہے۔ ہومیروس کے لطف کلام کو بیان کرنے کے قبل ضرور ہے کہ اہل یونان کے

کچھ حالات اور ان کتابوں کے قصے حضرات ناواقف کے مطلع کرنے کی نظر سے بیان کیے جاتے ہیں۔

بیان اہل یونان ۔ واضح ہو کہ اہل یونان خلقت کے رو سے ذہین مدبر جری جفاکش علم دوست گویا طباع اور صناع تھے۔ جس طرح شاعری کا مذاق رکھتے تھے ویسی ہی مناسبت اور فنون سے بھی اُنھیں حاصل تھی۔ فن بت تراشی اور بت سازی کی طرف اُن کو خلقی میلان تھا اور موسیقی کا مذاق بھی خوب رکھتے تھے رفتہ رفتہ اہل یونان نے حکمت و فلسفہ و طب و تمدن میں بھی بڑی شہرت پیدا کی۔ انتظام ملک خوب کرتے گئے۔ قوانین طرح طرح کے ترتیب دیے سپہ داری بڑے قاعدے کے ساتھ کی لشکر آرائی میں یگانہ روزگار نکلے جہاز رانی میں اُس وقت کے حساب سے اچھی دستگاہ حاصل کی مختصر یہ کہ اہل یونان اپنے وقت کے شائستہ ترین لوگ تھے۔ اور ان کے علم و قابلیت کے سامنے اُن کی ہمعصر قومیں سوا اہل ہند کے کچھ وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ مذہب کے رو سے اہل یونان مشرک اور بت پرست تھے اور اس قدر خداؤں کے قائل تھے کہ اُن کے دیوتاؤں کی فہرست طولانی ہے علاوہ اجرام فلکیہ کے طرح طرح کے مذکر اور مؤنث خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ ہر شجر حجر جھاڑ پہاڑ دریا چشمہ کسی نہ کسی دیوتا کا محل قیاس کیا جاتا تھا۔ طرح طرح کی خیالی اشیا پوجی جاتی تھیں۔ طرح طرح کے خیالی جانور مانے جاتے تھے۔ طرح طرح کی پریاں دیو زاد عفاریت داخل عقائد تھے۔ طرح طرح کے جادو کرشمے طلسم جزو معتقدات تھے۔ دوزخ کا وجود تحت الثریٰ سمجھا جاتا تھا بہشت کا مضمون گویا ندارد تھا۔ دیوتاؤں کی یہ کیفیت تھی کہ انسان کی طرح خواہش ہائے نفسانی رکھتے

تھے۔ بعض مذکر خدا کو جورو ئیں بھی تھیں بعض نیر اندازی پر اوقات کرتے تھے۔ کبھی مذکر خدا عورتوں پر تصرف کر بیٹھتے تھے اور اس پیوند سے اولاد بھی ہوتی تھی۔ کبھی مؤنث دیوتا کو نوجوان مرد حسین کا حمل بھی رہ جاتا تھا اور اس طرح کی مواصلت سے جو مجنس لڑکے پیدا ہوتے تھے وہ آدھے دیوتا سمجھے جاتے تھے۔ غرض یہ کہ مذکر و مؤنث ہر دو طور کے خدا لوگ طبیعت داری سے خالی نہ تھے۔ خواہش نفسانی ان کی سرشت میں داخل تھی بلکہ کبھی ان کی خواہش نفسانی کو اس قدر جوش ہوتا تھا کہ اگر کوئی عورت بھیڑ بکری چراتی ہوئی جھاڑ پہاڑ میں مل جاتی تھی تو بالجبر بھی رفع ضرورت کر لیتے تھے اہل یونان خود بھی نسوانی معاملات میں ایک خاص انداز رکھتے تھے گو ان کی عورتیں عموماً صاحب عصمت ہوتی تھیں اور زنا اُن کی قوم میں ایک امر ناروا سمجھا جاتا تھا۔ مگر عورت کی نسبت اُن کے خیالات اہل اسلام اور دیگر اہل کتاب کی طرح نہ تھے اس وقت میں کوئی شائستہ قوم اس دنیا میں نہیں ہے۔ جس میں ایسا رواج ہو کہ جورو قرض دی جاتی ہو۔ مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت ضرورت اہل یونان ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار بہت سے یونانی جوان کسی لڑائی پر گئے اور وہاں اُن کو بہت عرصے تک رہنا پڑا۔ اس غیر حاضری کے نتیجے کو خیال کر کے اُن جوانوں نے بذریعہ پیام سلام کے مناسب انتخاص کے ساتھ جوروں کا میعادی بندوبست کر ڈالا۔ علاوہ ایسے قبیح امور کے یونان کے بعض حصے کے باشندے جورو کو اُس نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ جس نگاہ سے ان کے مابعد کی شائستہ قومیں دیکھتی چلی آئی ہیں۔ اہل یونان چوری کو بھی جرم اُسی وقت سمجھتے تھے کہ جب کسی کی چوری پکڑی جاتی تھی لیکن کوئی ایسی چوری جو پکڑی نہ جائے وہ قابل تحسین و

آفرین سمجھی جاتی تھی۔ اس قدر اہل یونان کے انداز قومی کو لکھ کر اب راقم پہلے ہومر کی ایلیڈ کے قصے کو مختصر طور پر گزارش کرتا ہے اور بعد ازاں آڈیسی کے قصے کو بھی اپنے موقع پر عرض کرے گا۔

قصہ ایلیڈ۔ واضح ہو کہ ایلیڈ کا قصہ بیشتر ایسے مضامین سے تعلق رکھتا ہے جنھیں ابھی راقم نے بالا میں حوالۂ قلم کیا ہے اور اگر پورا قصہ تفصیل وار عرض کیا جائے تو بہت کچھ مضامین بالا سے مطابقت دیکھی جائے گی مگر اس رسالہ مجالہ میں اتنی گنجائش کہاں کہ اس کے بیان کو اس قدر طوالت دی جائے بہرحال ایلیڈ کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ٹرائے (Troy) کہ جس کا دوسرا نام ایلین (Ilion) بھی ہے ایک شہر تھا جو ایشیائے کوچک کے ساحل پر واقع تھا اس شہر کا ایک بادشاہ تھا۔ جسے پرائم (Priam) کہتے تھے۔ بخت و دولت کے علاوہ اس کے پچاس بیٹے بھی تھے ان میں سے ایک شہزادہ جس کا نام پیرس تھا۔ اتفاق وقت سے یونان کے بادشاہ منیلس (Menelaus) کا مہمان ہوا۔ اس بادشاہ کی ملکہ جو ہلن (Helen) نامی تھی حسن میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ اس کے شوہر کی غیبت میں پیرس اسے نکال کر اپنے باپ کے ملک میں لے گیا اور جب واپس دینے پر راضی نہ ہوا تو تمام اہل یونان نے ایک دل ہو کر شہر ٹرائے پر لشکر کشی کی۔ یونانیوں کے سیکڑوں جنگی جہاز ساحل ٹرائے پر آلگے محاصرۂ شہر کے ساتھ ہنگامہ جدال و قتال برپا ہوا۔ یہ شہر قلعہ بندی کے قاعدے سے نہایت مستحکم تھا اس کی شہر پناہ نہایت مضبوط تھی۔ اور سامان جنگ بھی افراط کے ساتھ فراہم تھا۔ علاوہ اس کے پرائم بادشاہ کا پسر اکبر جس کا نام ہکٹر (Hector) تھا بہادری اور شجاعت کے ساتھ معاملات

جنگ سے پوری خبر رکھتا تھا۔ جب لشکر یونان نے محاصرہ کیا اور لڑائیاں ہوتی گئیں تو اہل ٹرائے نے یونانیوں کو بار بار شکست دی۔ یونانیوں کے اس طرح پر مغلوب ہونے کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ ان کا اشجع سردار اکلیز (Achilles) رنجیدہ ہو کر چلا گیا تھا اس سردار کی خلقت مجنس واقع ہوئی تھی کیونکہ اس کا باپ کوئی دیوتا تھا اور ماں نبی آدمؑ سے تھی اس حیرت انگیز آمیزش کے علاوہ اسفندیار کی طرح وہ روئیں تن بھی تھا تیر تبر کسی آلۂ حرب کا اثر اس کے بدن پر نہیں ہوتا تھا بہر حال اس کے ناراض ہو کر چلے جانے سے اہل یونان برابر شکستیں اٹھاتے رہے جس کے سبب سے انھیں بہت نقصانات جانی و مالی لاحق ہوتے گئے۔ مگر آخرکار جب اکلیز واپس آیا تو اس نے لڑائی کے دھارے کو پھیرا۔ اہل ٹرائے کے بہت سرداروں کو مارا ہکٹر بھی اس کے ہاتھ پر کشتہ ہوا۔ اکلیز نے اس کی لاش کو اپنی جنگی گاڑی سے باندھ کر میدان جنگ میں گھسیٹنا شروع کیا۔ مقتول کا بوڑھا باپ اپنے گرامی فرزند کی لاش کی بے حرمتی دیکھ کر اکلیز کے پاس آیا اور نہایت عاجزانہ طور پر اس سے پسر کی لاش مانگی جب پرایم لاش لے کر واپس گیا تو اہل ٹرائے نے بڑی توقیر کے ساتھ اس لاش کو دفن کیا بعد ازاں اکلیز کو پیرس نے مارا ہر چند اکلیز روئیں تن تھا۔ مگر اس کی ایڑی میں کوئی مقام تھا جو عام بنی آدمؑ کی ساخت رکھتا تھا۔ اس راز سے کوئی شخص واقف نہ تھا الا پیرس جس نے اپنی اطلاع کی وجہ سے اس اسفندیار وقت کا کام تمام کیا! بہر حال یونانیوں نے دس برس تک اس شہر کا محاصرہ قائم رکھا اور آخرکار اسے فتح کر کے خاک سیاہ کر ڈالا۔ ایلیڈ میں اس پورے محاصرے کا ذکر نہیں دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ہومیروس کے عنوان بیان سے

اس لشکر کشی کے ماقبل اور مابعد کے بہت سے احوال نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ ہومیروس نے اس قصّے کو شاعرانہ پیرائے میں بہت طول دیا ہے طرفین کے بڑے بڑے بہادروں کے نام درج کیے ہیں اس ہنگامے کی احوال نگاری میں دیوتاؤں کی کمکیں اور اعانتیں بھی بیان ہوتی گئی ہیں۔ طرح طرح کی برّی اور بحری پریاں خیالی جانور اور طرح طرح کے غیر فطرتی معاملات اور بے سروپا معتقدات کے مذکور آتے گئے ہیں۔ اگر سب امور کی تفصیل کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

ہومیروس کی قابلیت شاعری

بہر حال اب ہومیروس کی قوت شاعری کو خیال کرنا چاہیے کہ اس شاعر نادر روزگار نے ایک مختصر تاریخی معاملے کو کس طرح پر شاعری کے پیرائے میں بیان کیا ہے اور اس بیان میں یونانیوں کے پیچ در پیچ معاملات و معتقدات وغیرہ کو کس استادی کے ساتھ پیش نظر کر دیا ہے اگر اس قصّے کی وقعت پر نگاہ کیجیے تو برائے خود یہ ایک مہمل قصّہ ہے اس قصّے میں عظمت و بزرگی و شرافت و نجابت کا مادہ بہت کم ہے نہ یونانیوں کی جانب کوئی بڑی جلالت کی بات دیکھی جاتی ہے نہ اہلِ ٹرائے کی طرف کوئی امر قابل تعظیم پایا جاتا ہے۔ یہ قصّہ ابتدا سے انتہا تک اخلاقی پیرائے سے علیحدہ نظر آتا ہے ابتدا اس کی ایک ایسے شخص کے فعل سے ہوتی ہے جس کی نطرت میں دغا بازی اور محسن کشی داخل تھی اس شخص نے اپنے اُس میزبان کے ناموس پر نظر ڈالی جو غایت تواضع اور مہمان نوازی کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس نے تمام تر اپنے مہمان کی خوش اطواری پر تکیہ کیا تھا یہ مہمان بد توفیق شاہزادہ پیرس تھا۔ جو مرتکب ایسی سخت دغا بازی کا ہوا پھر اُس عورت کے فعل پر لحاظ کیجیے جو اپنے ایک ممتاز اور عمدہ شوہر کو چھوڑ کر ایک مکار بے آبرو بدکار

شخص کے ساتھ نکل گئی یہ ملکہ ہلن بادشاہ مینلس کی جورو تھی جس نے کچھ بھی اپنے بلند پایہ خوش خصال شوہر کی آبرو کا خیال نہ رکھا۔ بہر حال یہاں تک تو یہ قصہ دغا بازی، محسن کشی مکاری، بے حیائی، بد فعلی سے خبر دیتا ہے۔ لیکن آئندہ بھی اس کو دیکھیے تو بہت کم اخلاقی پیرایہ اس کو حاصل ہے۔ چنانچہ جب پیرس اپنے محسن کی جورو کو نکال کر لے گیا تو اپنے باپ کے شہر میں لے گیا۔ باپ صاحب نے بھی یہ طرفہ کام کیا کہ ایسے محسن کش غاصب اور موذی کو اپنے سایۂ عاطفت میں پناہ دی اور وہ نابکار عورت یعنی ہلن ٹرائے کے شاہزادے اور شاہزادیوں میں ہم چشمی کے ساتھ رہنے پائی۔ پیرس کے بھائیوں نے اُس عورت کے داخل خاندان ہونے میں کوئی عذر نہیں کیا الغرض کسی کی نگاہ میں پیرس کی دغابازی محسن کشی اور ہلن کی مکاری بد فعلی قبیح نہیں معلوم ہوئی۔ پیرس کی اس حرکت پر یونانیوں کا باہم متفق ہو کر لشکر آرائی کرنا بہت بجا تھا۔ لیکن اس لشکر کشی سے صرف یہ مراد نہ تھی کہ اہل ٹرائے اپنے حق کو پہنچیں بلکہ یہ بھی مرکوز خاطر تھا کہ وہ ناپاک عورت یعنی ہلن اُس کے شوہر مینلس کو واپس ملے ظاہر ہے کہ ایسی بازیابی زوجہ کی ایک امر نہایت مقدوح ہے۔ کوئی شریف مزاج آدمی اس طرح کی بے وفا، بے آبرو عورت کو واپس لینے کا خیال بھی نہیں کر سکتا ہے لاحول ثم لاحول خیر اہل یونان کی لشکر کشی پر اہل ٹرائے کا فرض منصبی یہ تھا کہ مینلس کی مظلومیت پر خیال کر کے پیرس مع ہلن یونانیوں کے حوالے کر دیتے بالفرض اگر پیرس کو اہل یونان کے حوالے نہیں کرتے تو اُسے نفی بلاد کر ڈالتے اور ہلن کو اُس کے شوہر کو واپس دیتے وہ جس طرح برتاؤ اس بے وفا اور غدّارہ کے ساتھ پسند کرتا کر گزرتا۔ اس کے برخلاف اہل ٹرائے نے پیرس ایسے ظالم اور فاسق کا ساتھ دیا۔ اور

مقاومت کے لیے یونانیوں کے ساتھ جو پایۂ حق پر تھے آمادہ ہوئے اور ناحق کا پلہ اختیار کر کے ایک مدت مدید تک خون خلائق بہاتے رہے اور آخرکار اپنے جان و مال سب کو تباہ کر چھوڑا۔ تماشا ہے کہ اس ہنگامے کے شریک طرفین کے دیوتا بھی ہوتے گئے یہ دیوتا فریقین کے بہادروں کو ہمت دلاتے تھے اور بڑے جوش سے فریقین کو لڑاتے تھے۔ جیسی قوم ہوتی ہے ویسا ہی اُس قوم کے دیوتا بھی ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو یہ دیوتا بھی جو کوئی مذکر اور کوئی مؤنث تھے۔ پیرس اور ہیلن سے طبیعت داری میں کم نہ تھے ان دیوتاؤں کے قصے دیدنی ہیں۔ چونکہ یہ دیوتا آمیزش بنی آدم سے بندے بھی پیدا کرنا جانتے تھے اُن کے جنے آدھے دیوتا مانے جاتے تھے۔ منجملہ ایسے مجنس افراد کے اکلیز بھی تھا جو سرآمد شجاعان یونان سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس کے ہاتھ سے اہل ٹرائے کو بڑے صدمے پہنچتے گئے اگر اس شخص کی شجاعت پر غور کیجیے تو اس کی شجاعت کچھ بھی اخلاقی پیرایہ نہیں رکھتی تھی اس کی مغلوب الغیظی کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے اور اس کی بے رحمی حد سے گزری ہوئی نظر آتی ہے اس کی شجاعت درندوں کی سی تھی انسانیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی تھی۔ اس نے جب ہکٹر کو مارا تو اس کی لاش کو اپنی جنگی گاڑی میں باندھ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ اس بداخلاق کے دل میں یہ بھی خیال نہ گزرا کہ ہم نبرد کشتہ کے ساتھ ایسا فعل کس مذہب میں جائز ہو سکتا ہے اور ہم نبرد بھی وہ کہ جو فی الحقیقت ایک سچا بہادر اور صاحب وقعت شخص تھا۔ المختصر ایلیڈ کا قصہ تو ہر پہلو سے اس طرح کا ناپاک اور مہمل ہے مگر ہومیروس کے حسن طبیعت نے اُس کو عجیب جلوہ دیا ہے کہ بخیال راقم جس کسی نے ایلیڈ کو نہیں پڑھا اُس نے گویا شاعری کا لطف اٹھایا ہی نہیں ہے ایلیڈ

کے پڑھے کوئی شخص بیاس، بالمکی، فردوسی، ملٹن اور میر انیس کا قدردان ہو ہی نہیں سکتا۔ بہرکیف یہ قصہ جو کچھ اخلاقی نگاہ سے بُرا ہو۔ ہومیروس نے زورِ طبیعت سے اُسے ایسا خوب بنا رکھا ہے کہ زبان اُس کی تعریف و توصیف سے قاصر ہے اُس شاعر جادو بیان نے اس نظم مبسوط کی ترتیب میں آبجکٹو (Objective) اور سبجکٹو (Subjective) یعنی خارجی اور داخلی دونوں قسم کی شاعری کا لطف دکھلایا ہے معاملات خارجیہ اور ذہنیہ دونوں کو بڑی تبعیت فطرت کے ساتھ حوالہ قلم کیا ہے اور جہاں جہاں آبجکٹو اور سبجکٹو مضامین کی آمیزش کی حاجت پڑی ہے۔ وہاں عجیب ندرت کے ساتھ دونوں کو مرکب اور ممزوج کیا ہے لڑائیوں کے نقشے ایسے کھینچے ہیں کہ اہل یونان کی سپہ گری اور لشکر آرائی کا زمانہ پیش نظر معلوم ہوتا ہے فریقین کے اشخاص نامی کے انداز مزاج و کردار ایسی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیے ہیں کہ جس سے اعلیٰ درجے کی مردم شناسی کا اظہار متصور رہے۔ جہاں معاملات خارجیہ کو امور ذہنیہ کے ساتھ ترکیب دیا ہے وہاں عجیب پُرتاثیر سماں دکھلایا ہے مثلاً وہ مقام جہاں ہکٹر اور اُس کی زوجہ آپس میں کلام کر رہے ہیں ہکٹر کی زوجہ کا نام اندرومکی (Andromache) ہے۔ یہ عورت علاوہ حُسن و جمال کے نہایت فہمیدہ نیک مزاج اور عفیفہ تھی۔ ایسی عورت کو اپنے شوہر سے جو کچھ تعلق قلبی نہ ہو تھوڑا ہے پھر شوہر بھی کیسا کہ کمالات صوری و معنوی سے بھرا ہو قلم میں اتنی قدرت کہاں کہ ہومیروس کی اس قوت شاعری کی داد دے سکے۔ جو ہکٹر اور اندرومکی کے باخود ہا کی گفتگو سے آشکارا ہے۔ ہومیروس نے ان دونوں کو آپس میں گفتگو کرتے دکھلایا ہے۔ اور اس بیان میں شاعری کے آبجکٹو اور سبجکٹو دونوں پہلو کا خاتمہ کر ڈالا ہے۔ سبحان اللہ

کیا شاعری ہے۔ شاعری نہیں ہے سحر ہے۔ سحر بھی نہیں ہے خدا جانے کیا ہے راقم کو اس قدر موقع حاصل نہیں ہے کہ پورا ترجمہ اُس بیان کا یہاں خدمت ناظرین میں پیش کرے اگر کاش پورا ترجمہ درج ہوتا تو کچھ اندازہ ہومیروس کی جادو بیانی اور شیریں بانی کا ممکن تھا بہر حال کسی قدر ہکٹر اور اندرومیکی کی ہم کلامی کا خلاصہ ذیل میں عرض کیا جاتا ہے جس سے ہومیروس کی مضمون آفرینی خوش مذاقی طباعی اور فطرتی زور شاعری کا ناتمام طور پر اظہار مقصود ہے۔

ہم کلامی ہکٹر و اندرومیکی

جب اکلیز ناراضی کی وجہ سے یونانیوں کو چھوڑ کر میدان ٹرائے سے چلا گیا تو اُس کی غیبت میں اہل ٹرائے یونانیوں پر فتحیاب رہا کئے ہر مقابلے میں یونانیوں پر غالب آتے گئے اور کثرت فتح سے یونانیوں کو ششدر کر ڈالا۔ مگر جب اکلیز واپس آیا اور شریک کارزار ہوا۔ اس وقت سے اہل ٹرائے کو شکست پر شکست ہونے لگی بہر حال چونکہ ہکٹر ایک نہایت بہادر شخص تھا اُس نے کوئی بے دلی ظاہر نہیں کی اور حتی الوسع ٹرائے کے محفوظ رکھنے میں کوشاں رہا۔ مگر یونانیوں کا غلبہ بڑھتا ہی گیا۔ اسی حالت میں کہ ٹرائے پر مغلوبیت غالب تھی۔ ہکٹر اپنے محل کی طرف گیا اور اپنی زوجہ کو تلاش کیا۔ اندرومیکی کو محل میں نہ پایا تو تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچا جہاں وہ تھی وہ ٹرائے کے لشکر کی بدحالی کو دریافت کرکے ٹرائے کے ایک دروانے پر جس کا نام البلین تھا کھڑی ہوئی بڑے تعلق خاطر کے ساتھ انداز جنگ کو تجویز کر رہی تھی اس کے ساتھ ایک دایہ بھی تھی جس کی گود میں ایک طفل شیر خوار تھا اور جو بطن اندرومیکی سے ہکٹر کا پسر اصغر تھا۔ اس جگہ زن وشو میں ملاقات ہوئی تو ہکٹر کے جنگی خیالات اُس آن میں

محبت و شفقت کے ساتھ مبدل ہو گئے مگر جو واقعہ ہکٹر کو پیش آنے کو تھا اندرومیکی کی آنکھ میں پھر گیا اور دل کے بھر آتے با چشم نم اُس نے شوہر سے یوں خطاب کیا۔ کہ اے شہزادے تو بے حد دلیر ہے تجھ کو زن و فرزند تک کا خیال نہیں رہتا ہے۔ اس طرح کی شجاعت شعاری طول عمر سے خبر نہیں دیتی ہے کیا تجھے نہیں معلوم ہے کہ تیرے مرنے سے ہم بیوہ اور یہ لڑکا یتیم ہو جائے گا تیری صفات حمیدہ ترے قتل کا سبب ہوں گی تو بڑا بہادر ہے مگر جب تک تجھ سے دلیران یونان فرداً فرداً جنگ آزما ہوئے ہمیشہ مغلوب رہے اب سب کے سب ایک بار یورش کرنے لگے اس طرح کی یورش میں تو تیری جانبری دشوار نظر آتی ہے اے دیوتاؤ قبل اس کے کہ میرے ہکٹر پر ایسا واقعہ گزرے مجھے تم اٹھالو کہ مجھے ایسا روزِ سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہو اگر ایسا واقعہ تجھ پر گزرا تو میری زندگی جس تلخی کے ساتھ شروع ہوئی تھی اُسی تلخی کے ساتھ ختم ہو گی۔ اب نہ میرے باپ ماں ہیں اور نہ کوئی بھائی۔ میرا باپ تھیبس (Thebes) کا بادشاہ تھا۔ اسی اکلیز نے اُس کا اور میرے بھائیوں کا خاتمہ کیا جس غم میں میری ماں بھی مر گئی ابھی تک تو ہم کو یہ تشفی کی صورت ہے کہ میرا ہکٹر زندہ ہے اسی ہکٹر میں باپ ماں بھائی عزیز اقارب سب کے بدل کی شکل پیدا ہے اگر کہیں اے ہکٹر تو مارا گیا تو یہ سب عزیزاں میرے دوبارہ سرِ نو سے مارے جائیں گے تیرے زن و فرزند سب کے سب اُس وقت تیرے درد کے شریک ہیں تو ہم لوگوں کا حق ادا کر اور میدان جنگ میں جانے کے عوض شہر پناہ کے اُس حصے کی محافظت کر جہاں تو دیکھتا ہے کہ ایک انجیر دشتی کا درخت قائم ہے اُس جانب بار بار یونانی افواج حملہ آور ہوا کی ہے اور ہو رہی ہے بڑی مصلحت ہے

کہ تو اندر شہر پناہ کے رہ کر شہر کی محافظت کرے اپنی بیگم کی اس گفتگو کو سُن کر ہکٹر نے جواب دیا کہ ہم اُس جانب کی شہر پناہ کی حفاظت کریں گے اور نہ اُسی کی بلکہ جتنے معاملات جنگ ہیں سب پر اپنی توجہ مبذول رکھیں گے اس وقت میدانِ جنگ سے میر اکنارے رہنا ہمارے آبائی نام ونشان کے منافی ہوگا اس میں ٹرائے کی سخت بے آبروئی متصور ہے ہم نے بچپن سے فوجی تعلیم پائی ہے جدال وقتال کی زحمت میرے سامنے کیا ہے ہماری شجاعت ہم کو میدان جنگ کی طرف کھینچ کر لیے جاتی ہے اور یہ ہمارا فرض منصبی ہے کہ ہم اپنے باپ اور اپنی اولوالعزمی کی شہرت کو قائم رکھیں۔ اگر میرے نصیب میں مارا جانا ہے تو کوئی ہم کو موت سے بچا نہیں سکتا ہے۔ مگر اس بات کو خیال کرکے البتہ دل بھر آتا ہے کہ ٹرائے برباد ہو جائے گا۔ اُس کے شجاع مارے جائیں گے اور اس کے جلال وثروت کا خاتمہ ظہور میں آئے گا۔ ہم اپنے بوڑھے باپ ماں کی مصیبتوں کو بھی خیال کرتے ہیں مگر میرے غم کی حد اُس وقت کچھ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہمارے بعد تو گروہ اُساریٰ میں داخل ہوگی تو لرزاں نالاں گریاں رہے گی اور تجھے اعدا کشاں کشاں لے جائیں گے اسیری کی حالت میں دشمن تجھ سے چرخہ کتوائیں گے کپڑے بنوائیں گے۔ اور ان کپڑوں پر ان لڑائیوں کی تصویریں کشیدہ کرائیں گے اور جو آلام کہ ہم پر گزر رہے ہیں اور جن آلام کی تو شریک اعظم ہو رہی ہے ان سب معاملات اندوہ و غم کے سمائل تجھ کو منقش کرنے کو کہیں گے تجھ سے پانی بھی بھروائیں گے اور جس وقت تو ایسی سخت زندگی کے بار کے تلے کراہے گی۔ اعداطعن سے پکار پکار کر کہیں گے کہ دیکھو دیکھو ہکٹر قوی پنجہ کی یہی جورو ہے۔ اس طور پر جب

کوئی اہلِ یونان سے ہمارا نام لے گا تو اس وقت تجھ پر کیا گزرے گی۔ ثروت گزشتہ تجھے یاد آئے گی اس وقت تجھے شرم پیدا ہو گی۔ ہزار رنگ سے غم و الم تیرے سامنے آ کھڑے ہوں گے۔ اپنی یہی دعا ہے کہ ہکٹر کو ایسا دن دیکھنا نصیب نہ ہو اور ایسا ہی ہو گا کہ اے اندرومیکی تیرا ہکٹر اس وقت کے کب نہ پہلے خواب عدم میں آرام کر چکے گا۔ راقم اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتا ہے۔ حضرات ناظرین اس قلیل سی ہومیروس کی جادو بیانی کا موازنہ فرمالیں کہ یہ شخص کس درجے کا شاعر تھا۔ اہلِ یورپ اسے ابوالشعرا ایسے وجہ نہیں کہتے ہیں۔ اوّل تو یورپ میں اس شاعر کے پہلے کوئی شاعر نہیں گزرا۔ دوم یہ کہ اس کی شاعری اس درجے کی ہے کہ اُس تک کم کسی شاعر رزمی کی شاعری پہنچی ہے اگر سچ پوچھیے تو ہومیروس کی خوبیوں کو ورجل، فردوسی اور ملٹن بھی نہیں پہنچتے ہیں شعرائے ہنود میں بیاس اور بالمکی البتہ جواب ہومیروس کا ہیں۔ اور بدانست راقم ہومیروس سے مرجح اگر کوئی شاعر ہے تو میر انیس ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان اساتذہ کا ذکر آتا ہے۔ جس سے راقم کے قول بالا کی تصدیق ہو جائے گی۔

ہومیروس کی دماغی قوت

راقم نے جس قدر ایلیڈ کی نسبت مضامین بالا میں درج کیے ہیں اُن سے ہومیروس کی شاعری کا اندازہ پورے طور پر نہیں ہوتا ہے۔ مگر حضرات ناظرین معاف فرمائیں گے اس لیے کہ اس سے زیادہ اس رسالے میں گزارش کا موقع حاصل نہ تھا بہر حال کتاب ایلیڈ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہومیروس شاعرانہ صلاحیت کے ساتھ بہت وسیع اور قوی دماغ رکھتا تھا اسی قوت دماغی کی بدولت اس شاعر نے ایک نامحمود قصے کو بڑی خوب صورتی

کے ساتھ حکمت آموز پیرایہ بخشا ہے بلاشبہ اُس نے اس قصّے کے معائب سے خوبیوں کی شکلیں پیدا کی ہیں ایک کم صلاحیت شاعر اس قبیح قصّے کو اقبح شکل بنا ڈالتا واقعی ہومیروس نے یہ بڑا کمال دکھلایا ہے کہ ایک بڑے قصّے کو باوجود لاحق رہنے مذہبی تمدنی اور اخلاقی نقصانات کے اس قدر صاف اور پاکیزہ صورت بخشی ہے ایلیڈ ایک بڑے بکھیڑے کی کتاب معلوم ہوتی ہے اس کی پریشانی خیالات کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے یہ ہومیروس ہی کا کام تھا کہ اس نے اس قدر اُلجھے خیالات کو سلجھایا ہے اور نامربوط غیر منتظم مضامین میں ربط و نظم پیدا کیا ہے۔ ہومیروس کی شاعری کی تعریف میں یہی کہنا بس ہے کہ یورپ کے مابعد کے شعرا کے لیے ہومیروس خضر راہ ہوا ہے اور واقعی ایسا ہی ہے کہ ہر پہلو سے ایلیڈ کی شاعری اُستادی کا جلوہ دکھلاتی ہے۔

قصّہ آڈیسی ۔ ہومیروس کی دوسری تصنیف جس کا نام آڈیسی (Odyssey) ہے۔ ایلیڈ کے بعد لکھی گئی تھی ہرچند یہ کتاب بہت کچھ لطف شاعری رکھتی ہے مگر ایلیڈ کے پایۂ شاعری تک نہیں پہنچتی ہے۔ آڈیسی کا قصّہ بھی بجائے خود مربوط اور منتظم انداز کا نہیں ہے مگر ہومیروس کی شاعری نے اُسے بہت کچھ قابل توجہ بنا ڈالا ہے۔ آڈیسی میں یولیسس کا قصّہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہنگامہ ٹرائے کے بعد جب یولیسس (Ulysses) اپنے جزیرہ آئی تھاکا (Ithaca) کو جس کا وہ بادشاہ تھا واپس آنے لگا تو اُس کو عجیب پریشانیاں اور سرگردانیاں نصیب ہوتی گئیں۔ سات برس تک وہ جزیرہ اوجیجیا (Oggeja) میں ایک دریائی پری کا جس کا نام کیلیپسو (Calypso) تھا قیدی رہا اس عرصے میں اُس کے اہلِ وطن نے یہ سمجھا کہ یولیسس فوت ہوگیا اور اس قیاس کی بنیاد پر

اُس کی زوجہ پینیلوپ (Penelope) سے بیاہ کرنے کے لیے تو اُسے زیادہ اشخاص نے آمادگی ظاہر کی ان خواستگاران ازدواج میں ہمیشہ باہم جھگڑے برپا رہتے تھے اور پینیلوپ کا گھر دارالفساد ہو رہا تھا یہاں تک کہ قید ہفت سالہ کے بعد یولیسس آ پہنچا اور تمام مفسدوں کو ہلاک کر کے اپنے گھر کو فتنہ و شر سے پاک کر ڈالا مختصر قصہ آڈیسی کا یہی ہے اس میں بھی دیوتا اور پری کے بیانات دیکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایلیڈ میں ایسے بیانات بکثرت موجود ہیں خیر یہ قصہ جو کچھ نامربوط یا نامطبوع رنگ رکھتا ہو۔ مگر ہومیروس کی شاعری نے اس کو بھی نہایت دلچسپ پیرایہ بخشا ہے اور لاریب یہ کتاب بہت کچھ اہل فن کی توجہ کے قابل ہے۔

واضح ہو کہ ایلیڈ کی شاعری رزمی انداز رکھتی ہے جیسا کہ دیگر شعرائے یورپ مثلاً ورجیل (Virgil) ملٹن (Milton) یا ایشیائی شعرا مثلاً فردوسی، میر انیس بیاس و بالمیکی رزمی شاعری کا جلوہ دکھلاتے گئے ہیں۔ ان رزمی شعرا کے حالات اور ان کے کلام کے مذکور آئندہ آئیں گے۔ مگر یہاں چونکہ یونانی شعرا کا ذکر پیش ہے اور یہ یونانی شعرا کوئی رزمی اور کوئی بزمی اور کوئی ڈراما نگار (Dramatists) گزرے ہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ کچھ ان اقسام شاعری کا بیان سر دست کیا جائے۔

بزمی شاعری مشتمل لیرکس یعنی غزل سرائی

پس جاننا چاہیے کہ ان شاعریوں سے ایک قسم شاعری کی ہے۔ جسے لیرکس (Lyrics) کہتے ہیں اس قسم کو فارسی اور اردو کی غزل سرائی سے اک گونہ مناسبت ہے۔ بلکہ درحقیقت جو تقاضا اہل یورپ کے لیرکس کا ہے وہی ہم لوگوں کی غزل سرائی اور تمام دنیا کی اُس شاعری کا ہے جسے لگاؤ میں سرائیدن کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جاننا چاہیے

کہ لیرکس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں ایسے مضامین داخل رہیں کہ جو داخلی یعنی سبجکٹو (Subjective) انداز رکھتے ہیں اور اگر خارجی (Objective) رنگ رکھتے بھی ہوں تو داخلی انداز سے آمیزش پائے ہوں اگر لیرکس میں شاعر اس آمیزش کے ساتھ خارجی مضامین کو حوالۂ قلم نہ کرے گا تو اس کا کلام بے مزہ ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ بعض فارسی اور اُردو شعرا کی غزل سرائی مطبوع نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ایسے غزل سراؤں نے برخلاف تقاضائے غزل سرائی مضامین خارجی کو بلا آمیزش رنگ داخلی اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ جس کے سبب سے اُن کی اکثر غزلیں روکھی سوکھی درد سے خالی بے اثر اور محض بے کیف معلوم ہوتی ہیں۔ لیرکس اور غزل سرائی کے لیے ضرور ہے کہ واردات قلبیہ اور پُرتاثیر امور ذہنیہ حوالۂ قلم کیے جائیں۔ اس طرح کی شاعری کے لیے شاعر کو اپنا عالم درونی کافی ہوتا ہے اُسے کوئی حاجت نہیں ہے کہ اپنے احاطۂ ذہنیہ سے باہر جائے اُس کا خاص ہی اُس کی دنیا ہوتا ہے اسی کے اندر وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور جو کچھ دل کی آنکھ سے دیکھتا ہے اُسے حوالۂ قلم کرتا ہے جتنے اس کے کلام ہوتے ہیں اُس کے واسطے کلیات کا حکم رکھتے ہیں گو اُس کے وہ کلام کلیات کے طور پر دیگر افراد انسانی کے امور ذہنیہ اور واردات قلبیہ پر بھی صادق آئیں بالمختصر لیرکس یا غزل سرائی کو عالم خارج سے بہت کم تعلق ہے اس کی شاعری شخصی انداز رکھتی ہے یعنی جو کچھ شاعر پر گزرتی ہے یا جو کچھ اس کی واردات قلبیہ ہوتی ہیں اُنھیں کو قلم بند کرتا ہے۔ اور شروع سے آخر تک اُس کا کام یہ ہے کہ خود سرائی کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور جو کچھ موزوں کرے اس میں اپنے کو نہ بھولے اپنے تشخص پہ غیر تشخص کو قائم نہ کرے ورنہ اس کا کلام بے تاثیر ہوگا اسی صلاحیت کی بدولت حافظ، خواجہ

میر درد، میر تقی، مومن اور غالب کے کلام اس قدر پُر تاثیر دیکھے جاتے ہیں اگر یہ شعرا اپنی ذاتی واردات قلبیہ کو نہیں تحریر کیے ہوتے تو اس قدر اُن کے کلاموں میں مقبولیت نہ ہوتی ان شعرا کا ایک ایک مصرع بول اُٹھتا ہے کہ میں حافظ ہوں۔ میں درد ہوں۔ میں میر ہوں۔ میں مومن ہوں۔ میں غالب ہوں۔ فطرت نے اُن کو اور اُن کے ایسے شعرا کو غزل گو بنانے کے وقت اُن کے کانوں میں غزل گوئی کا گر ان لفظوں میں سکھلا دیا تھا کہ غزل سرائی کا دوسرا نام خود سرائی ہے

تقاضائے رزمی شاعری برخلاف اس کے رزمی شاعری یعنی ایپک (Epic) ہے کہ جس میں شاعری کو اپنی ذاتی حیثیت سے بہت کنارے ہونا پڑتا ہے اور کلیات سے جزئیات کی طرف رجوع لانا پڑتا ہے۔ ہم لوگ ایشیائی اہل اسلام میں یہ شاعری بیشتر مثنوی کی شکل میں دیکھی جاتی ہے۔ جیسے شاہنامہ فردوسی، سکندر نامہ نظامی، حملہ حیدری وغیرہ یا بندات کی صورت میں جیسے بندات مراثی میر انیس و مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہما فی الجنہ بہر حال ایپک شاعری میں شاعر کو جس قدر مضامین عالم خارج سے لینا ہوتا ہے۔ اُسی قدر اسے عالم درونی سے بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ پھر دونوں کی آمیزش بھی اُسے کرنا ہوتا ہے۔ مختلف افراد انسانی کے جیسے شخصی تقاضے ہوتے ہیں اُنھیں ملحوظ رکھنا رزمی شاعر کا کام ہے رزمی شاعری اسی کی متقاضی ہوتی ہے کہ شاعر خودی کو جہاں تک ممکن ہو بھول جائے اور اپنے شخص پر غیر اشخاص کو قائم کرے جیسا کہ ہومر وس نے ایلیڈ میں تمام تر اپنے کو اپنی ذاتی حیثیت سے کنارہ کیا ہے اور جتنے اشخاص کا ذکر کیا ہے ان کے جزئی اور مختص حالات درونی و بیرونی کو قلمبند کیا ہے یعنی ہر شخص کی تصویر جیسی درکار تھی کھینچی ہے مثلاً اگر اکلیز کو بیان کیا ہے

تو معلوم ہوتا ہے کہ اکلیز ایک شخص محض علیحدہ انداز کا یولیسس وغیرہ سے ہے۔ اور جہاں ہلن کو بیان کیا ہے تو وہ انڈرومیکی سے بالکل ایک جدا انداز کی عورت معلوم ہوتی ہے اسی طور پر ہر خاص شخص کے خاص معاملات کو اس طور پر دکھلایا ہے کہ وہ معاملات خواہ درونی اور خواہ برونی ہوں سوا ایک شخص خاص کے دوسرے شخص پر صادق نہیں آتے ہیں اس طرز بیان کو کیریکٹر نگاری کہتے ہیں کیریکٹر (Character) زبان انگریزی میں ایسے طور اطوار کو کہتے ہیں جو ایک شخص کو دوسرے شخص سے ممیز کرا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی کیرکٹر نگاری ہے جس نے میر انیس کی شاعری کو بے حد ممتاز بنا رکھا ہے یہی کیرکٹر نگاری ہے کہ جس نے بالمکی اور بیاس کو مشہور عالم کیا ہے اور یہی کیرکٹر نگاری ہے کہ جس کی عدم موجودگی سے فردوسی کی شاعری ہومر دسس ورجل، ملٹن، بیاس، بالمکی اور میر انیس کی شاعری کو نہیں پہنچتی ہے۔

ڈراما۔ واضح ہو کہ ہومر دسس کی کیرکٹر نگاری اس درجے کی نظر آتی ہے کم جو نہایت اعلیٰ درجے کی ڈراما نگاری کے لیے درکار ہے ڈراما (Drama) بزبان انگریزی ناٹک کو کہتے ہیں یہ ایک نہایت اعلیٰ قسم کی شاعری ہے۔ رزمی شاعری اور ڈراما کی شاعری میں فرق یہی ہے کہ رزمی شاعری سے زیادہ ڈراما کی شاعری میں جذبات معاملات انسانی کا لحاظ رکھنا درکار ہوتا ہے اور افراد انسانی جو کسی ڈراما سے متعلق ہوتے ہیں ان کے پورے کیرکٹر کو اُن کے ہر جزوی افعال و اقوال کے مطابقت کے ساتھ حوالۂ قلم کرنا ہوتا ہے علاوہ اس کے رزمی شاعری میں شاعر کسی قصّے کو بسبیل نقل حکایت بیان کرتا ہے اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے اُس قصّے کے افراد انسانی کے کیرکٹروں کو ملحوظ رکھ کر اپنے بیان کو جلوہ دیتا ہے۔ ڈراما میں وہی قصہ بسبیل نقل و حکایت نہیں بیان ہوتا ہے۔ بلکہ وہی افراد انسانی

جو اس قصّے سے متعلق رہتے ہیں تا وسعت تعلق ذاتی اپنے اقوال و افعال سے۔ اُس قصّے خود بیان کرتے ہیں۔ قوت تخئیل سے شاعر اپنے کو ہر فرد۔ کا قائم مقام بناتا ہے اور جیسے وہ افراد ہوتے ہیں ویسا ہی اپنے کو قولاً و فعلاً دکھلاتا ہے۔

غرض ڈراما۔ غرض ڈراما یہ ہے کہ انسان کو اعلیٰ درجے کی تعلیم نصیب ہو وعظ موعظت سے بھی وہ کام نہیں نکل سکتا ہے۔ جو اس شاعری سے ظہور میں آسکتا ہے۔ شاعر ڈراما نگار کا یہ کام ہے کہ کوئی ممتاز قصّہ حکایت یا واقعہ اس طرح بیان کرے جیسا کہ فطرت اس کے بیان کی متقاضی ہے تاکہ اُس کے بیان سے معاملات عالم کا فطری انداز ہویدا ہو سکے۔ ڈراما منتہائے شاعری ہے اور کوئی شخص ڈراما نگار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جزئیات معاملات دنیا سے فطری اصول کے ساتھ باخبر نہ ہو ڈرامے کے لیے قصّے یا حکایت یا واقعے کا اس قدر اہم ہونا ضرور ہے کہ وہ معمولی حیثیت کے معاملات سے ارفع ہو اور خاتمہ اس کا کوئی نتیجہ معقول جو خواہ مسرّت خیز اور خواہ الم انگیز ہو پیدا کر سکے۔

کامیڈی۔ جو ڈراما مسرّت خیز نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ اُسے بزبان انگریزی کامیڈی (Comedy) کہتے ہیں اس کی مثال شیکسپیر کا وہ پلے (Play) ہے جس کا نام کامیڈی آف ایررس (Comedy of Errors) ہے۔ پلے بزبان انگریزی ایک ایسے پورے قصّے کو کہتے ہیں جو بشکل ڈراما لکھا گیا ہو۔

ٹریجیڈی۔ اس خاص پلے کا خاتمہ مسرّت و انبساط پر ہوا ہے۔ لیکن وہ ڈراما جس کا نتیجہ الم خیز ہو اُسے بزبان انگریزی ٹریجیڈی (Tragedy) کہتے ہیں اس کی مثال شیکسپیر کا وہ پلے ہے جس کا نام ہیملٹ (Hamlet) چونکہ زبان عربی و فارسی میں ڈراما نگاری نہیں دیکھی جاتی ہے اس واسطے کوئی مثال کسی

پہلے کی پیش نہیں کی جا سکتی ہے۔

اسلامی شعرا میں عدم ڈراما نگاری

افسوس ہے کہ یہ صنف شاعری ایشیائی مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی ہے۔ علاوہ افسوس کے بہت جائے تعجب ہے کہ اہل اسلام نے یونان کے تمام علوم و فنون کو اختیار کیا مگر ان کی شاعری کی طرف توجہ نہیں کی اگر کرتے تو ضرور یونانی ڈراما نگاروں کے طریقۂ شاعری کو اختیار کرتے اس عدم توجہ کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب اپنے کو معاملۂ شاعری میں کسی قوم سے کم نہیں سمجھتے تھے اس واسطے غیر قوم سے اکتساب شاعری کو بے کار جانا یا یہ کہ چونکہ اہل اسلام اہلِ یونان کے مذاق بت پرستی سے بہت دور تھے اور اہلِ یونان کی شاعریاں اس مذاق سے مملو تھیں۔ انھوں نے یونانی شاعری کی طرف توجہ کرنا خلاف مصالح مذہبی سمجھا خیر جو سبب ہو جب اہلِ عرب نے معاملۂ شاعری میں کسی طرح کی اعانت بیرونی کو روا نہ رکھا تو اہلِ فارس نے بھی اپنے ملکی انداز شاعری پر قناعت کی پھر بے چاری اردو جو فارسی کی محض متتبع ہے کیا انحراف ورزی اختیار کرتی۔ اہلِ اسلام کا ڈراما نگاری کو اختیار نہ کرنا افسوس انگیز امر ہے بلاشبہ انھیں اس صنف شاعری کے اختیار کرنے کا موقع برابر ملتا گیا اس پر بھی وہ اس کی طرف مائل نہ ہوئے۔ اول تو انھیں علوم یونان سے سابقہ پڑا۔ دوم یہ کہ اہلِ اسلام ہندوستان میں آئے اور حکمران ہندوستان ہو کر ہندوؤں سے شیر و شکر ہوئے اور ان کے محصل اور ممتاز اشخاص جیسے فیضی اور عبدالرحیم خان خاناں اور علامہ بدایونی وغیرہ علوم سنسکرت سے بہرہ مند ہوتے گئے اس پر بھی ان میں سے کسی نے ڈراما نگاری کی طرف توجہ نہیں کی۔ حالانکہ سنسکرت کی ڈراما نگاری اس درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ اہلِ یونان کی ڈراما نگاری کا جواب ہو رہی تھی بلکہ اس سے

بھی نشیا نمایہ بڑھی ہوئی تھی اور اس لیے بلا گفتگو بہت قابل توجہ متصور رہتی لاریب اہل اسلام اس صنف شاعری کو رواج دینے کے موانع برابر پاتے گئے مگر افسوس ہے کہ کسی عہد ماضی میں اس کی طرف مائل نہ ہوئے اگر کاش اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کیے ہوتے تو اس وقت اسلامی شاعری اہل یونان اہل روم یا اہل ہند کی شاعری سے بلند پائیگی میں کم نہ ہوتی بہر حال جائے مسرت یہ ہے کہ اب ملک ایران میں ڈراما نگاری کی ابتدا ہوئی ہے خوب ہو اگر شعرائے حال کے اس صنف شاعری کی طرف متوجہ ہوتے سے فارسی کی شاعری کا تکملہ ظہور میں آئے۔

ایران میں ابتدائے ڈراما نگاری

واضح ہو کہ ڈراما نگاری کے بغیر کسی زبان کی شاعری رتبۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے اگر اہل فارس کو ڈراما نگاری کا مذاق پیدا ہوا تو امید قوی ہے کہ شعرائے فارسی کی نامطبوع مبالغہ پردازیاں بھی رخصت ہو جائیں گی کس واسطے کہ ڈراما نگاری میں تبعیت فطرت کی بڑی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ تبعیت فطرت منافی مبالغہ پردازی ہے فارسی کی شاعری جو مبالغہ پردازیوں کے باعث معیوب ہو رہی ہے نہایت اصلاح کی حاجت رکھتی ہے اس کی اصلاح ڈراما نگاری کے بغیر غیر ممکن الوقوع ہے۔ خیر اگر اب بھی اہل اسلام ڈراما نگاری کی طرف میل فرمائیں تو بہت غنیمت ہے اس وقت تک کی ان کی ناتوجہی بہت حیرت خیز امر ہے۔ جاننا چاہیے کہ ڈراما نگاری شاعری کا خاتمہ ہے۔

شعرائے سنسکرت کی ڈراما نگاری

زبان سنسکرت میں ڈراما نگاری ایسے اعلیٰ درجے کی دیکھی جاتی ہے کہ بہت محققوں کی یہ رائے ہے کہ اب تک کسی قوم نے چہ ماضی و چہ حال

اس صنف شاعری میں اس کے برابر ترقی نہیں کی ہے یورپ میں بلکہ تمامی دنیا میں شیکسپیر شاعر انگلستان بہترین ڈراما نگار سمجھا جاتا ہے اور واقعی اس کی ڈراما نگاری کچھ ایسے الہامی درجے کی معلوم ہوتی ہے کہ اُس کے کمالات کو دیکھ کر عقل انسانی مبتلائے حیرت ہوتی ہے مگر اب بعد تحقیق ایسا معلوم ہونے لگا ہے کہ زبان سنسکرت کا ڈراما نگار شاعر کالی داس یا شیکسپیر کا ہم پہلو ہے یا شیکسپیر سے بھی بلند تر رتبہ رکھتا ہے۔ اسی سے سنسکرت کی شاعری کے رُتبے کو قیاس کرنا چاہیے کہ اس زبان میں کالی داس سا ڈراما نگار دیکھا جاتا ہے اور بیاس مصنف مہابھارت اور بالمکی مصنف رامائن سے رزمی شاعر پائے جاتے ہیں بخیال مؤلف کسی زبان میں سنسکرت سے بہتر شاعری نہیں دیکھی جاتی ہے خاص کر ڈراما نگاری کہ کہیں جواب نہیں رکھتی ہے اُس کی رزمی شاعری کا بھی جواب کمتر نظر آتا ہے ہومر اور ملٹن بیاس اور بالمکی کے پورے جواب نہیں ہیں ہاں اگر کوئی شاعر جواب میں پیش کیا جاسکتا ہے تو میر انیس ہیں کاش اگر کوئی ڈراما نگار اردو کا شاعر اسی درجے کا جس درجے کے میر انیس رزمی شاعر گزرے ہیں زبان اُردو میں ظہور کیے ہوتا تو لاریب دنیا میں سنسکرت کی شاعری کے بعد اُردو ہی کی شاعری کا درجہ ہوتا اس صنف شاعری کی معدومی سے عربی، فارسی اور اردو کی شاعریاں ناتکمل حیثیت رکھتی ہیں۔

فارسی اور اُردو کی مثنویاں جو کامیڈی اور ٹریجڈی کا پیرایہ رکھتی ہیں

بالمختصر معدومی ڈراما نگاری سے کامیڈی اور ٹریجڈی کی مثالیں ڈرامے کی صورت پر عربی، فارسی اور اردو کی شاعریوں سے پیش نہیں کی جاسکتی ہیں لیکن کامیڈی اور ٹریجڈی کے انداز کو سمجھانے کے واسطے بعض مثنویوں کا بیان ذکر کیا جاتا ہے۔ جو اگر بوضع ڈراما

لکھی جاتیں تو کامیڈی اور ٹریجیڈی کی شکلیں پیدا کرتیں مثلاً مثنوی یوسف زلیخا کہ جس میں ایک ایسے قصّے کا بیان ہے کہ جس کا نتیجہ مضامین مسرّت انگیز پر مشتمل ہے یعنی وہ قصّہ پہلے حضرت یوسفؑ کی پریشانیوں کو اور حضرت یعقوبؑ کے مبتلائے رنج و آلام ہونے کو بیان کرتا ہے اور آخرکار حضرت یوسفؑ کے ثروت کو پہنچنے اور حضرت یعقوبؑ کے ملنے سے خبر دیتا ہے ایسا قصّہ کہ جس کا خلاصہ یہ ہو کہ

پیرے بود پسرے داشت گم کردہ بود باز یافت

سوا مسرّت انگیز ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے اسی پر مثنوی میر حسنؔ کے قصّے کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ وہ بھی ایک پیرائے خاص میں حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کا قصّہ ہے اور اسی لیے اس قصّے کا خاتمہ بھی خوشی اور مسرّت پر ہوتا ہے بخلاف اس کے قصّۂ شیریں و فرہاد ہے جو پوری شکل ٹریجیڈی کی رکھتا ہے اور جس سے حزن و ملال کے سوا کوئی دوسری کیفیت منتج نہیں ہو سکتی ہے۔ لیلیٰ مجنوں کے قصّے کا بھی یہی انداز ہے اور راسخ کی وہ مثنوی بھی جس کا نام راز و نیاز ہے یہی پیرایہ رکھتی ہے۔

ڈائی ڈیکٹک شاعری

لیرک (Lyric) ایپک (Epic) اور ڈراما (Drama) کے علاوہ شاعری کی ایک قسم ہے جو بشکل مثنوی ہوتی ہے اور اس سے مراد اخلاق آموزی ہے۔ اس شاعری کو بزبان انگریزی ڈائی ڈیکٹک (Didactic) کہتے ہیں۔ اس شاعری سے نصائح پند وغیرہ متعلق ہوتے ہیں۔ اس کی مثالیں سعدیؔ و سنائیؔ و مولوی رومی علیہم الرحمۃ کے کلاموں میں افراط کے ساتھ موجود ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کے اشعار بھی بیشتر یہی رنگ رکھتے ہیں۔ انگریزی شعرا میں ورڈ سورتھ (Wordsworth)

ڈرائیڈن (Dryden) اڈیسن (Addison) پوپ (Pope)
وغیرہ بھی یہی ڈائی ڈیکٹک یعنی اخلاق آموز مذاق رکھتے ہیں ۔

پیسٹورل شاعری یہاں پر قابل ذکر شاعری کی وہ قسم بھی ہے جسے بزبان انگریزی پیسٹورل (Pastoral) کہتے ہیں اس شاعری کا تقاضا یہ ہے کہ دہی طریقہ زندگانی کا بیان عمل میں آئے یعنی کسان وچرواہان کس طور پر زندگی کرتے ہیں اُن کے مشاغل کس طرح کے ہوتے ہیں اور ان کے ارادات وخواہشات کیا انداز رکھتے ہیں یہ باتیں اس صنف شاعری میں حوالہ قلم ہوتی ہیں شاعر اپنے معاملات کو کسان وچرواہان کے پیرائے میں ظاہر کرتا ہے اس قسم کی شاعری کی مثالیں یورپ کے شاعروں کے کلام میں بہت ہیں ۔
انگریزی شاعروں میں پوپ (Pope) نے اس رنگ میں بہت شعر کہے ہیں یہ مذاق قبل بعثت آنحضرت صلعم کے شعرائے عرب میں بھی دیکھا جاتا ہے اہلِ عرب میں اس مذاق کا موجود ہونا کوئی جائے تعجب نہیں ہے کس واسطے کہ بیشتر اہلِ عرب تقاضائے ملکی سے چرواہان پیشہ تھے اور اب بھی ہیں ۔

زراعتی شاعری اس صنف شاعری سے اک گونہ مناسبت وہ شاعری بھی رکھتی ہے جو زراعتی اور باغبانہ مذاق رکھتی ہے یونانیوں میں اس مذاق کا شاعر ہیسیڈ (Hesiod) تھا جس کا بیان آئندہ آتا ہے اور اس صوبہ بہار میں دو طبیعت دار زراعت پیشہ شخص تھے جو کھاگ اور ڈاگ کے نام سے مشہور ہیں ان دونوں کے زراعتی کلام آئندہ منقول ہوں گے ۔

مدح و قدح ۔ منجملہ اقسام شاعری کے ایک قسم شاعری کی مدح اور دوسری قدح ہے ۔ ان دونوں صنف شاعری کی مثالیں ہر زبان میں بکثرت موجود ہیں اردو میں

ان دونوں قسموں کی شاعریاں مرزا رفیع سودا سے بڑھ کر کسی نے نہیں کی ہیں آئندہ ان صنفوں کی بحث تفصیل کے ساتھ حوالۂ قلم ہوگی۔ لیکن اس جگہ یہ عرض کر دینا ضرور ہے کہ شاعر مدح میں ایسی مبالغہ پردازی کو راہ نہ دے کہ اس کا کلام احاطۂ فطرت سے باہر معلوم ہو اور نہ قدح میں اس درجہ نامہذب پیرایہ اختیار کرے کہ طبیعت کو تنفر پیدا ہو اگر مرزا سودا ان دونوں باتوں کو مدح و قدح میں مدنظر رکھتے تو ان کی مدح گوئی اور ہجوگوئی کا جواب کہیں دنیا میں نہیں ملتا۔ شعرائے یورپ بھی طریقہ مدح و قدح کو اختیار کرتے گئے ہیں مگر فحش سے اُن کی تحریریں کمتر آلودہ نظر آتی ہیں۔

مرثیہ نگاری۔ اصناف شاعری سے مرثیہ نگاری ایک نہایت عمدہ صنف ہے۔ مرثیہ نگاری سے یہاں مراد صرف وہ مرثیہ گوئی نہیں ہے کہ دوستداران خاندان پیغمبر مصائب اہلبیت علیہم السلام کو شاعرانہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں بلکہ تمام دیگر ایسے منظوم وغیرہ منظوم بیانات جو سرمایۂ رنج والم ہونے کے باعث اظہار غم و حسرت کے ساتھ احاطہ تحریر میں آتے ہیں مثلاً شاعر اپنے کسی دوست کے مرنے کا اور کسی شخص کے مبتلائے آفات ہونے کا مرثیہ لکھ سکتا ہے یا کسی غم انگیز معاملے کو جیسے جہاز کا ڈوبنا مکان میں آگ کا لگنا وغیرہ ہے قلمبند کرسکتا ہے اس طرح کے مرثیے شعرائے یورپ و ایشیا اکثر لکھتے گئے ہیں گرے (Grey) شاعر انگریزی نے ایک مرثیہ ایک گاؤں کے گورغریباں کے بیان میں لکھا ہے یہ مرثیہ دیدنی ہے۔ اسی طرح حکیم قاآنی نے ایک مرثیہ ایک امیر زادی ناکتخدا کی وفات میں نہایت سوز و درد کے ساتھ موزوں کیا ہے دو شعر اس مرثیے کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں اُن کی پُر تاثیری محتاج بیان نہیں ؎

بہر بہار گل از زیر گل بر آرد سر — گلے برفت کہ ناید بعد بہار دگر
گلے برفت کز امروز تا بد امن حشر — گلاب اوست کہ جاری بود ز دیدۂ تر

واضح ہو کہ یوں تو مرثیہ نگاری ہر زبان میں دیکھی جاتی ہے اور مذہبی مرثیہ نگاری بھی ہر قوم میں کم و بیش طور پر مروج رہی ہے لیکن مذہبی مرثیہ نگاری جیسی اس وقت اردو میں موجود ہے کسی زبان میں نہیں پائی جاتی ہے ہرچند اردو فارسی کی خوشہ چین کہی جاتی ہے مگر اس صنف شاعری میں فارسی سے بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے ترقی کی یہ حالت ہے کہ فارسی کی شاعری کا تو کیا ذکر اس مرثیہ نگاری کی بدولت اردو کی شاعری اہل یونان، اہل روم، اہل ہند، اہل انگلستان کی شاعریوں کا سامنا کرنے کو مستعد نظر آتی ہے۔ اس ترقی عظیم کے باعث میر انیس ہوئے ہیں کہ جن کی بدولت زمین شاعری آسمان سے بھی بلند تر دکھائی دیتی ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم کی ذات پاک قدرت خداوندی کی پوری نشانی تھی۔ خوشا نصیب ان حضرات کے جنھوں نے اُن حضرت کے کلام کو دیدۂ حق بین سے مطالعہ فرمایا ہے بلاشبہ جناب میر صاحب کی شاعری کچھ ایسی ہی ندرت رکھتی ہے کہ جب تک اس کا موازنہ ہومیروس، ورجل، فردوسی، ملٹن، بالمکی اور بیاس کی شاعریوں کے ساتھ نہ کیا جائے تب تک اُس کی خوبیوں سے اطلاع پانا بیرون از امکان ہے جن لوگوں نے مختلف اقوام کی شاعریوں پر نظر غور نہیں ڈالی ہے وہ میر صاحب کے کمالات کو سمجھ نہیں سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ میر صاحب کے کمالات کا بیان اپنے موقع پر آتا ہے یہاں اس سے زیادہ گزارش کا موقع نہیں ہے اس لیے ذیل میں کچھ شعرائے اہل یونان کا ذکر پیش کیا جاتا ہے۔

اصناف بالا کی شاعریوں کو ملحوظ رکھ کر اب حضرات ناظرین ہومیروس کے

مابعد کے شعرائے یونان کے حالات پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہومیروس کی ایپک نگاری یعنی رزمی شاعری نے یونانیوں کے دلوں میں شاعری کے ولولے پیدا کیے تھے چنانچہ اسی معاملہ ٹرآئے (Troy) کو چند یونانی شعرا یکے در پے ہومیروس کے تتبع میں منظوم کرتے گئے ہیں مگر ان میں سے کوئی شاعر بھی ہومیروس کی عمدگی کو نہیں پہنچتا ہے بہرحال ہومیروس کے بعد ایک شاعر ہیزیڈ (Hesiod) نامی یونان میں پیدا ہوا مگر اس نے رزمی شاعری نہیں اختیار کی اُس نے ہومیروس سے شاعری کی ایک علٰحدہ راہ نکالی۔

ہیزیڈ شاعر یونانی یہ شاعر آٹھ سَو برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اور اس کی مشہور تصنیف جو اس وقت موجود ہے اس کا نام ورکس اینڈ ڈیز (Works and days) ہے یہ نام بھی بزبان انگریزی ایک مترجم نام ہے اردو میں ان لفظوں کا ترجمہ مشاغل و ایام کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ خیر اس شاعر نے زراعتی معاملات منظوم کیے ہیں مثلاً کب قلبہ رانی اور کب تخم ریزی کرنا چاہیے۔ ہل کے لیے کیسی لکڑی درکار ہوتی ہے اسی طرح اس نے بہت زراعتی امور حوالۂ قلم کیے ہیں۔ اور باغبانی کی ہدایتوں کے ساتھ اخلاقی تعلیم کو بھی ملحوظ رکھا ہے یہ شاعر بیوشیا (Beotia) کا جو ملک یونان کا ایک حصّہ ہے رہنے والا تھا اس کی شاعری ہومیروس کی شاعری کی طرح بہت تخئیلی نہیں ہے بلکہ روزمرہ کے معاملات کو مدِّ نظر رکھتی ہے۔ جس سے کہ امورِ دنیا میں وہ بکار آمد قیاس کی جاتی ہے۔ ہیزیڈ کی تصنیف سے کچھ اُس کے ایسے مضامین درج ذیل ہوتے ہیں۔ جن سے کیفیت سرما کا اظہار منظور ہے

جنوری کے مہینے سے خبردار رہو اُن ضرر رساں دنوں سے خبردار رہو کہ جن کی تیزی

کے ساتھ سرایت کرنے والی ہوا بیلوں کی کھالیں کھینچے ڈالتی ہے۔ درحالیکہ برف باری آفتیں ڈھاتی ہے زمین کو یخ بستہ کر ڈالتی ہے اور ہوا کے ہر جھونکے کو برش بخشتی ہے باد شمالی تھریشیا (Thracia) کی طرف سے جہاں صبار فتار گھوڑوں کا کمیت ہے تیز و تند آتی ہے اور سمندر میں پہنچ کر تموج عظیم پیدا کرتی ہے اُس کی ضربت سے گھنے جنگل اور ساحل گونج اُٹھتے ہیں اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا زمین نالہ و فغاں کر رہی ہے یہ ہوا شدید فرمیں لگا لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر کے قوی ہیکل درخت ہائے پاین (Pine) کو پچھاڑ ڈالتی ہے اور عظیم پیکر درخت ہائے اوک (Oak) کو اُکھاڑ کر دامن کوہ میں پھینک دیتی ہے تب یکایک بالائے کوہ سے تندی اور تیزی کے ساتھ بگولا زمین کی طرف رُخ کرتا ہے پس اُس وقت طوفان کا شور بلند ہوتا ہے اور تمام جنگل صدائے پرخروش سے بھر جاتا ہے ایسے وقت میں دواب لرزاں ترساں دُم دبائے رہا کرتے ہیں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے گھر گھر کر تھراتے رہتے ہیں۔ ہر چند ان جانوروں کی جلدیں بال سے بھری رہتی ہیں اور گو اُن کی پشمیں دراز ہوتی ہیں۔ اس پر بھی ہوائے زمہریری ان میں سرایت کر ہی جاتی ہے ایسے وقت میں بیل اپنی موٹی کھال سے بھی فائدہ اُٹھا نہیں سکتا اور نہ پشم والی بکری اپنے کو ایسی ہوائے سرد سے محفوظ رکھ سکتی ہے البتہ اس شمالی ہوا سے بھیڑ کو ضرر نہیں پہنچتا ہے جس کے گھنے بال اس کے جسم کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔

ایسے زمانے میں شاخ دار و غیر شاخ دار دونوں طرح کے جانور جو جنگلوں میں مل رکھتے ہیں بھوک سے اپنے جبڑے بجاتے ہیں اور سردی سے ٹھٹھر کر کانپتے ہوئے پہاڑ کی کھوہوں کی طرف جہاں قد کشیدہ اوک کے درخت اُگتے ہیں بھاگ نکلتے ہیں

بعض کوہی جھاڑیوں میں جا چھپتے ہیں اور بعض سنگی ماندوں میں گھس کر امن لیتے ہیں جس طرح معمر اشخاص ناتوانی کے مارے سر جھکائے عصاؤں پر ہلتے ڈولتے آہستہ آہستہ چلتے ہیں ویسے ہی دواب کی رفتار معلوم ہوتی ہے جو رینگتی ہوئی چالوں کے ساتھ اپنے کو برف باری کے صدمے سے بچایا چاہتے ہیں۔

واضح ہو کہ سرما کا بیان بالا یونان کی شدت سرما کی پوری تصویر ہے یہ بیان ایسا ہے کہ واقعات کے ساتھ تمام تر مطابقت رکھتا ہے اور فطرتی مذاق سے مملو ہے بیان بالا کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے سرما کی کیفیتوں پر غور کر کے راہ دیا ہے اس فصل کے تقاضوں کو خوب سمجھا ہے اور اس قدر واقعات سے مضامین دستیاب کیے ہیں کہ اسے مبالغہ پردازی کی کوئی حاجت نہیں ہوئی ہے۔

سفو یونانی شاعرہ سفو (Sappho) یونان کی غزل گو شاعرہ ہے یہ عورت چھ سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے بقید حیات تھی۔ اس کی غزل سرائی ایسی پر تاثیر تھی کہ اہل یونان اُس کے کلام کے مفتون و شیدا تھے معاملات عشقیہ کے بیانات پر نادر قدرت رکھتی تھی خود کسی نوجوان پر عاشق تھی اسی لیے اس کا کلام تمام تر عاشقانہ رنگ رکھتا تھا لیکن کسی شخص نے اہل یونان سے اس شاعرہ سے بہتر نہیں لکھا افسوس ہے کہ اُس کے کلام بہت ضایع گئے اس عہد تک جو کچھ پہنچے ہیں وہ بہت قلیل رہ گئے ہیں مگر اُن سے لطف زبان سلاست اور دل آویزی آشکارا ہے۔ سفو کی غزل سرائی غزل سراؤں کے لیے ہدایت نامہ ہے۔ تمام اصناف شاعری سے غزل گوئی ایک دشوار شے ہے اس کے لیے دل پُردرد درکار ہے۔ جس کو فطرت نے قلبی نعمتوں سے محروم رکھا ہے زنہار غزل گوئی کا

قصد نہ کرے اس صنف شاعری کے لیے میر تقی صاحب کی خستگی اور مرزا نوشہ کی نشتریت درکار ہیں یوں تو ہر شخص غزل گوئی کر لیتا ہے مگر واقعی غزل گوئی کیا ہے اس کو دل جانتا ہے زبان بیان نہیں کر سکتی۔ بہت سے حضرات غزل لکھنے بیٹھتے ہیں اور قصیدہ کہہ کر اُٹھتے ہیں ماشاء اللہ ایسے حضرات کا کیا کہنا زور طبیعت ہے کہ اُنھیں کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایسے حضرات کو یا فطرت نے نعمت ہائے قلبی سے محروم رکھا ہے یا اُن کو ابھی تک اپنی نعمت ہائے قلبی سے متمتع ہونے کا موقع نہیں ملا ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ غزل گوئی محض بے اختیاری نشے ہے۔ ہر شاعر غزل گو نہیں ہو سکتا نہ خود کوئی سچا غزل گو ایسی قدرت رکھتا ہے کہ جب چاہے غزل گوئی کر لے اشعار موزون کر لینا اور ہے اور سچی کیفیت قلبیہ کے ساتھ کچھ کہہ لینا اور ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اصناف شاعری کی بحثیں آتی ہیں اپنی جگہ پر پوری حقیقت غزل گوئی کی عرض کی جائے گی۔

پنڈار۔ پنڈار (Pindar) یونان کا شاعر قصیدہ گو ہے یہ شخص قریب چار سو پچاس برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس شخص نے لیرکس (Lyrics) کا احاطہ وسیع کر کے اوڈ (Ode) کی صورت پیدا کی ہے یعنی غزل کے دائرے کو وسعت دے کر قصیدہ کر ڈالا ہے اس شاعر کے قصائد جو دیوتاؤں کے محامد وغیرہ میں ہیں ابھی تک موجود ہیں اُن سے زور طبیعت حسن بیان اور لطف زبان آشکارا ہے اس شاعر نے مرثیہ نگاری بھی کی ہے اور اُس کی مرثیہ گوئی بھی لطافت شاعرانہ سے مملو ہے یہ شخص صوبہ بیوشیا (Beotia) کا رہنے والا تھا۔ اس صوبہ کے لوگ برخلاف دیگر صوبہ جات یونان کے نہایت کند ذہن اور ابلہ مزاج

ہوتے تھے مگر پنڈار اپنے ہم وطنوں میں مستثنیٰ تھا اُس کے تمام ہم وطنوں کے عوض طبیعت داری اُسی کو موہوب ہوئی تھی آج تک بھی جو کسی ملک کے لوگ کند ذہن یا کم فہم ہوتے ہیں تو اُس ملک کو بیوشیا کے نام سے یاد کرتے ہیں چنانچہ ہمارے صوبہ بہار کو بھی بعض اہلِ رائے نے بیوشیا کے خطاب سے یاد فرمایا ہے لیکن اب ممتاز طور سے یہ صوبہ علمی ترقی کرنے لگا ہے اور اس صوبے میں کچھ کچھ لوگ پنڈار کی فہم و فراست کے نظر آنے لگے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ صوبہ بہار کے سکنا ذہن وذکا میں کوئی خلقی نقصان نہیں رکھتے ہیں مولانا محب اللہ بہاری صاحب سُلّم ورا سخ و بیدلؔ اسی صوبے کے آدمی تھے مگر کیفیت یہ ہے کہ اس صوبے کے سکنا عہد انگلشیہ میں بہت عرصے کے بعد علومِ یورپ کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہوئے اس واسطے اہلِ بنگالہ کے مقابلے میں پس پا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بیس برس کے اندر جو کسی قدر اہلِ بہار علم اندوزی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اب ان کی توجہ کا اثر بخوبی ممیز ہوتا ہے اور جس انداز سے اب اہل بہار ترقی کر رہے ہیں اُس سے امید کی جاتی ہے کہ نصف صدی کے اندر اہل بنگالہ سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ خیر پنڈار یونان کا ایک نامی شاعر ہے اُس کے زور طبیعت نے اُس کے عہد کی شاعری میں ایک انقلاب پیدا کیا تھا تمام اہل یونان نے اُس کے رنگ کو اختیار کیا اور پنڈار کا رنگ قومی شاعری کا رنگ مانا جانے لگا حقیقت حال یہ ہے کہ پنڈار کے زور طبیعت اخلاقی سخن نے یونان میں ڈرامے کا تخم بویا چنانچہ بعد پنڈار کے یونان میں ڈراما نگاری نے ظہور پکڑا اور اُس کے مروج ہو جانے نے یونانی شاعری کو درجۂ کمال پر پہنچا دیا۔ یونانی ڈراما نگاروں سے ممتاز اشخاص اسکائیلس (Aeschylus) سفاکلیز (Sophocles)

یوریپائیڈیز (Euripides) اور ارسطوفینز (Aristophanes) ہیں ان میں پہلے تین شاعر ٹریجیڈی نگار ہیں اور آخر الذکر کامیڈی نگار ہے۔

اسکائیلس۔ اسکائیلس (Aeschylus) چار سو چھپن برس قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس کی ڈرامانگاری نے شاعری کی ایک نئی دنیا پیدا کر دی اس شاعر کی ستر ٹریجیڈیوں سے اس وقت صرف سات ٹریجیڈیاں موجود ہیں اور بہت کچھ ارباب مذاق کی توجہ کے قابل ہیں۔

سفاکلیز۔ سفاکلیز (Sophocles) چار سو پچاس برس قبل مسیح کے بقید حیات تھا۔ اس شاعر نے معاملات انسانی کو انواع پہلو سے حوالۂ قلم کیا ہے اس شاعر کے کچھ کلام کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

یوں تو بہت چیزیں عجیب و غریب ہیں مگر انسان اعجب العجائب ہے وہ اس قدر دلیر ہے کہ عین طوفان کی حالت میں ایسے سمندر میں چلا جاتا ہے کہ جہاں ہر دم ہر طرف موجوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دھرتی کو جو سب دیوتاؤں سے زبردست باقی اور پائیدار ہے سال بسال اپنے مصرف میں لاتا ہے ہر سمت ہل چلا چلا کر اس کے ڈھیلوں کو توڑتا ہے اور روزمرّہ کا کام ہمیشہ اپنے گھوڑوں سے لیتا ہے۔

واضح ہو کہ سفاکلیز نے اپنے کلام بالا میں انسان کا اعجب ہونا بیان کیا ہے امر واقعی بھی یہی ہے کہ انسان اعجب مخلوقات الٰہی ہے لاریب اُس کے افعال و حرکات نہایت تعجب خیز ہیں مگر اس شاعر نے صرف خارجی تعجبات انسانی کو حوالۂ قلم کیا ہے اُس کے اندرونی تعجبات کی طرف توجہ نہیں کی ہے مگر امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے کلام ذیل میں جامعیت حقیقت انسانی کو ارشاد فرماتے ہیں ؎

دَوَاءُكَ فِيكَ وَمَا تَشْعُرُ   وَدَاءُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ
وَتَحْسِبُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ   وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْاَكْبَرُ

یعنی تیری دوا تجھ میں ہے اور تو نہیں جانتا اور تیرا درد تجھ سے ہے اور تو نہیں دیکھتا تو سمجھتا ہے کہ تو ایک جسم صغیر ہے درحالیکہ تجھ میں مشمول عالم اکبر ہے۔

ارباب حقیقت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان دونوں شعروں میں حضرت نے انسان کی حقیقت سے خبر دی ہے اور آگاہ فرمایا ہے کہ انسان اگر اپنی حقیقت سے واقف ہو جائے تو جزو و کل وہی ہے اس کے سوا پھر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کلام انسان کے انجیب امور کو ظاہر کرتا ہے۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ خیال ہے اور کس قدر اخلاقی اور دینی تعلیم اس سے ہویدا ہے انصاف یہی ہے کہ حضرت کے اقوال عجیب تعلیمی پیرایہ رکھتے ہیں اور فی الواقع معاملات اخلاقی اور امور روحانی میں روئے زمین پر آپ کا نظیر نہیں ہے۔ آپ کا ہر کلام۔ کلام الامیر امیر الکلام کا مصداق ہے۔ کیوں نہ ہو جب درحقیقت آپ قرآن ناطق ہیں اور زبان آپ کی ترجمان حق ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آپ کے کچھ کلام اپنے موقع پر درج تالیف ہذا ہوں گے۔

بہرحال اس جگہ سفا کلیز۔ کے مضامین بالا کی نسبت یہ عرض کر دینا ضرور ہے۔ کہ اُس کا کلام بالا بھی اپنے موقع پر خوب ہے اُس کے اشعار کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان اپنے کو ایک شے بے کار نہ سمجھے وہ بہت دشوار کاموں کو انجام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اُسے بڑی توفیق عطا ہوئی ہیں اگر اپنی صلاحیتوں سے کام لے تو بہت کچھ کر سکتا ہے البتہ اس شاعر کا رُخ دنیوی امور کی طرف ہے مگر ترقی دنیوی اگر حق طور پر ہو تو ہرگز امر مذموم نہیں ہے کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ بلا

گفتگو ترقی دنیوی ایک نہایت توجہ طلب امر ہے کہ دین و دنیا توام ہیں اور تقاضائے اسلام بھی یہی ہے کہ انسان کا دین و دنیا بخیر ہو اسلام کی فرمائش یہ زنہار نہیں ہے کہ دنیا کی خرابی کے ساتھ عاقبت سنورے۔ لمؤلفہ

دنیا کی خرابی ہو نہ عقبیٰ کی مفرت
پیدا کرے اوقات کی صورت بشر ایسی

جن لوگوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے دوسروں کے محصولہ پر بلا استحقاق اوقات کرتے ہیں ہرگز اسلام کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے اسلام کا حکم ہے کہ اپنی قوت بازو سے سامان رزق بہم کرو تجارت کرو کھیتی کرو نوکری کرو حسن سبیل حلال سے اکتساب معاش کی صورت ہو اس میں کوشاں ہو۔ یہ کبھی اسلام کی فرمائش نہیں ہے کہ اپنے کو اپاہج نکما نکھٹو افلاس زدہ دست نگر بنا ڈالو۔ دوسروں کی کمائی میں بے ہاتھ پاؤں ہلائے شریک ہو جاؤ۔ دھوکے دھاڑے سے روٹی حاصل کرو۔ اپنی تقدس مآبی ثابت کرکے بیوقوفوں کو جٹو۔ اور لوٹو۔ اس طرح کے شیوے جو مذہبی پیرائے میں مروج دیکھے جاتے ہیں یہ سب نو احداث ہیں۔ اس کو نہ پیغمبرؐ صاحب کرتے تھے نہ خلفا اور نہ مجتہدین۔ علی مرتضیٰ اجرت پر کنوئیں سے پانی نکالتے تھے اس طرح بزرگان دین محنت کرکے اوقات فرماتے تھے۔ مولانا شمس الدین فاخوری جو ایک درویش خدا رسیدہ تھے۔ مزدوروں کے ساتھ دیوار اٹھا کر رزق حاصل کرتے تھے۔ اگر مفت خوری کوئی اچھی بات ہوتی تو یہ حضرات بابرکات بھی جھونس جھانس پر زندگی کا مدار رکھتے اعوذ باللہ من ذلک۔ المختصر جن لوگوں نے اپنے کو ایسا بے کار محض بنا رکھا ہے اُن سے کب یہ ممکن ہے کہ سفر بحری

اختیار کریں زمین کو جوتیں یا کسی طرح کی ریاضت کریں جس کی وجہ سے وہ اپنے کو سفاکلیز کے قول کا مصداق بنا سکیں پس جب وہ اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان سے کیا امید ہے کہ مجاہدہ نفسی کی بدولت اپنے کو اُس درجۂ معرفت کو پہنچائیں کہ اپنے میں عالم اکبر کا تماشا دیکھیں۔

یوریپاڈیز۔ یوریپاڈیز (Euripides) سفاکلیز کا ہمعصر ہے۔ اس شاعر کے کلام میں درد پایا جاتا ہے مگر اُس کی شہرت میں ارسطوفینز۔ (Aristophenes) کی ہجو نگاری سے خلل واقع ہو گیا ہے ورنہ برائے خود یہ شاعر ایک ممتاز پایہ رکھتا ہے۔

ارسطوفینز۔ ارسطوفینز (Aristophenes) ایک بڑا شوخ مزاج شاعر ہے اس کی طبیعت ہجو میں خوب لڑائی تھی۔ اس نے بہت سی ہجویں لکھی ہیں سقراط کی ہجو اسی نے لکھی تھی اس حکیم نامی کی ہلاکت کا سبب یہی شاعر ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ارسطوفینز کو ہجو کی طرف میلان طبعی تھا چنانچہ وہ اہل اتھنس (Athens) کی جو اُس کے ہم وطن تھے۔ چالیس برس تک ہجویں لکھتا رہا۔ اس شاعر کو خلاقی مضامین کی عجیب و غریب قوت حاصل تھی اور اس کے کلام پر تاثیر ہوتے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ یونانی شاعری کے حالات اس مختصر کتاب میں مفصل طور پر درج نہیں ہو سکتے اگر تصریح کے ساتھ ہر شاعر کے احوال و اقوال حوالۂ قلم ہوں تو یہ کتاب بہت طولانی ہو جائے گی مثل ہے کہ رات تھوڑی اور سانگ بہت۔ ناچار راقم قلم کو روک لیتا ہے اور حضرات ناظرین سے خواستگار ہوتا ہے کہ اب لاطینی شاعری کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ عندالملاحظہ یہ بات ظاہر ہو گی کہ لاطینی شاعری یونانی شاعری کا

انداز رکھتی ہے بلکہ تمام تر متتبع یونانی شاعری کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اُردو کے شعرا فارسی کے شعرا کا تتبع کرتے رہے ہیں لاطینی شعرا یونانی شعرا کے متتبع رہے ہیں اور جس طرح اُردو کی شاعری فارسی کی شاعری تک بہت باتوں میں نہیں پہنچ سکی ہے وہی حال لاطینی شاعری کا بھی پایا جاتا ہے۔

لاطینی شاعری

بیان ملک اطالیہ۔ ملک ایطالیہ (Italy) بشکل جزیرہ نما یورپ کے حصہ جنوبی میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں جرمنی اور سوئیزرلینڈ۔ مغرب میں ملک فرانس اور بحر اٹلکن۔ جنوب میں بحیرۂ یونان اور مشرق میں بحیرۂ ایڈریاٹک اور بہی کارنیولا جو ملک آسٹریا کا ایک صوبہ ہے واقع ہیں۔ طول اس ملک کا ۷۸۰ میل ہے اور عرض ۳۱۰۔ مگر جہاں پر اس کا عرض کم ہے وہاں ۱۵۰ میل سے زیادہ نہیں ہے۔ اس ملک کو بحری مواقع بہت ہیں اور اس کے متعلق بہت سے جزائر بھی ہیں مثلاً سسلی، سارڈینیا، البا، کارسیکا، مالٹا وغیرہ یہ ملک نہایت پُر فضا اور خوش آب وہوا ہے خالق نے اسے فطرتی اسباب سے بڑی خوش سوادی بخشی ہے ہر طرح کے پہاڑ موجود ہیں کوئی بہت رفیع جیسے سلسلہ آلپس کوئی پست جیسے چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے کوئی سبزہ و گل میں چھپا ہوا ہے اور کوئی روئیدگیوں سے تمام تر معرا ہے کہیں چشمے اُبل رہے ہیں اور کہیں جھرنے جاری ہیں۔ ندیاں رواں ہیں کہیں دریا پہاڑوں کو کاٹتے نکل گئے ہیں کہیں پانی بلندی سے نشیب کی طرف زوروں سے

گھر رہا ہے دامان کوہ میں ہزارہا اشجار قد کشیدہ نظر آرہے ہیں۔ وادیوں کی صورت گلہائے صحرائی سے عجب رنگ دکھلا رہی ہے سہانے ٹیلے جنگل پوری شادابی کے ساتھ نادر سماں پیدا کر رہے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ خوشنمائی کے فطرتی اسباب اس کثرت سے مہیا ہیں کہ اطالیہ کے نہایت دلچسپ ملک ہونے میں کوئی گفتگو نہیں کی جا سکتی ہے۔

شاعر و مصوروں کے لیے یہ ملک خلقت کے رو سے موزوں ہے عالم موسیقی بھی اس رائے سے اختلاف نہیں کر سکتا ہے کس واسطے کہ راگنیاں ایسے دیس کے سوا اور کہاں رہنا پسند کر سکتی ہیں آب و ہوا بھی اس ملک کی نہایت مطبوع ہے سوا ایسے مقامات مرطوب کے کہ جو نیپال کی ترائی کا انداز رکھتے ہیں یہاں کے مشہور دریاؤں سے پو (Po) اور ٹائبر (Tiber) ہیں حیوانات صحرائی خوک، ہرن، بجرہ، بھال بز کوہی سیاہ گوش، گرگ، شغال، روباہ اور خرگوش ہیں اور طیور میں اغراض صید کے جانور بکثرت میسر آتے ہیں۔ اس ملک کی پیداوار قابل توجہ ہے۔ انگور، زیتون، انجیر سیب و دیگر میوہ جات خوب پیدا ہوتے ہیں وہاں ہر طرح کی دالیں، مکئی، روئی، ریشم اور اقسام رنگ کی ترکاریوں اور سبزیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ مویشی بھی کثرت سے پرورش کیے جاتے ہیں اور ان کی پرورش میں آسانی اس سبب سے ہوتی ہے کہ بڑی بڑی چراگاہیں دریائے پو کے قریب میں واقع ہیں یہاں ایسا عمدہ پنیر بنتا ہے کہ روئے زمین پر اس کا نظیر نہیں دیکھا جاتا ہے ملک ملک بسبیل تجارت جاتا ہے اور ملکوں کے لوگوں نے بھی اس کی نقل اتارنا چاہی مگر ویسا کبھی نہ بن سکا۔ واضح ہو کہ مویشی کے دودھ میں چربی کو بڑا دخل ہے جہاں اچھی چربی نہیں ملتی وہاں کے مویشیوں کے دودھ اچھے نہیں ہوتے۔ ہندوستان کے آباد حصوں میں اب جانوروں کو چربی کا عمدہ

موقع کم رہا ہے اس لیے آباد مقاموں میں اچھا دودھ نہیں ملتا ہے یہ امر ایسا ہے۔ کہ بہی خواہان زراعت کو اس کی طرف توجہ کرنا چاہیے بہرحال علاوہ پیداوار زراعتی کے اس ملک میں سنگ مرمر اور بعض دیگر بیش قیمت پتھروں کی کانیں بھی دیکھی جاتی ہیں پھٹکری تانبا اور لوہے کے معادن موجود ہیں الغرض کافی پیداوار اس ملک کی اچھی ہے۔

واضح ہو کہ اہلِ ایطالیہ موسیقی کا مذاق خوب رکھتے ہیں اور اچھے گانے والوں کی اس سرزمین میں کوئی کمی نہیں ہے حسن بھی اس ملک کا دل آویز ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ارباب مذاق کے لیے یہ ملک تمام تر مناسب ہے ایسے ملک کو اگر شاعری مصوری اور موسیقی سے مناسبت نہ ہو تو پھر کس ملک کو ہو سکتی ہے چنانچہ ان تینوں نفیس فن میں یہ ملک ممتاز رہا ہے۔

ارباب علم کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ایطالیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ ایطالس نامی ملک آرکیڈیا کی طرف سے آ کر یہاں اقامت گزین ہوا تھا جس کے سبب سے یہ ملک اسی کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض محققین کا یہ بھی بیان ہے کہ ایطالیہ مشتق ہے لفظ ایطالس (Italus) سے جس کے معنی بیل ہے چونکہ اس ملک میں گائے، بیل کثیر الوجود ہیں اس واسطے اس کا نام ایطالیہ قرار پایا۔

بیان اہلِ روم جاننا چاہیے کہ زبان لاطینی اُس قوم کی ہے جو متوطن ملک ایطالیہ کی تھی اس ملک کا دارالسلطنت شہر روم تھا۔ یہ شہر اب باقی نہیں ہے اور وہ شہر جو اس وقت اُس کی جگہ موجود ہے، روم جدید ہے۔ اور جو زبان اس وقت وہاں بولی جاتی ہے اُسے ایٹالین (Italian) کہتے ہیں۔ روم سابق کی

مختصر تاریخ یہ ہے کہ اس شہر کی بنیاد ڈالی ہوئی دو شخصوں کی ہے جو ایک شہزادی کے بطن سے تھے ان دونوں بھائیوں کا نام راموکس (Romulus) اور ریمس Remus (ہے۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں بھائیوں کو ایک گرگ مادہ نے پالا تھا ان کے افسانہ نما احوال کو پلوٹارک (Plutarch) مورخ نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس عجیب معاملے کو ابوالفدا نے بھی اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر میں درج کیا ہے آدمی کے بچوں کو ایک گرگ کا پالنا ظاہراً قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے عموماً ہر کوئی شخص ایسے قصّے کو مطابق فطرت سمجھے گا اور ایک عرصے تک راقم بھی اس کو ناممکن الوقوع سمجھتا رہا مگر جب سے کرنیل سلیمن (Sleeman ے Co) صاحب کی رپورٹ دیکھی اور متواتر دو تین ایسے واقعات کی سچی خبریں راقم کو پہنچی گئیں تب سے اس بات کا یقین ہوا کہ آدمی کے بچے کو بھیڑیوں کا پالنا ممکن الوقوع ہے۔ بہر حال یہ دونوں بھائی شہر روم کے بانی کہے جاتے ہیں۔ اس شہر کی بنیاد سات سو پچاس برس سے کچھ اوپر قبل سن مسیحی کے قرار دی جاتی ہے شہر کی بنیاد ڈالنے کے بعد دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا ہوا چنانچہ بڑے بھائی یعنی راموکس نے ریمس کو مار ڈالا اور اپنی حیات تک اس شہر کا بادشاہ رہا بعد ازاں چند شخص یکے بعد دیگرے اس کی جگہ پر بادشاہ ہوتے گئے آخرکار شخصی سلطنت کا طریقہ اٹھا دیا گیا اور جمہوری سلطنت قائم ہوئی چند صدیوں تک رومیوں کی سلطنت اسی شکل پر قائم رہی یہاں تک کہ جولیس سیزر (Julius Caesar) نے اس انتظام سلطنت کو درہم برہم کر کے پھر شخصی سلطنت قائم کر دی اور اس کے وقت سے ایک سلسلہ شاہنشاہوں کا جاری ہوا جس کا شاہنشاہ خود جولیس سیزر تھا لفظ قیصر سیزر کا معرب ہے اور اب یہ لفظ بمعنی شاہنشاہ استعمال کیا جاتا ہے یہ شخص

سو برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے پیدا ہوا تھا اور تینتالیس برس قبل اُس حضرت کے مقتول ہوا یہ شخص نہایت مرد محصّل تھا اور اُس کی تحریریں آج تک اُس کے اعلیٰ درجے کی قابلیت کی شہادت دیتی ہیں۔ واضح ہو کہ رومیان سابق اپنی ابتدائی حالت میں ناتعلیم یافتہ انداز کے لوگ تھے اور ان کی ناتعلیم یافتگی اُن کے روز افزوں اقبال کے ساتھ بھی ایک عرصے تک برقرار رہی لیکن جب ان رومیوں کو اہلِ یونان سے سابقہ پڑتا گیا تو یونانیوں سے انھوں نے اکتساب علوم کرنا شروع کیا بہرحال جس وقت رومیوں کا اقبال ترقی کر رہا تھا یونانیوں پر ادبار آ رہا تھا کچھ عرصے میں یہ نوبت پہنچی کہ رومیوں نے یونانیوں کو شکست دے دے کر بدحال کر دیا یہاں تک کہ یونان روم کا ماتحت سمجھا جانے لگا اس وقت میں ہر چند یونانیوں سے اقبال رخصت ہو چکا تھا۔ اس پر بھی اہلِ یونان اپنی فاتح قوم سے علوم و فنون میں غالب تھے مگر تقاضائے اقبال سے رومیوں نے یونانیوں سے علم اندوزی کرنا نہ چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی علوم رفتہ رفتہ رومیوں میں مروج ہو گئے منجملہ بہت سے علوم و فنون کے اہلِ یونان کے مذاق شاعری نے بھی رومیوں کے دلوں میں جگہ پیدا کی یونانی شعرا کی تصانیف بزبان لاطینی ترجمہ ہوتی گئیں۔ ایلیاڈ کا بھی ترجمہ لاطینی میں تمام کو پہنچا۔ پھر اس زبان میں شعرائے نامی پیدا ہوتے گئے۔ جن کا ذکر آئندہ آتا ہے ان رومی شعرا کے کلام میں یونانی مذاق تمام تر ہویدا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رومی شعرا یونانی شعرا کے متتبع ہیں بس وہی نسبت جو اُردو شاعری کو فارسی شاعری کے ساتھ ہے۔ لاطینی شاعری کو یونانی شاعری کے ساتھ پیدا ہے۔ رومیان سابق بھی یونانیوں کی طرح بت پرست تھے اور چاند ار یونانیوں کی اصنام پرستی کے تھے وہی رومیوں کے بھی تھے۔ اسی لیے اور مضامین کے علاوہ رومیوں کی شاعری بھی یونانی

اور پریوں وغیرہ کے بکھیڑے سے خالی نہیں نظر آتی ہے۔ نثر بھی دونوں قوموں کی ایک ہی انداز رکھتی ہے اور حق یہ ہے کہ مضامین بت پرستی کو چھوڑ کر ہر دو قوم کی نثر و نظم خوش اسلوب اور مرغوب پیرایہ رکھتی ہیں۔ حال کا لٹریچر جو اہلِ یورپ کا ہے انھیں دونوں قوم کا ممنون ہے گویا ان دونوں قوموں کے لٹریچر حال کے اہلِ یورپ کے لٹریچر کے ہادی و رہبر ہوئے ہیں۔ اس زمانے کا لٹریچر جو اہلِ یورپ کا ہے نہایت حیرت خیز ہے۔ زبان اُس کے بیان سے قاصر ہے افسوس ہے کہ اہلِ فارس نے عمدہ مذاق لٹریچر کا پیدا نہیں کیا۔ نظم فارسی کی تو خیر کچھ ہے بھی نثر کا مذاق تو بہت کچھ قابلِ اعتراض ہے۔ اہلِ انصاف ارشاد فرمائیں کہ سہ نثر ظہوری مینا بازار اور حکیم قاآنی کے کلام منثور وغیرہ میں کیا خوبی ہے بلکہ جو کچھ اگلے لوگ کچھ مذاق پیدا کر گئے تھے۔ ان متاخرین نے اُسے خراب کر ڈالا ہے اسی طرح اردو کا لٹریچر بھی خراب ہو چکا تھا مگر اب مذاق بدلتا نظر آتا ہے خدا لئے تعالیٰ اپنا فضل شاملِ حال رکھے۔ ظاہرا مقفا مسجع لکھنے والے حضرات تو لٹریچر کا خاتمہ کر چکے تھے مگر اس نا پرسان زبان پر اللہ نے رحم فرمایا کہ کچھ لوگ مولوی نذیر احمد صاحب وغیرہ سے پیدا ہوئے جنھوں نے عوام کے خیالات میں انقلاب پیدا کیے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ عربی، فارسی اور اُردو کے لٹریچر کی بحث آئندہ لکھوں گا جس سے بدمذاق مصنفوں کی لٹریچر کُشی ظاہر ہو گی۔ خیر حضرات ناظرین ان جملہ ہائے معترضہ کو معاف فرمائیں۔ اب میں پھر رومیوں کی شاعری کی طرف رجوع لاتا ہوں اور یہ گذارش کرتا ہوں کہ چونکہ یونان و روم کی شاعریوں کا ایک ہی انداز ہے رومیوں کے مذاق شاعری کی بحث کو طول دینا ضرور نہیں معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ذیل میں چند شعرائے رومی کے حالات و اقوال حوالۂ قلم کر دیے جاتے ہیں۔ جن سے کسی قدر

حضرات ناواقف کو اطلاع کی صورت متصور ہے۔

لکریشس۔ لکریشس (Lucretius) روم کے شعرائے متقدمین کا سرآمد ہے یہ شاعر بانوے برس قبل ظہور حضرت مسیح علیہ السلام کے پیدا ہوا تھا اس کی شاعری کا رنگ نہایت حکیمانہ ہے اس کی تصانیف منظوم سے ایک کتاب ہے جس کا نام حقائق الاشیاء (On The nature of things) ہے یہ کتاب سراپا فلسفہ ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ یونانیوں کا مذاق فلسفیانہ رومیوں کے مذاق فلسفیانہ سے بالکل علحدہ تھا گو رومیوں نے فلسفہ کی دولت یونانیوں سے پائی تھی اہل یونان کو علوم ذہنیہ کی طرف میلان خاص تھا برخلاف اس کے اہل روم علوم مادیہ پر زیادہ توجہ رکھتے تھے مگر یہ شاعر برعکس اپنے قومی مذاق کے تمام تر یونانی مذاق کا پابند تھا اور وہ اسی مذاق کے ساتھ امور اخلاقی اور مذہبی کو حوالۂ قلم کرتا ہے کیا افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے شعرا کمتر یونانی اور رومی شعرا اور ان کی شاعریوں سے خبر رکھتے ہیں اگر ہمارے ملک کے موزون طبیعت حضرات کو ان اقوام گزشتہ کی شاعری سے اطلاع کی صورت پیدا ہو تو یقیناً ایک انقلاب عظیم ہماری دیسی شاعری میں نمایاں ہو۔

کیٹلس۔ کیٹلس (Katellus) بھی روم کے شعرائے متقدمین سے ہے یہ شاعر چون برس قبل سن مسیحی کے بقید حیات تھا اس کے کلام میں بڑا درد پایا جاتا ہے واقعی اس کا انداز بیان ایسا ہی ہے کہ خواہ نخواہ دل پر چوٹ لگتی ہے اس پُر دردی کے ساتھ اس کی شاعری فصاحت و بلاغت سے خالی نہیں ہے۔ بیشتر اس شاعر کے کلام عاشقانہ رنگ ہونے کے باعث شاعرِ غزل سرائی

کا پیرایہ رکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے مرثیہ نگاری کی طرف بھی اُس کو میلان تھا۔ جاننا چاہیے کہ غزل سرائی کی صلاحیت ہر شاعر کو نہیں ہوتی ہے۔ واقعی جس کی طبیعت عاشقانہ ڈھنگ یا گداختگی نہیں رکھتی ہے وہ کبھی غزل گو ہو نہیں سکتا ہمارے ملکی شاعروں میں اس وقت بھی حضرات موجود ہیں کہ غزل گوئی کے لیے وہ مخلوق نہیں ہوئے تھے اس پر بھی غزل گوئی کی جان نہیں چھوڑتے اپنے خلقی نقصانات سے باخبر ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر انسان میں اتنی تمیز موجود رہے تو بہت سی حماقتوں سے بچ سکتا ہے بہرحال کٹیلس کا کلام بلاشبہ بہت پر درد ہے اُس کے کچھ اشعار کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے اُس کی طبیعت کی خستگی اور گداختگی کا کسی قدر اندازہ متصور رہے یہ اشعار اُس نے اپنے برادر متوفیٰ کے لیے مرثیے یا نوحے کے طور پر لکھے تھے۔

مرثیہ

اے بھائی میں تیری دور افتادہ قبر پر مراسم عزا کی ادا کاری کے لیے بہت سے سمندروں کو طے کرتا ہوا اور بہت سے دیار غیر معروف سے گزرتا ہوا آیا ہوں اور تیری بے صدا خاک کے نزدیک کھڑا رو رہا ہوں میں تجھے بے کار پکار رہا ہوں۔ تیرہ و تار تحت الثریٰ سے کیا جواب ملے۔ اے بھائی اے بھائی زندگی کا کوئی لطف باقی نہ رہا جب بے رحمی کے ساتھ تو مجھ سے چھین لیا گیا ایک دن آئے گا جب ہم تجھ سے پھر ملیں گے اس وقت مجھ سے وہ عطیہ قبول کر جنھیں ہم لوگوں کے اجداد مقدس اور محترم ہاتھوں سے اپنے اُن عزیزوں کی قبروں پر چڑھاتے تھے جن سے وہ حین حیات میں محبت رکھتے تھے یہ نذریں بھائی کے آنسوؤں سے نم ہو رہی ہیں اب میں رخصت ہوتا

ہوں سلام تجھ پر اور تمام ہراس و بیم سے تجھ کو امان۔

واضح ہو کہ اس شاعر نے بھائی کی قبر پر نوحہ خوانی کے انداز کو خوب دکھلایا ہے اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ کوئی غیر فطرتی اوچھ مضامین بالا کیے دیتے ہیں کہ بھائی کا غم بھائی کو کس طور پر ہونا چاہیے یعنی برادر متوفی کے غم کا کیا تقاضا ہے اگر کوئی غیر فطرتی مذاق کا شاعر ہوتا تو ایسے محل میں آسمان سے خون برساتا ابر سے آنسو گرواتا اور اسی طرح کے بدقرینہ مضامین سے نوحے کی تمام تاثیروں کو کھو دیتا۔ یہاں شاعر نے اظہار غم کے فطرتی رنگ کو اختیار کیا ہے جس کے سبب سے دل پر چوٹ سی لگتی ہے جاننا چاہیے کہ غیر فطرتی انداز کے مضامین سے حظ کا اُٹھنا ممکن نہیں ہے۔ جب تک کہ مذاق سامع شاعر کے مذاق کی طرح خراب نہ ہو لے غیر فطرتی شاعری مطبوع نہیں ہو سکتی ہمارے عہد کی دیسی شاعری بہت اصلاح طلب ہو رہی ہے نامطبوع استعارات اور مبالغہ پردازیوں نے وہ بے لطفی پیدا کر رکھی ہے کہ ایسی شاعری کا کوئی اثر دل پر پیدا نہیں ہوتا برخلاف اس کے ہندی شاعری دیکھی جاتی ہے۔ ہندی کے دوہرے گیت وغیرہ جو مثتر استعارات مبالغہ پردازیوں اور بے معنی نازک خیالیوں سے معرّا ہوتے ہیں۔ عجب تاثیر رکھتے ہیں اُن کی سادگی اور فطرتی خوبیاں نشتر کا کام کرتی ہیں جو حال اُردو کی شاعری کا ہے وہی فارسی کی شاعری کا بھی ہو رہا ہے۔ اگر سادگی اور فطرتی انداز بیان میں دلربائی نہ ہوتی تو بے چارے سعدی حافظ کو کون پوچھتا۔ میر صاحب کو کون مانتا افسوس ہے بہت سے شعرائے فارسی و اردو نے فطرتی خوبیوں سے انحراف کر کے شاعری کو سوہان روح بنا رکھا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ وضاحت کے ساتھ بدمذاق شعرا کے حالات حوالۂ قلم ہوں گے۔ جن سے شاعری کی صحت مذاق کی حقیقت

منکشف ہو گی۔

ورجل شاعر رومی ورجل (Virgil) سرآمد شعرائے روم ہے اور رومی شاعروں میں ہومیروس کا درجہ رکھتا ہے گو فی نفسہ کسی طور پر ہومیروس کا ہم پلہ مانا نہیں جا سکتا ہے شاعری کی قوت کا فرق ان دونوں میں وہی ہے۔ جو فردوسی اور نظامی میں پایا جاتا ہے۔ یہ شاعر انیس[19] برس قبل جناب مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا۔ ورجل عہد قیصر آغسطس (Caezar Augustus) کا شاعر ہے اس عہد میں رومیوں کا لٹریچر پختگی کو پہنچ چکا تھا اس قیصر کے زمانے میں سلطنت روم ہر طرح کے خرخشے سے پاک ہو کر امن و مرجع خلائق ہو رہی تھی اہل فن اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے نثر نگاری اور شاعری دونوں عروج کو پہنچ چکی تھیں چنانچہ اس بادشاہ کا عہد ترقی لٹریچر کی وجہ سے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ اہل فرنگ جب کسی ایسے زمانے کا ذکر کرتے ہیں کہ جس میں لٹریچر کی ممیز ترقی دیکھی جاتی ہے یا جس میں شعرا اور نثار بکثرت دیکھے جاتے ہیں تو ایسے زمانے کو عہد آغسطس کے ساتھ یاد کرتے ہیں انگلستان کی ملکہ این (Queen Anne) کا زمانہ بھی عہد آغسطس کہلاتا ہے اس لیے کہ اس ملکہ کے عہد حکومت میں بڑے بڑے ناظم و نثار مثلاً اڈیسن (Addison) و اسٹیل (steel) و پارنل (Parnell) و پوپ (Pope) و ٹکل (Tickell) وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ بہر حال ورجل نے ایسا زمانہ پایا ہے کہ جس میں ہر طرح کا امن و امان حاصل تھا سلطنت رو بہ ترقی تھی ہر طرح کے فتنہ و فساد ہو چکے تھے تمام تر حفظ و امان کی شکل پیدا تھی قومی جاہ و حشم منتہائے اوج کو پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ورجل کی شاعری سے یہ سب معاملات آشکارا ہیں اس شاعر کی مشہور تصنیف منظوم ایینڈ

(Aeneid) ہے یہ کتاب بارہ ابواب یا مقالات سے مشتمل ہے اور اس میں اس نے اینیس (Aeneas) کی سرگردانی اور نبرد آزمائی کے حالات حوالۂ قلم کیے ہیں اس کتاب کی پہلی چھ جلدیں آڈیسی کا انداز رکھتی ہیں کس واسطے کہ جس طرح آڈیسی میں یولیسس کی سرگردانیوں کے احوال رقم ہیں اُسی طرح ان چھ جلدوں میں اینیس کی سرگردانی کے احوال مذکور ہیں باقی چھ جلدوں میں اینیس کی نبرد آزمائیاں ویسی ہی درج ہیں کہ جیسے ایلیڈ میں اہلِ ٹرائے اور اہلِ یونان کی جدال و قتال کے احوال تحریر ہیں پس سمجھنا چاہیے کہ ورجل نے جو اپنی زبان میں ہومیروس کے رنگ کی کتاب لکھی ہے اس کی ترتیب ہومیروس کی ایلیڈ کے برعکس رکھی ہے یعنی ہومیروس نے پہلے ایلیڈ لکھی ہے بعد ازاں آڈیسی تصنیف کی ہے مگر ورجل نے پہلے آڈیسی تب ایلیڈ لکھی ہے بہر حال یہ شاعر ہومیروس کے تتبع سے خالی نہیں ہے۔ تتبع در کنار بہت مقاموں میں مضامین کی موافقت گمان سرقہ پیدا کرتی ہے۔ خیر جو کچھ تتبع یا سرقے کا الزام ورجل پر عائد کیا جائے اس شاعر نے اپنی زبان میں ایک ممتاز کتاب رزمی شاعری کی تصنیف کی ہے جس سے اُس کی اور اُس کی قوم کی بقائے نام کی شکل قائم ہو گئی ہے یہ شاعر اپنی طباعی خوش بیانی اور موزون طبعی کی بدولت اکابر شعرائے عالم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اور تمام تر ہومیروس، فردوسی، ملٹن بیاس، بالمکی، میر انیس کے ساتھ یاد کیے جانے کا استحقاق رکھتا ہے اس کی تصنیف مذکور کے متعلق جو قصہ ہے وہ یہ ہے۔

جب اہلِ یونان نے ٹرائے (Troy) کا محاصرہ کیا اور آخرکار اس شہر کو غارت کر ڈالا تو اینیس (Aeneas) کسی طرح وہاں سے بچ کر کوہ آئیڈا (Ida) کی طرف بھاگ نکلا اس شخص کے ٹرائے میں رہنے کی وجہ یہ تھی کہ پرائم (Priam)

بادشاہ ٹرائے کی بیٹی اس کے حبالۂ نکاح میں در آئی تھی - بہرحال ٹرائے سے بھاگنے کے وقت اُس نے کاندھوں پر اپنے بوڑھے باپ کو اُٹھا لیا اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا اور زوجہ سے کہا کہ ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے چلی آ - اس شکل سے جب وہ اس پہاڑ تک پہنچا تو اُس نے وہاں جہاز بنائے اور جائے مناسب میں بسنے کی غرض سے سفر دریا اختیار کیا - ورجل لکھتا ہے کہ جب وہ جزیرہ سسلی (Sicily) سے ایطالیہ (Italy) کو جا رہا تھا اُس کے جہاز بہک کر ساحل افریقہ سے جا لگے شہر کارتیج (Carthage) جو لب ساحل واقع تھا اُس زمانے میں اُس کی ملکہ ڈائیڈو (Dido) تھی - اُس ملکہ نے انیس کو بہت تواضع اور مدارات کے ساتھ اپنا مہمان کیا انیس نے بطور تحفہ اُسے ہلن (Helen) کی کوئی پوشاک دی اُس کے قیام کے زمانے میں ڈائیڈو اُس پر فریفتہ ہو کر اُس سے مناکحت کی خواستگار ہوئی - مگر دیوتاؤں نے انیس کو اس پیوند کی اجازت نہ دی یہاں سے جب انیس روانہ ہوا تو مقام کیومی (Cumae) میں پہنچا یہاں سائبل (Sybil) نے انیس کو دوزخ کی سیر اس غرض سے کرائی کہ انیس اپنے پدر متوفی سے اپنے حالات آئندہ کو دریافت کرے - یہاں سے انیس بہت سی سرگردانیوں کے بعد دریائے ٹائیبر (Tiber) میں داخل ہوا جیسا کہ اوپر رقم ہو چکا ہے - یہ دریا ملک ایطالیہ میں واقع ہے - اُس وقت ایطالیہ کا بادشاہ لٹینس (Latinus) تھا اُس بادشاہ نے انیس کی بڑی خاطرداشت کے ساتھ مہمانداری کی اور اپنی بیٹی سے جس کا نام لوینیا (Lavinea) تھا بیاہ کر دینا چاہا مگر لوینیا کی ماں نے اس لڑکی کو قبل میں ٹرنس (Turnus) سے جو ایک بادشاہ تھا منسوب کرنا چاہا تھا - اسی سبب سے ٹرنس انیس کے ساتھ

آمادۂ کارزار ہوا بہت سی لڑائیوں کے بعد یہ بات تجویز پائی کہ یہ دونوں والد ویاخود باہم نبرد آزمائی کریں تاکہ بندگان خدا کشت و خون سے محفوظ رہیں اس نبرد آزمائی میں ٹرنس اینیس کے ہاتھ پر مارا گیا اور اینیس نے لوینیا سے شادی کرلی۔ اپنے خسر کے انتقال کے بعد اینیس ایطالیہ کا بادشاہ ہوا۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد راہی ملک بقا ہوگیا۔

واضح ہو کہ رومیان سابق اپنے کو اینیس کی اولاد کہتے تھے اور اپنا تعلق ٹرائے کے ساتھ بوضع بالا بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ورجل نے عالی نسبی کے اثبات میں بیان بالا کو اختیار کیا ہے۔ اینیس کی نسبت اہلِ روم کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ شاہزادہ انکائیسس (Anchises) کا بیٹا بطن زہرہ سے تھا۔ زہرہ ایک مؤنث دیوتا مانی جاتی تھی اور عام زنان کی طرح اُس سے اجرائے نسل کی شکل ممکن تھی یونانیوں اور رومیوں کے معتقدات کو دیکھ کر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود حاصل رہنے علم و فضل کے یہ قومیں حد درجے کے توہمات میں مبتلا تھیں۔ اُن کی شاعریاں بھی اسی واسطے تمام تر اوہام وغیرہ سے بھری نظر آتی ہیں اور واقعی امر یہ ہے کہ جو شخص ان قوموں کے مذہبی اخلاقی اور تمدنی معاملات سے مطلع نہیں ہے ان کی شاعریوں سے حظ اُٹھا نہیں سکتا بہرحال وہمی خیالات کو علیحدہ کرکے بھی ان کی شاعریوں میں اس قدر لطف اور ندرت ہے کہ اگر ایشیائی زبانوں میں ان کے ترجمے ہو جائیں تو بہت کچھ توسیع خیالات شاعرانہ کی صورت پیدا ہو سکتی ہے افسوس ہے کہ اکثر ہمارے ملکی شعرا یونان اور روم کی شاعریوں سے حسب خواہ اطلاع نہیں رکھتے اسی واسطے ان کے قدم ان کے محدود دائرۂ شاعری سے باہر نہیں پڑتے ہیں دیسی شاعری کے خیر خواہوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ فائدہ رسانی کی نظر سے ہومیروس ورجل اور دیگر شعرائے یونان کے کلاموں سے افادت کے سامان پیدا فرمائیں۔

ہارس شاعر رومی

ورجل کے بعد روم کا نامی شاعر ہارس (Horace) ہے یہ شاعر ورجل کی طرح رزمی شاعر نہیں ہے اس کے اشعار غزل وقصیدہ دونوں کے رنگ رکھتے ہیں۔ مؤلف کے خیال میں اس شاعر کا کلام سفو شاعرہ اور پنڈار کے رنگوں سے ممزوج معلوم ہوتا ہے۔ ہارس نے بیشتر اوڈ لکھے ہیں جو قصائد کی تشبیب سے مشابہت رکھتے ہیں اُس کے کلام کا کچھ ترجمہ ذیل میں عرض کیا جاتا ہے۔ کلام ذیل ایک اوڈ ہے جس میں ہارس اپنی معشوقہ پیرا کی بیوفائی اور تلون مزاجی کی شکایت کرتا ہے اور یہ عورت جو ایک درباری عورت تھی اُسے سمندر سے تشبیہ دیتا ہے۔ تشبیہ سمندر کے ساتھ اس مشابہت سے دیتا ہے۔ کہ سمندر جب ٹھہرا ہوتا ہے تو مسطح شکل ہوتا ہے اور اس سے باسباب ظاہر کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا ہے مگر جب تموج ہو جاتا ہے اور ہلاکت کا نقشہ دکھلانے لگتا ہے ویسی ہی پیرا کی کیفیت ہے کہ پہلے نہایت مطبوع انداز دکھلاتی ہے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کے تلون کا سمندر موجزن ہونے لگتا ہے اور عاشق کی جان پہ آبنتی ہے اس تشبیہ کے بعد اپنی معشوقہ کو خطاب کرکے کہتا ہے کہ ہم بھی تیرے فریب کے سمندر میں ڈوب چکے تھے مگر کسی طرح بچ نکلے اگر اس کی تصدیق درکار ہو تو کوئی جاکر دیکھ لے میری تصویر اور بھیگی پوشاک خدائے بحور کے مندر میں آویختہ ہیں یہ بیان قصہ طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل روم جیسا کہ بالا میں ذکر ہوا ہے بڑے بت پرست تھے منجملہ انواع اقسام کے دیوتاؤں کے ایک بہت بڑا دیوتا مانا جاتا تھا کہ جس کا نام نپچون (Neptune) تھا۔ یہ دیوتا سمندروں کا مالک تھا اور تمام معاملات بحری اُس سے متعلق سمجھے جاتے تھے اس دیوتا کے لیے ایک بہت بڑا مندر بھی

تعمیر کیا گیا تھا اور اہل حاجت وہاں پرستش اور پرستاری کی نظر سے جایا کرتے تھے منجملہ اور رسومات مذہبی کے رومیوں کا یہ بھی دستور تھا کہ اگر کوئی رومی سفر بحری اختیار کرتا تھا اور اتفاق وقت سے اُس کا جہاز تباہ ہو جاتا تھا اور وہ خود کسی صورت سے بچ کر وطن کو واپس آتا تھا تو ادائے سپاس کی نظر سے وہ نجات یافتہ شخص نیچون کے مندر میں حاضر ہوتا اور ایک تصویر اُس میں آویزاں کرتا اس تصویر میں اُس شخص اور اُس کے جہاز کی صورت کھنچی رہتی تھی مراد اس تصویر آویزی سے یہ تھی کہ خدائے بحور نے تصویر کے آویزاں کرنے والے پر رحم کیا ہے اور ہلاکت سے نجات دی ہے اس واسطے ادائے سپاس کی نظر سے ایسی تصویر کا آویزاں کرنا ضرور ہوا۔ ایسے وہمی مراسم سے رومیوں کی مذہبی عقل کا انداز خوب کھلتا ہے۔ باوجود افراط عقل و دانش کے یہ قوم مذہبی خیالات کی صفائی مطلق نہیں رکھتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل دنیا اور عقل دین دو شئے ہیں اس زمانے میں بھی بہت سی عاقل قومیں دیکھی جاتی ہیں جو باوجود پیدا کرنے ہر طرح کی دنیاوی ترقیوں کے مذہبی معاملات میں عاجز نظر آتی ہیں یہ قومیں ہزاروں علمی طریقے دنیا حاصل کرنے کے جانتی ہیں۔ اور اس وقت علوم و فنون میں درجۂ کمال حاصل کر چکی ہیں۔ مگر مسئلہ توحید سے تمام تر بے خبر ہیں خدائے واحد کی پرستش کا مضمون اُن کی سمجھ میں آتا ہی نہیں ہے خیر اہل یونان اور اہل روم یا اور بھی بہت سی موجود قومیں جو دنیاوی شائستگی کا نمونہ سمجھی جاتی ہیں اگر بت پرستی سے خالی نہیں تو نہ ہوں تعجب ہے اُن اہل اسلام سے جو خواجہ خضرؑ کا بیڑا یا کاغذی کشتی بنانے والے ہیں۔ ہر سال ہزاروں جُہّال زبانی توحید کے قائل۔ برسات کے دنوں میں گنگا، گماتی، ستّہن، بن، تین اور اسی طرح کی ندیاں اور نالوں میں کاغذی کشتیاں دھوم دھام سے حضرت خواجہ خضرؑ کی

نذر کیا کرتے ہیں اعوذ باللہ من ذٰلک بہرحال پارس کے اوڈ کا مفہوم راقم ذیل میں عرض کرتا ہے امور بالا کے عرض کر دینے سے یہ غرض تھی کہ قصہ طلب مضامین کے بیان سے کلام شاعر آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاسکے کس واسطے کہ ہر ملک کی شاعری کچھ نہ کچھ رسوم ملکی سے متعلق ہوا کرتی ہے اور ناواقفیت کی حالت میں نہ سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ سامع کے دل کو لذت یاب سخن کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس رسم سے واقف نہ ہو کہ ایک وقت میں یہ دستور تھا کہ جو کوئی فریادی ہوتا تھا وہ دادخواہی کی غرض سے پیراہن کاغذی پہنتا تھا تو ایسا شخص مرزا نوشہ کے اس مطلع کو یعنی ؎

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی اُس سے لطف سخن اُٹھا سکتا ہے۔ خیر حضرات ناظرین اب پارس کے اوڈ کی طرف توجہ فرمائیں گو ترجمے سے اُس کے اصلی کلام کا لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔

خطاب بہ پیرا

اے پیرا تو کس جوان حسین کو جو عطریات میں ڈوبا ہوا ہے خلوت کدوں میں ہم آغوش کیے رہتی ہے کس کے لیے تو اپنی زلفیں اس سادگی کے ساتھ سنوارا کرتی ہے ہزار حیف کہ وہ تیری طرف سے مطمئن ہو رہا ہے اُسے کیا معلوم کہ اُسے تیری بے وفائی کی بدولت کیا کیا نہ اشک ریزی کرنی ہو گی اُسے اُس کی کیا خبر ہے۔ کہ تو ابھی کیا سے کیا ہو جانے والی ہے وہ بیچارہ کیا جانتا ہے کہ تو وہ سمندر ہے کہ

جو ہر تموج ہوا کے ساتھ کیفیت گوناگون پیدا کرتا ہے اے پیرا جس نے تجھ پر اعتماد کیا ہے کہ تو اس کی ہو رہی ہے اس کو ہوا کی غیر استقلالی سے تمام تر بے خبری ہے

کمبخت وہ ہیں جن کی آنکھوں ہیں تو بھلی لگتی ہے مگر انھیں تیری حقیقت سے اطلاع نہیں ہے میری سرگزشت تو میری اُس تصویر سے ظاہر ہے جو خدائے بحور کے مندر کی دیوار پاک سے آویزاں ہے اور اُن تر کپڑوں سے جو وہاں لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ہم غرق ہونے سے بدشواری بچ نکلے ہیں

واضح ہو کہ ہارس اپنے کلام بالا میں اُسی مضمون کو شرح و بسط کے ساتھ حوالہ قلم کرتا ہے جس کو مرزا صائب نے مطلع ذیل میں باندھا ہے۔ ؎

چو می بینم کسے از کوے تو دل شاد می آید
فریبے کز تو اوّل خوردہ بودم یاد می آید

مگر معشوقہ خودکام سے نجات پانے کے مضمون کو حافظ علیہ الرحمۃ نے نہایت خوبصورتی اور پُر تاثیری کے ساتھ غزل ذیل میں فرمایا ہے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند
وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بیخود از شعشعہ پرتو ذاتم کردند
بادہ از جام تجلّی بصفاتم دادند

چہ مبارک سحرے بود و چہ فرخندہ شبے
آن شب قدر کہ این تازہ براتم دادند

چوں من از عشق رخش بیخود و حیران گشتم
خبر از واقعۂ لات و مناتم دادند

من اگر کامروا گشتم و خوش دل چہ عجب
مستحق بودم و این رہ بز کاتم دادند

بعد ازین روے من و آئینہ حسن نگار
کہ درینجا خبر از جلوۂ ذاتم دادند

ہاتف آں روز بمن مژدۂ این دولت داد
کہ بیازار غمت صبر و ثباتم دادند

این ہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد — اجر صبرے ست کز آں شاخ نباتم دادند
کیمیائے ست عجب بندگیٔ پیر مغاں — خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند
بحیاتِ ابداں روز رسانید مرا — خط آزادگی از حسن عمائم دادند
عاشق آندم کہ بدام سرِ زلفِ تو فتاد — گفت کز بندِ غم و غصہ نجاتم دادند
شکرِ شکر بشکرانہ بیفشاں اے دل — کہ نگار خوش و شیریں حرکاتم دادند

ہمت حافظ و انفاس سحر خیزاں بود
کہ ز بندِ غمِ ایام نجاتم دادند

واضح ہو کہ خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ کے عہد شباب کی معشوقہ شاخ نبات تھی جس کا نام غزل بالا میں آیا ہے یہ عورت لولیان شیراز سے تھی۔ مگر حسن و جمال ایسا رکھتی تھی کہ شاہزادگان و امرازادگان اُس کے اوپر جان دیتے تھے۔ اتفاق وقت سے حافظ علیہ الرحمۃ اُس کے گھر پہنچے۔ وہ عورت ان کے انداز عاشقی کو دیکھ کر کہنے لگی کہ بغیر نقش ورم کے کوئی عمل کارگر نہیں ہو سکتا۔ حضرت مالدار نہ تھے مگر کچھ عرصے میں زر کافی بہم کر کے پھر اُس کے گھر گئے اس بار حسب طریق زنان بازاری وہ نہایت اخلاق سے پیش آئی۔ مختصر یہ ہے کہ اُس کے گھر شب بسر کرنے کی ٹھہری صحبت اغیار سے پاک تھی اور عشق خواجہ زوروں پر تھا اُس عورت سے قریب نصف شب گئے تک ہمکلام رہے جب اُس نے استراحت کی طرف میل دکھلایا خواجہ کو اس وقت ایک بات یاد پڑی جو اُس شب کو عمل میں لایا کرتے تھے اتفاق سے وہ شب شب آدینہ تھی۔ شب آدینہ کو خواجہ کا یہ معمول تھا کہ وہ شمع مومی لے کر مصلائے شیراز کو جاتے اور وہاں قبر پر ایک امام زادے کے جو وہاں آسودہ ہیں نہایت خلوص دل سے

اُن دو شمعوں کو روشن کرنے یہ خدمت خواجہ سے کبھی ترک نہیں ہوئی تھی الا اُس شب میں کہ شاخ نبات کے زور فریفتگی میں فراموش ہونے کو تھی۔ جس وقت خواجہ حسب درخواست اُس عورت کے مایل استراحت ہونے کو تھے کہ وہ خدمت قدیمہ امام زادے کی یاد آئی یہ سوچ کر کہ مصلائے شیراز بہت دور نہیں ہے دو گھنٹے کی تو بات ہے فوراً پھر کر چلا آؤں گا۔ شاخ نبات کے نزدیک سے اُٹھنا چاہا شاخ نبات نے آستین پکڑی مگر خواجہ نے نہیں مانا۔ گھر آکر دو شمع مومی لے کر مصلائے شیراز کی طرف روانہ ہوئے اور قبر حضرت امام زادہ پر انھیں روشن کیا اس جوش خلوص کا یہ اثر ہوا کہ شاخ نبات کی آرزو بالکل دل سے جاتی رہی اور مزاج پاک میں کچھ ایسا ولولۂ عشق حقیقی پیدا ہوا کہ دنیائے دون اور اس کے کل متعلقات کی ہوس دل سے جاتی رہی۔ واقعی یہ ان کی پاکی خیالات کا اثر ہے کہ ان کا کلام اس قدر مقبول عالم ہو رہا ہے شاعر ہوس باز و ناپاک خیال میں یہ حسن قبول کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ خواجہ کا یہ شعر ؎

ایں ہمہ شہد و شکر کز سخنم می ریزد
اجر صبریست کزاں شاخ نباتم دادند

اُن کی پاکبازی اور ان کی پاک خیالی کی بخوبی شہادت دیتا ہے۔ واقعی خدمت امام زادہ بہت کام آئی۔ اور کیوں نہ ہو دوست داری خاندان پیغمبرؐ کا اگر اتنا بھی صلہ نہ ملے تو اُس خاندان کی دوست داری سے کیا فائدہ متصور ہے۔ بہرحال خواجہ کو شاخ نبات کے بکھیڑے سے ویسی ہی نجات ہوئی جیسا کہ ہارس کو پیرا آکے دام فریب سے۔ مگر دونوں کے کلام کو موازنہ کرنے سے خواجہ کا معاملہ ہارس کے معاملے سے بہت زیادہ روحانی انداز رکھتا ہے۔ حضرات ناظرین کے آگے اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ شاعر آٹھ برس قبل ظہور حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ تھا اس کے کلام مقبول خاص و عام ہیں اور یورپ میں اس کا نام ابھی تک زندہ ہے۔

لوکن شاعر رومی۔ ہارس کے بعد رومیوں میں لوکن (Lucan) بھی ایک نامی شاعر گزرا ہے یہ شاعر ۶۵ء میں مرگیا مگر افسوس ہے کہ بنی وقت کے دین کو بے قبول کیے راہی ملک بقا ہوا۔

جوئیل شاعر رومی۔ منجملہ قابل ذکر شعرائے روم سے جوئیل (Juvenal) بھی ہے یہ شاعر ہجو گو تھا۔ ہجو گوئی سے اُس کی مراد اصلاح ابنائے زمانہ تھی اُس کے عہد میں اس کے ملکی لوگ مبتلائے بے اعتدالی ہو رہے تھے ذیل میں اس کے کلام کا کچھ مفہوم درج کیا جاتا ہے۔ یہ شاعر ۱۳۰ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے زمانے میں رومیوں کے درمیان نثر نے زور پکڑنا شروع کیا تھا اور نظم کو زوال آنے لگا تھا۔

مضامین ہجو

کوئی کیوں تیکھے اشعار سے نہ دفتر بھرے جب سڑکوں پر ایسی خلقت سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ کوئی تو ایسا ہے کہ جیلبہ ہونے پر بھی ہوا دار پر چھ غلاموں کے کاندھوں پر سوار۔ دن دوپہر کمال وقاحت کے ساتھ منظر عام میں نظر آتا ہے یہ وہ شخص ہے۔ کہ جس کا عروج ایک ترجمہ اور جھوٹی تاریخ کا ممنون ہے اس بدکرداری پر بھی اُس کی آنکھیں شرم سے علاقہ نہیں رکھتی ہیں اور وہ بیے تکلف نہایت اطمینان کے ساتھ میسنس (Macenus) کی طرح شہر سے گزار کرتا ہے سادہ اضیع ہو

کہ میسا لینیس ایک نہایت عمدہ سرشت پاک طینت اور خوش مزاج رومیوں سے تھا یہ شخص قیصر آغسٹس کے زمانے میں نیک نامی کے ساتھ زندہ تھا، پھر اس خلقت سے کوئی ایسی مالدار خاتون ہے کہ جس نے شوہر کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالا ہے اور اس کی دولت پر قابض ہو بیٹھی ہے اس کمبخت نے جو لوکسٹا (Locusta) سے بھی زیادہ حرافہ ہے شوہر کو حالت تشنگی میں ایسی شراب پلادی کہ جس میں زہر ہلاہل ملا رکھا تھا یہ نافرجام ابھی تک اس لیے زندہ ہے کہ اپنے ملک کی عورتوں کو زہر آمیزی کا نسخہ سکھلائے اس عورت کی بے حیائی کو دیکھیے کہ ہر چند اس پر سر شاہراہ ہر طرف سے لعنت ملامت کی بوچھاڑ پڑتی ہی رہی مگر شوہر کی زہر خوردہ داغدار لاش کو بخوف دہر اس نصف النہار میں شہر ہو کر اٹھوا لے گئی۔

اس زمانے میں اگر کسی کو عروج منظور رہے تو طالب عروج کو لازم ہے کہ بے دھڑک جرائم کی بنیاد پر ثروت کی عمارت قائم کرے اس زمانے میں نیکی نہیں پھلتی واہ کیا کہنا ہے بدکاریوں کے وسیلے سے کیا کیا سامان عشرت میسر نہیں آتے ہیں۔ تخت عاج جام زریں ظروف بیش بہا ایوان بلند مال و عقار سب ہی نصیب ہوتے ہیں ایسے عہد میں کسے چین آسکتا ہے اور کسے زندگانی کا مزا مل سکتا ہے۔ جب حال یہ ہے کہ باپ بیٹوں کی حریص جوروؤں کو پھر پیٹ ملغوبا کھلانے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔

واضح ہو کہ اس طرح کے مضامین ہجو ہر زبان میں دیکھے جاتے ہیں چنانچہ ایک اردو کا شاعر اپنے شہر آشوب میں سامان عشرت کے حاصل ہونے کو اس طور سے لکھتا ہے۔

ہمشیر کے وسیلے سے ملتا ہے شیرمال　　دولت تو ماں بہن کی بدولت نصیب ہے

اسی طرح دوسرے شاعر نے کسی مثنوی ہجو میں لکھا ہے ؎

ہوا ——— اس فتوے کا مفتی
بیک زن باپ بیٹے کریں جُفتی

یہ سب اشعار جو تیل کا رنگ رکھتے ہیں اور ہر زبان میں ہجو کا رنگ قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے البتہ شاعر کو اتنا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ تحریر محض فحش نہ ہو جائے افسوس ہے کہ مرزا رفیع سودا کبھی کبھی اس کا لحاظ نہیں رکھتے تھے اور دائرۂ اعتدال سے اُن کی شاعری کا قدم باہر چلا جاتا تھا حقیقت یہ ہے کہ فحش سے لطف کلام جاتا رہتا ہے مرزا سودا کی شوخی مزاج ایسی تھی کہ ان کو فحش کی طرف مائل ہونے کی کوئی حاجت نہ تھی ایسا ظریف شاعر کیونکر مائل فحش گوئی ہوا خالی از تعجب نہیں ہے یہ اعانت فحش جو وہ کر جاتے ہیں۔ اُس کا جواب اُردو کے علاوہ اور کسی زبان میں بھی کمتر دیکھا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سودا کبھی کبھی محض ناچاری سے فحش گوئی اختیار کرتے تھے۔ یعنی اگر وہ فحش گوئی پر آمادگی نہ دکھلاتے تو ان کے اعدا اُن سے بھی زیادہ فحش گوئی کے معمل ہوتے ایسی صورت میں ناچار مرزا سودا کو فحش گوئی اختیار کرنی پڑی جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دشمنوں کے واروں کو روک سکے بلکہ دشمنوں پر ان کا رُعب بھی قائم ہو گیا بہرحال جاننا چاہیے کہ فحش گوئی احاطۂ شاعری سے باہر ہے اور یہ طریقہ تمام تر واجب الاجتناب ہے۔ اُردو یا جس کسی زبان کے شاعر نے جس قدر فحش گوئی اختیار کی ہے اُس قدر اس کا کلام زنہار قابل توجہ نہیں ہے۔ ہجو گوئی اسی قدر شاعری کا حکم رکھتی ہے کہ جو فحش گوئی سے پاک ہے۔

یورپ کے عہد جہالت کا بیان اور اس عہد کی شاعری

واضح ہو کہ اہل روم بھی اہل یونان کی طرح آخر کار نیست و نابود ہو گئے اور ان کے علوم و فنون اُن کے ساتھ رخصت ہو گئے رومیوں کی بربادی کے بعد چند صدیوں تک یورپ مبتلائے جہالت رہا۔ عیسائی راہبوں کے سوا کسی کو معمولی لکھنا پڑھنا تک نہیں آتا تھا یہ راہب اکثر چھوٹی چھوٹی حکومتیں رکھتے تھے اور اپنے اپنے کلیسا میں بیٹھے ہوئے ہمارے بعض ملاؤں کی طرح کسی کو اپنے سوا قابل نجات نہیں سمجھتے تھے ایسے وقت میں کہ تمام یورپ پر ظلمت جہالت چھائی ہوئی تھی۔ اہل اسلام علوم پروری میں شہرۂ آفاق ہو رہے تھے ان کی سلطنتیں اسپین وغیرہ میں زوروں پر تھیں ایک شہر قرطبہ میں صدہا مدارس تھے ان مدارس میں عیسائی طلبہ دُور دُور ملکوں سے آکر مسلمان طلبہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور علوم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے ملکوں کو واپس جاتے تھے اپنے اپنے وطن جا کر ملکی لوگوں کو علوم و فنون سکھلاتے تھے یہ سلسلہ علم اندوزی کا عیسائیوں میں ایک عرصے تک قائم رہا جس کے سبب سے مختلف قومیں یورپ کی تعلیم یافتہ ہو گئیں اور حصول علوم کے ساتھ ان میں ہر قسم کی قوت بھی آتی گئی۔ جاننا چاہیے کہ علم کے ساتھ قوت کو ایک خاص مناسبت حاصل ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ علم ہی قوت ہے چنانچہ انگریزی ضرب المثل ہے کہ نالج از پاور ا Knowledge is Power) یعنی العلم قوۃ اور فردوسی کا یہ قول کہ

توانا بود ہر کہ دانا بود

اُسی ضرب المثل کی تائید ہے بالمختصر جب اہل یورپ اس طرح مسلمانان اسفین کی بدولت صاحب علم اور صاحب قوت ہو گئے تو. روز بروز ان میں ہر رنگ کی ترقیاں پیدا ہونے لگیں اور آخرکار یورپ اُس پایۂ شائستگی کو پہنچ گیا کہ جس کو آج ہم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے. کہ عیسائیان یورپ کی فلاح کا سبب مسلمانان اسفین ہوئے ہیں اگر یہ مسلمانان اسفین یورپ کے ایام جہالت میں علم پروری کو ملحوظ نہیں رکھتے تو آج یورپ مبتلائے جہالت رہتا اب اسفین و پرتگال وغیرہ میں اسلامی سلطنتیں باقی نہیں ہیں عرصہ ہوا کہ عیسائیان یورپ نے تعلیم یافتہ ہو کر اپنے اسلامی محسنوں کو اُن کے علاقوں سے نکال دیا مگر اُن کے علوم کے آثار مختلف اقوام یورپ میں اب بھی موجود ہیں۔ ابن الرشد کو جسے اہل یورپ آوِروز (Averroes) کہتے ہیں علمائے یورپ ابھی تک نہیں بھولے ہیں ایک وقت میں اس حکیم اسلامی کا فلسفہ تمام یورپ میں صحیح مانا جاتا تھا اور اب تک اس کے فلسفے سے حکمائے یورپ اطلاع رکھتے ہیں۔ اسی طرح یورپ کے لٹریچر میں مسلمانان اسفین کے لٹریچر کی بُو پائی جاتی ہے اور دو سَو برس قبل کی شاعریاں اسلامی اثر سے خالی نہیں معلوم ہوتی ہیں عموماً اس عہد جہالت کی شاعریاں وہی یونانی اور رومی شاعریوں کا انداز رکھتی ہیں۔ اُس عہد کے شاعر بیشتر شعرائے یونان اور روم کے متتبع نظر آتے ہیں تمام اقوام یورپ تجدید علوم کے ساتھ شاعری کی طرف بھی متوجہ ہوتی گئیں اور شاعری کو مختلف ملکوں میں فروغ ہوتا گیا۔ اُس عہد کے شعرا میں کوئی شاعر ہومیروس یا ورجل کے رتبے کا نظر نہیں آتا ہے۔

ڈینٹی شاعر سیزدہ صدی مسیحی۔ بہرحال بیان. قابل ذکر شاعر ڈینٹی (Dante)

ہے جو تیرھویں صدی مسیحی میں زندہ تھا اور واقعی نہایت ہی خلاق مضمون تھا۔ اس
شاعر کا مولد شہر فلارنس (Florence) ہے جو ملک ایطالیہ میں واقع ہے۔
اس کے عہد میں ملک ایطالیہ کی زبان در میان سابق کی زبان جو لیٹن (Latin)
یعنی لاطینی تھی باقی نہیں رہی تھی وہاں اس شاعر کے عہد میں زبان اٹالین (Italian)
مروج ہو چکی تھی جو زبان کہ اس وقت بھی بولی جاتی ہے۔ مگر یہ شخص زبان قدیم یعنی لاطینی میں
بھی ماہر تھا ایک بہت ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ ڈینٹی فلینڈرس کے مدبران ملک سے
بھی تھا اور مرد سپاہی ہونے کے باعث کسی طرح کی ملکی خدمتوں میں اُسے مجبوری
لاحق نہ تھی اس شاعر کے نام سے دنیا کا ہر پڑھا لکھا آدمی واقف ہے۔ اُس کی قوت
شاعری ایک نہایت اعلیٰ درجے کی ہے اور اُس کا شمار بڑے بڑے اساتذہ کے ساتھ
ہوتا ہے۔ منجملہ اُس کی تصانیف منظوم کے ایک اُس کی تصنیف ہے جس کا نام انفرنو
(Inferno) ہے اُس کی اس تصنیف سے تمام تعلیم یافتگان یورپ واشیا
اطلاع رکھتے ہیں۔ اس مثنوی میں ڈینٹی نے جہنم کے معاملات نہایت شاعرانہ پیرائے
میں حوالہ قلم کیے ہیں۔ ڈینٹی کی یہ تصنیف اُس کی بڑی قوت تخئیل سے خبر دیتی ہے۔

یورپ کی قدیم شاعریوں کو لکھ کر ظاہر امناسب تھا کہ راقم اُس برّ اعظم کی جدید
شاعریوں کو حوالہ قلم کرنا شروع کرتا اس سبب سے اس وقت جو وہاں کی تین سو برس
کے اندر کی شاعریاں ہیں وہ تمام تر یونان و روم کی شاعریوں کا رنگ رکھتی ہیں اختلاف
جو کچھ ہے وہ مذاق شاعری کا اختلاف نہیں ہے صرف اسباب شاعری کا اختلاف ہے
اسباب اختلاف مذہب و معاشرت و تمدن وغیرہ واقع ہوئے ہیں نفس شاعری
میں کوئی اختلاف نہیں پڑا ہے۔ مثلاً ہومیروس اور ورجل کے عہد میں رزمی اشعار میں

دیوتاؤں وغیرہ کا ذکر دیکھا جاتا ہے اب اُس کی جگہ مسیح اور ملائکہ وغیرہ کا بیان قائم ہوتا گیا ہے اسی پر اور باتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیے بالمختصر یورپ کی قدیم اور جدید شاعریوں میں بنفسہٖ اختلاف مذاق نہیں ہے اور اگر اس وجہ سے یورپ کی جدید شاعریوں کا بیان ان قدیم شاعریوں کے بعد احاطۂ تحریر میں در آتا تو سلسلۂ بیان پورے طور پر قائم رہتا مگر چونکہ اہلِ عرب کو رومیوں کے بعد ہی فروغ حاصل ہوا۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ ہندوستان سے جانب مغرب میں جتنی برآوردہ قومیں گزرتی گئی ہیں اُن کا ذکر زمانے کے التزام کے ساتھ درج ہذا کیا جائے اس واسطے رومی شاعری کے بعد اہلِ عرب کی شاعری کا بیان حوالۂ قلم کیا جاتا ہے اور اس کے بعد اہل فارس کی شاعری کا بیان عرض کیا جائے گا۔ اہل فارس کی شاعری کے ساتھ اُردو کی شاعری کی حقیقت بھی تحریر ہو گی اس واسطے کہ فارسی اور اُردو کی شاعریاں مذاق شاعری کے اعتبار سے محض شئے واحد ہیں خیالات دونوں کے ہم رنگ و ہم انداز ہیں صرف دو زبان کا فرق ہے ورنہ در حقیقت دونوں ایک ہیں۔ بعد ان بیانات کے یورپ جدید کی شاعریوں کا سلسلۂ بیان شروع ہو گا۔ اور اس میں بیشتر انگریزی شعرا کے انداز کلام سے خبر دی جائے گی۔ اس کے بعد سنسکرت کی شاعری سے بحث کی جائے گی اور اُس کے ذیل میں حتی الامکان بھاشا میں جو شاعریاں ہیں بیان ہوں گی۔ اسی کے شمول میں کبت، دوہرے اور گیتوں کے مذکور آئیں گے آخر میں چین و جاپان و برہما کی شاعریوں کے مختصر احوال رقم ہوں گے۔

انھیں بیانات کے اندر نظم و نثر کے متعلق جو ضروری امور ہوں گے اندراج پائیں گے۔

حضرات ناظرین سے التجا ہے کہ فقیر کی خطاؤں سے درگزر کر کے اُسے دعائے خیر کے ساتھ یاد فرمائیں گے

س

ہر چند نیم لائقِ بخشائیشِ تو　　　بر من منگر بر کرمِ خویشتن نگر

اہلِ عرب کی شاعری

واضح ہو کہ عرب کا ملک فطرتی اسباب اور معاملات کے رو سے یونان و روم بلکہ تمام اُن دیار اور امصار سے جہاں شاعری کو فروغ ہُوا ہے ایک علیحدہ انداز رکھتا ہے یہ امر بدیہی ہے کہ کسی ملک کی شاعری کے حُسن و قبح پر کوئی شخص اطلاع پاسکتا ہے جب تک اُسے اُس ملک کے تقاضائے فطرت اور معاملات مذہب۔ اخلاق۔ تمدن و معاشرت وغیرہ سے اطلاع کی شکل حاصل نہ ہو لے پس قبل اس کے کہ راقم اہلِ عرب کی شاعری کی کیفیتوں کو بیان کرے ضرور ہے کہ کچھ خود ملک عرب اور اہلِ عرب کے اُن حالات کو جو امور بالا سے تعلق رکھتے ہیں عرض کرے تاکہ وہ حضرات جو اُن سے واقفیت نہیں رکھتے ہیں واقف ہو جائیں اور اس واقفیت کے ذریعے سے عرب کی شاعری کے انداز کو سمجھ سکیں تحریر ذیل سے کسی قدر امور بالا کا انکشاف متصور ہے

ملک عرب اور اس کے صوبے

عرب برّاعظم ایشیا کا ایک وسیع ملک ہے اس کی شکل ناہموار طور پر مستطیل ہے اور اس کا زیادہ حصّہ بحور سے محاط ہے اسی لیے اسے جزیرہ نما کہتے ہیں یہ ملک برّاعظم ایشیا کے مغربی حصّے میں واقع ہے اور اس کے ارد گرد کے ملک فارس عراق عرب اور شام ہیں۔ مصر جو برّاعظم افریقہ کا ایک مشہور ملک ہے۔ بہت قریب اُس کی جانب مغرب میں واقع ہے ان دونوں ملکوں کو بحیرۂ احمر نے ایک دوسرے

سے جدا کر دیا ہے اور اگر یہ چھوٹا سا سمندر درمیان میں لاحق نہ ہوتا تو ان دونوں ملکوں کی زمین ایک دوسرے کی مماس ہوتی - جاننا چاہیے کہ اہل یورپ ملک عرب کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں - ایک حصہ جو زرخیز اور شاداب ہے اُسے عربیا فلکس (Arabia Felix) یعنی عرب آباد - دوسرے حصے کو جو کوہستانی ہے عربیا پیٹریا (Arabia Petraea) یعنی عرب جبالی - اور تیسرے حصے کو جو ریتلا ہے عربیا ڈزرٹا (Arabia Deserta) یعنی عرب ریگستانی کہتے ہیں - خود اہلِ عرب اس ملک کو ان ناموں پر تقسیم نہیں کرتے ہیں - اُن کی تقسیم کے رو سے ان حصوں کا نام بہ ترتیب بالا یمن حجاز اور نجد ہے -

کیفیت ملک عرب ملک عرب عام طور سے آباد و شاداب نہیں ہے بہت حصے اس کے ریگستانی ہیں - جبال بھی بہت ہیں ایک سلسلۂ کوہی بحیرۂ احمر سے مکہ معظمہ کے قریب ہوتا ہوا بحیرۂ فارس تک چلا گیا ہے - علاوہ اس سلسلے کے ایک سلسلہ اور بھی ہے جو آبنائے باب المندب سے بحیرۂ عقابہ تک جنوباً و شمالاً مغربی ساحل عرب کے تمام طول ہو کر گزرا ہے - اسی بحیرۂ عقابہ کے قرب میں طور سینا واقع ہے - جس کا ذکر کتب سماویہ میں آتا گیا ہے یہ وہی پہاڑ ہے جس کو ہمارے دیسی شعرا بیشتر غزلوں میں باندھا کرتے ہیں یہ پہاڑ خاکنائے سویز کے جوار میں ہے اور دریائے احمر سے بہت دور نہیں ہے زرخیز اور شاداب خطے صرف یمن حضرموت عمان اور لحسہ ہیں علاوہ ان کے ساحلوں کے کنارے بھی شاداب ٹکڑے پائے جاتے ہیں ایسی جگہوں میں اشجار حسب مراد نشو و نما پاتے ہیں اور اثمار بھی پیدا ہوتے ہیں - ملک عرب میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے جس میں کشتی مل سکے - کہیں کہیں چھوٹے

چھوٹے چشمے ہیں وہ بھی فصل گرما میں خشک ہو جاتے ہیں۔ جھیلیں بھی کہیں نہیں ہیں جنگل بھی جیسے کہ ہندوستان یا فارس میں موجود ہیں نہیں پائے جاتے۔ بارش بعض حصوں میں تمام سال میں ایک بار بھی نہیں ہوتی جانوران صحرائی بھی صرف چند اقسام کے ہیں۔ گرگ، شغال، پلنگ و کفتار صحراؤں میں دیکھے جاتے ہیں اور پہاڑوں میں ایک قسم کی بکریاں ہوتی ہیں جن کو اہل عرب شکار کرتے ہیں علاوہ ان کے دو چار قسم کے آہو بھی پائے جاتے ہیں جو اس ملک کے شاداب حصوں میں رہتے ہیں ان اقسام آہوان کے ایک قسم ہوتی ہے جس کی ناف میں مشک ہوتا ہے۔ اسے اہل عرب ظباء المسک کہتے ہیں پرورده جانوروں میں گائے، بیل، دُنبے، گھوڑے اور اونٹ ہیں یہ آخر کے دونوں جانور اس ملک کے شہرۂ آفاق ہیں جیسے گھوڑے اس ملک میں ہوتے ہیں روے زمین پر کہیں نہیں ہوتے مگر اہل عرب کے بیے بکار آمد ترین جانور اونٹ ہے طیور میں عقاب، باز، گدھ وغیرہ اکثر دیکھے جاتے ہیں اور تیتر، کبوتر، مُرغ وغیرہ بھی آباد حصوں میں بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔ مزاج اس ملک کا حار یابس ہے مگر جہاں کوہی مقامات ہیں وہاں کی آب و ہوا معتدل المزاج ہے صحراؤں میں ایسی لو چلتی ہے کہ آدمی کا ہلاک ہو جانا کوئی دشوار امر نہیں ہے۔ ایک ہوا چلتی ہے جسے باد سموم کہتے ہیں یہ غضب کی ہوا ہوتی ہے کہ کاروان کے کاروان کو بدحال کر ڈالتی ہے اس ہوا کے ساتھ ریت اس قدر اڑتی ہے کہ آدمی اور حیوان اس میں چھپ جاتے ہیں اور سخت ایذائیں اٹھاتے ہیں۔ پیداوار ملک کی کھجور، شہد، گیہوں، جو، تمباکو، نیل، قہوہ، قند، تمر ہندی، اقسام مصالح صمغ عربی مصطگی رومی ماہیران، انار، انگور کشمش، خربوزہ وغیرہ وغیرہ ہیں چند قسم کی معدنی اشیا بھی دستیاب ہوتی ہیں مگر ابھی تک ملک عرب کی معدنیات کی تحقیق کماحقہ طور پر نہیں ہوئی ہے۔

اہل عرب کا بیان

اہل عرب قامت اور جثے کے رو سے اوسط درجہ کے لوگ ہوتے ہیں اکثر ان میں میانہ قد اور لاغر اندام دکھائی دیتے ہیں رنگ ان کا مائل بہ زردی ہوتا ہے مگر ان کی عورتیں صاف رنگ اور خوش رو ہوتی ہیں - ان کے گزران کا طور بہت سادہ ہے لباس اور غذا کا طور سادگی سے خالی نہیں ہوتا الا شہر والے عرب جو خوش لباسی اور خوش غذائی کو محبوب رکھتے ہیں عموماً اہل عرب کی غذا شیر شتر ہے۔ شتر کا گوشت کمتر استعمال میں لاتے ہیں الا شہروں میں کہ جہاں شتر یا دنبے کا گوشت کثر سے بیسر آتا ہے۔ بدویان عرب خار پشت، موش، سوسمار، ٹڈی، نیول وغیرہ بے تکلف کھاتے ہیں اسی کثیف خواری کی وجہ سے ایرانیوں نے جب معلوم کیا کہ اہل عرب ان کے ملک کے خواہاں ہیں تو حقارت کی راہ سے کہا تھا کہ اسی مُنہ سے ملک ایران کی تمنّا رکھتے ہیں، چنانچہ صاحب شاہنامہ لکھتے ہیں ؎

زشیر شتر خوردن و سوسمار ... عرب را بجائے رسید ست کار
کہ ملکِ عجم را کنند آرزو ... تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

سوا شہریوں اور قصباتیوں کے بیشتر قبائل عرب خیموں میں اوقات کرتے ہیں اور اپنے گلوں کو چراتے ہوئے صحراؤں میں جہاں جہاں چری کے سامان میسر آسکتے ہیں پھرا کرتے ہیں یہ لوگ پورے خانہ بدوش ہیں۔ تقاضائے ضرورت سے ایک جگہ بود و باش اختیار نہیں کر سکتے یہ صحرائی عرب تھوڑے میں اوقات کر لینا جانتے ہیں ان کی غذا لباس اور طریقۂ معاشرت سے تمام تر سادگی عیاں ہے ان کا تمدّن بھی دنیا کے تمدن سے علیحدہ انداز رکھتا ہے قبیلے قبیلے کا شیخ ہی ان کا بادشاہ یا حاکم ہے۔ ان کو شائستہ اقوام دنیا کے معاملات تمدن سے کوئی علاقہ نہیں یہ لوگ یورپ کی پالسیوں سے نہ خبر نہ کوئی سروکار

دیکھتے ہیں ان کے کانوں تک بسمارک (Bismarck) اور گلیڈ اسٹن (Gladstone) کے نام تک نہیں پہنچے ہیں خصائل کے رو سے یہ بادیہ نشینان عرب جنگجو، مہمان نواز، کینہ آور اور سنگ دل ہوتے ہیں۔ ان کی اوقات گزاری کا ذریعہ لوٹ مار ہے آج تک بھی سفر حجاز ان بدویوں کے باعث سے مخطوء رہو رہا ہے۔ حرم درپیش و حرامی و ر پس سعدی علیہ الرحمتہ کا ایسا قول ہے کہ جس سے ہر زائر کعبہ خوب مطلع ہے بعثت آنحضرت صلعم کے پہلے ان مردمان صحرائی کے جو انداز تھے وہ اب بھی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان وحشیوں کو کوئی روحی فائدہ اسلام سے نہ ہوا یہ لوگ جیسے ایام جاہلیت میں تھے ویسے آج بھی ہیں۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

یہ بہت تعجب انگیز امر ہے کہ اسلام کی بدولت فارس، ہندوستان، کابلستان، عراق عرب شام، مصر، روم اور بنظر انصاف دیکھیے تو تمام یورپ نے فائدۂ علمی اٹھایا مگر بدویان عرب کی جہالت اپنی حالت پر رہی خیر اگر اسلام کا اثر ان بدویوں پر نہ ہوا تو نہ ہوا لیکن اس دین پاک نے شہری اور قصباتی عربوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے پہلے ان عربوں کے تمدنی اخلاقی اور مذہبی معاملات نہایت اصلاح طلب ہو رہے تھے مگر تھوڑے عرصے میں اسلام نے انھیں دوسری قوم بنا ڈالا مذہب ان کا بدترین شرک و کفر کا نمونہ ہو رہا تھا۔ بتوں کا شمار ایسا نہ تھا کہ کوئی شخص ان کو انگلیوں پر گن کر بتا دے سکتا خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت سال کے ہر روز کے حساب سے موجود تھے مشہور بتوں سے لات، عزا، ہبل صفا، نائلہ، مناۃ تھے۔ آفتاب ماہتاب کواکب سب کی پرستش ہوتی تھی۔ بتوں پر

جانور چڑھائے جاتے تھے۔ آدمی کی قربانی بھی کوئی تکلف خیز بات نہ تھی خدائے واحد کی کوئی پرستش نہیں کرتا تھا۔ تمدنی حالت یہ تھی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا آپس میں بے دھڑک تلواریں چلا کرتی تھیں۔ عام قانون کوئی نہ تھا۔ قانون وہی سمجھا جاتا تھا جو کسی شخص یا کسی قبیلہ زبردست کی رائے ہوئی تھی۔ اخلاقی معاملات کو کیا کوئی بتائے کہ کیا تھے کوئی گناہ یا بداطوری روے زمین پر نہیں ہے۔ جس کے مرتکب ایام جاہلیت کے عرب نہ ہوتے تھے۔ شراب خواری، قمار بازی، خونریزی، زناکاری، غارتگری، دختر کشی مروّج عام تھی ان کے ہر روز کا مشغلہ ارتکاب معاصی تھا۔ الغرض ان کے جو افعال تھے اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نقصانات سے پاک نہ تھے اور سراسر اصلاح طلب ہو رہے تھے۔ جاننا چاہیے کہ وقت ظہور اسلام عرب میں تین مذہب جاری تھے ایک تو مذہب کفار عرب کا تھا جس کا مذکور بالا میں آچکا ہے یہ مذہب بدترین مشرکانہ انداز رکھتا تھا اس میں دین ابراہیم علیہ السلام کا کچھ بھی اثر پایا نہیں جاتا تھا دوسرا مذہب عیسائی تھا جو نقصان تثلیث کے علاوہ تمام تر پیرایۂ شرک رکھتا تھا۔ تیسرا مذہب موسوی تھا جو دولت توحید کو گم کر کے ہر دو مذہب بالا کی طرح خراب ہو رہا تھا مذہبی خرابیوں کے علاوہ ان تینوں مذاہب کے پیرو یکساں طور پر معاملات اخلاقی میں پسپا ہو رہے تھے مگر صدی ہفتم میں جو اسلام نے ظہور فرمایا تو عرب میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ بانی اسلام صلعم نے بت پرستی کو جو تمام معصیت کی جڑ ہے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ شرک کی جگہ توحید سکھلائی شراب خوری، قمار بازی، زناکاری، خونریزی، غارتگری، دختر کشی کا استیصال کر دیا۔ مختلف قبائل عرب میں آشتی کے انداز پیدا کر دیے ان میں مواخات قائم کی معیشت کے آداب تبلائے تجارت کے رستے دکھلائے حق ناحق کی تمیز دلائی دنیا کے ساتھ عاقبت کی راہ

سمجھائی۔ غرض وہی اہل عرب جو مذہبی، تمدنی اور اخلاقی نقصانات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صاف ستھرے ہوکر ایک پاکیزہ قوم ہو گئے راقم کی دانست میں ایسے برے وقت میں اسلام کا ظہور اسلام کے برحق ہونے کی ایک قوی دلیل معلوم ہوتا ہے۔

عرب کی شاعری قبل و بعد بعثت صلعم

واضح ہو کہ مذہبی، تمدنی اور اخلاقی انقلاب کے ساتھ ہر قوم کے لٹریچر میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بعثت آنحضرت صلعم کے پہلے اہل عرب کا لٹریچر کچھ بھی نہ تھا ان کے لٹریچر کا دائرہ شعرگوئی سے باہر نہ تھا اور ان کی شعرگوئی بھی ایک محدود انداز کی تھی مگر ظہور اسلام کے بعد بتدریج عربی کا لٹریچر ترقی کرکے ایک اعلیٰ درجے کو پہنچ گیا اس وقت جو کتابیں صرف و نحو بلاغت، عروض تاریخ و سیر وغیرہ کی موجود ہیں۔ اہل عرب کی ترقی لٹریچر پر گواہ ہیں شاعری نے بھی پر بدلا گو عرب کی شاعری کبھی اس درجے کو نہیں پہنچ سکی جس درجے پر ہومر دوسس، ورجل، فردوسی ملٹن، بالمکی، بیاس، میرانیس، شیکسپیر، گوئٹا یا کالیداس کی شاعریاں دیکھی جاتی ہیں اس پر بھی اسلام نے عربی شاعری کے مذاق کی ایک معنی کرکے بڑی اصلاح کردی۔ اور وہ یہ کہ ایام جاہلیت میں شعرا جو مضامین فسق و فجور کو بے باکانہ طور پر باندھا کرتے تھے اور اپنی بے حیائیوں پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے یہ بدفرہنگی عہد اسلام میں یک قلم مفقود ہوگئی اور اگر مفقود نہیں ہوئی تو وہ اسلام کے رو سے ممنوع سمجھی جانے لگی لاریب اسلامی شاعری نے تہذیبی پایہ اختیار کیا بلکہ اخلاقی راہ اس مضبوطی سے اختیار کی کہ اس کی نظیر کمتر اور کسی ملک کی شاعری میں دیکھی جاتی ہے چنانچہ کلام امیرالمومنین کا ایسا اخلاقی پیرایہ ہے کہ اس کی تبعیت ہر ملک کے اخلاق آموز کے لیے ضرور معلوم ہوتی ہے

چنانچہ سعدی علیہ الرحمۃ جو ایک بڑے ولی اللہ اور اخلاق آموز گزرے ہیں بہت کچھ خرمن مضامین مرتضوی کے خوشہ چین نظر آتے ہیں بہرحال اب حضرات ناظرین تحریر ذیل پر توجہ فرمائیں جس سے مختصر طور پر اہلِ عرب کی قبل و بعد بعثت کی شاعریوں کے انداز ظاہر ہوں گے۔

یہ امر بدیہی ہے کہ عرب تقاضائے فطرت سے ایسا ملک نہیں ہے کہ جو شاعری کے واسطے مخلوق ہوا ہو۔ اس کو شام، فارس، ہندوستان، مصر، روم، یونان، ایطالیہ وغیرہ کی فطرتی خوبیاں نصیب نہیں ہوئی ہیں۔ جیسی جیسی خوش سوادیاں واہب العطایا نے ان ملکوں کو بخشی ہیں اُن کا ہشتم حصہ بھی اس ملک کو تفویض نہیں فرمایا ہے اگر ان ملکوں میں جائیے تو یہ معلوم ہوگا کہ فطرت نے بہت زیادہ توجہ کے ساتھ اپنی بخششیں ان کے حال پر مبذول رکھی ہیں ان ملکوں کو سبزہ گل سے آراستہ کیا ہے شادابی کے لیے کثرت سے چشمے بلکہ بڑے بڑے دریا ہر طرف بہائے ہیں۔ پہاڑوں کو اشجار و اثمار سے زینت دی ہے جنگلوں کو قبائے سبز سے مخلع کیا ہے۔ میدانوں کو فرش زمردین بنا رکھا ہے بڑی بڑی جھیل اور آبشار سے میدانی اور کوہی مقامات کو تازگی بخشی ہے طرح طرح کے مرغان نواسنج پیدا کیے ہیں اور اسی طرح کی ہزاروں نعمتیں ہیں جن سے ان ملکوں کو جنت کا نمونہ کر دکھلایا ہے۔ برخلاف اس کے اگر ملک عرب میں اس کی ایک حد سے دوسری حد تک چلے جائیے تو سوا بڑے بڑے صحرائے ریگستانی پتھریلے ٹیلوں کے جلے بھنے پہاڑوں کے بیشتر کچھ نظر نہ آئے گا یہاں کوئی جھیل لیک کومو (Lake Como) کی کیفیت کی دکھائی نہ دے گی کوئی پہاڑ دار جلنگ، منصوری، شملہ، نینی تال کے رنگ کا نظر سے نہ گزرے گا۔ کوئی دریا ڈنوب، نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون

ارس، گنگا، جمنا، سون کی حیثیت کا نہ پایا جائے گا۔ اس ملک میں نہ کوئی میدان یا کوہ ایران وکشمیر کی طرح پرُاز لالہ و نافرمان ہے نہ یہاں بلبل، قمری، فاختہ، طوطی، شاما، کویل، پپیہا بھنگراج وغیرہ کی صدائے دلکش کانوں میں آتی ہے مختصر یہ ہے کہ ملک عرب اپنی ساخت کے رو سے ایسا ملک نہیں ہے کہ شاعری کے واسطے مخلوق ہوا ہو لاریب یہاں شاعری کو میدان وسیع حاصل نہیں ہے پس ضرور ہے کہ ایسے ملک کی شاعری محدود صورت ہو چنانچہ اہل عرب کی شاعری جو ایام جاہلیت کی ہے ایسی ہی ہے تمام ان شعرائے عرب کے خیالات ایک تنگ دائرے کے اندر واقع نظر آتے ہیں ان کے تمام شاعرانہ خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ شاعر یا اپنی معشوقہ کے حسن و جمال کا ذکر کرتا ہے یا اپنے عشق و تعشق کی کیفیت کو بیان کرتا ہے یا شراب کی خوبی اور مے کشی کے لطف کو حوالۂ قلم کرتا ہے۔ ایسے ایسے مضامین کے علاوہ یا اپنی ذاتی شجاعت یا قومی بہادری کا اظہار کرتا ہے۔ یا اپنے کسی مطبوع گھوڑے یا اونٹ کو یاد کرتا ہے انھیں اقسام کے مضامین کے ساتھ ٹیلے، ریگستان صحرا وغیرہ کے متعلق کی باتیں موزون کرتا ہے لیکن واضح رہے کہ ہرچند قبل بعثت آنحضرت صلعم کی شاعری عرب کا دائرہ محدود نظر آتا ہے۔ تاہم شعرائے ایام جاہلیت کے کلام بہت فطرتی انداز رکھتے ہیں اور مجرد اس تبعیت فطرت کی بدولت بہت کچھ قابل توجہ ہیں زبان عربی برائے خود بہت کچھ وسعت بیان رکھتی ہے اور جب اس کا استعمال تبعیت فطرت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو اس کی وسعت لسانی بہت خوبیاں پیدا کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وسعت زبان اور تبعیت فطرت کی بدولت یہ شعرائے عرب اپنی شاعری کے محدود دائرے میں بہت کچھ لطف مضامین دکھلاتے ہیں ان کی شاعری کے پرُلطف ہونے کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہل عرب مزاج

گرم رکھتے ہیں جو زور آور شاعری کے لیے ایک امر ضروری ہے ان شعرائے عرب کے کلام سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی معشوقہ کی تعریف کرتے ہیں یا اپنے عشق کو بیان کرتے ہیں یا اپنی شجاعت ذاتی یا قومی کا ذکر کرتے ہیں یا اسی طرح جو کچھ موزوں کرتے ہیں اُسے کیفیت قلبی کے ساتھ حوالۂ قلم کرتے ہیں تصنع یا کمزوری دل کو اُن کے کلام میں دخل نہیں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ سبعۂ معلقہ وغیرہ کی شاعری یہی انداز رکھتی ہے

واضح ہو کہ قبل بعثت کی شاعری کا یہی انداز دیکھا جاتا ہے جیسا کہ بالا میں عرض ہوا مگر بعد بعثت شاعری کا دوسرا نقشہ ہے بعد ظہور اسلام کے بعد اہل عرب کو اقوام مختلفہ سے سابقے کی شکل پیدا ہوئی مسلمانوں کی سلطنتیں مختلف ملکوں میں پھیلیں جس کے سبب سے عرب کی شاعری میں بیّن انقلاب نمایاں ہونے لگے۔ عہد بنی اُمیّہ سے مذاق عجم اہلِ عرب کی شاعری میں داخل ہونا شروع ہوا۔ اور عہد بنی عباس میں تو عرب کی شاعری اچھی طرح سے عجمی شاعری ہو گئی زبان تک بدل گئی وہ بے ساختگی وہ بے تکلّفی وہ سادگی وہ تبعیت فطرت جو ایام جاہلیت کے شعرا کو حاصل تھی رخصت ہو گئی۔ جس خلوص جس جوش جس گداز سے شعرائے قبل بعثت شعر کہتے تھے وہ باتیں مفقود ہو گئیں۔ سلطنت کے تقاضے سے درباری شعرا پیدا ہوتے گئے شاعری ذریعۂ رزق سمجھی جانے لگی شعرا نے مدح گوئی کا پیشہ اختیار کیا۔ اس عہد میں جو دکلا اور بر سر ٹر کماتے ہیں اس کا ذ ّہ چند شعرا کمانے لگے ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ روپے پانے لگے۔ تجار نے لونڈیوں کو شعر گوئی سکھلائی اور خلفا اور اُمرا سے ہزاروں ہزار پیدا کیے غرض کہ یہ تقاضائے وقت سے شاعری جو ایک امر روحانی ہے حکم مزخرفات میں در آئی اُن زمانوں کے شعرا کے کلام سے صاف نمایاں ہے کہ اُن کی شاعری جبارین وقت کے آگے دست سوال دراز کیے

ہوئے ہیں ان درباری شعرا کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی ہے ہر نامی خلیفہ کے وقت میں
ان اجرت طلب شعرا کی یہ کثرت تھی کہ ان کے ناموں کو یاد رکھنے کے واسطے ایک نہایت
قوی حافظہ درکار ہے بہر حال ان کے کلام سے یکساں بوے زر ٹپکتی ہے اور یہ ایسا امر قبیح
ہے کہ سچی شاعری کے بہت منافی ہے۔ بالمختصر بعد بعثت شاعری عرب نے ایک
بڑا انقلاب پیدا کیا مگر بہ دانست راقم اس انقلاب سے نفس شاعری کو کوئی فائدہ نہ ہوا
بلکہ اہل عرب کے فطرتی مذاق میں ایک نقصان عظیم لاحق ہو گیا۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ
نہیں ہے کہ شاعری کو روحانیت سے تمام تر تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سچی شاعری
خلوص جوش سوز و گداز سے عبارت ہے۔ پس جہاں زر اندوزی شکم پروری اور سوشتنا کی
کو دخل ہوا وہاں پھر سچی شاعری کہاں۔ ان خلفاے عرب کے زمانوں کی شاعریاں بیشتر
ایسی ہیں کہ ان کو شاعری سے کوئی علاقہ نہیں ہے اس طرح کی جتنی شاعریاں ہیں دراصل
طومار بدمذاقی ہیں افسوس ہے کہ اہل عرب نے اپنے عہد حکومت میں باوجود ہر طرح کی
علمی ترقیوں کے شاعری میں کوئی سچی ترقی نہیں کی عموماً عربی کا لٹریچر بہت ترقی کر گیا اور
شعر گوئی کا طوفان بھی ایک مدت دراز تک بپا رہا مگر نفس شاعری کو کوئی ترقی نہیں ہوئی
بلکہ جب تک ان کی سلطنتیں قائم رہیں شاعری زوروں کے ساتھ مبتلاے بدمذاقی رہی
اگر خلفائے عرب خوش مذاق ہوتے تو شاعری کو درجۂ ابتذال کو نہیں پہنچا دیتے۔ ایسی
صورت میں نہ درباری شاعروں کی کثرت ہوتی اور نہ احاطہ شاعری کا اس قدر محدود رہ جاتا
اگر عربی شاعری کے احاطے پر نظر ڈالیے تو اس کا احاطہ فارسی کی شاعری سے بھی زیادہ
محدود دکھائی دیتا ہے۔ اہل عرب کی شاعری قصائد و قطعات و رباعیات میں محدود
معلوم ہوتی ہے۔ زبان عربی میں ایک کتاب بھی بشکل مثنوی جیسے شاہنامہ، سکندرنامہ

یوسف زلیخا وغیرہ ہیں نظر نہیں آتی ہے نہ اہلِ عرب میں غزل گوئی کا مذاق دیکھا جاتا ہے کوئی عرب کا شاعر سعدی، حافظ، جامی وغیرہ کا جواب نہیں معلوم ہوتا واقعی عرب کی شاعری کا دائرہ بہت تنگ ہے اور زیادہ افسوس اس سبب سے ہوتا ہے کہ اپنے عہد حکومت میں اہلِ عرب کو دائرۂ شاعری کے وسیع کرنے کا موقع کامل طور پر حاصل تھا جس طرح اہل عرب مختلف علوم کو زبان یونانی سے اپنی زبان میں لے آئے اگر اہلِ یونان کے مذاق شاعری کو بھی اپنی طرف منتقل کر لیتے تو مثنوی نگاری اور ڈراما نگاری عربی شاعری میں داخل ہو جاتی اگر کاش یہ مذاق آجاتا تو عرب کی شاعری یونان، روم، انگلستان اور سنسکرت کی شاعری کے ہم پہلو ہو جاتی تعجب ہے کہ اس طرف خلفائے عرب نے توجہ مبذول نہیں کی اور شاعری کو اپنی مدحت سرائی کے واسطے مخصوص جانا لاریب عہد خلفائے دمشق و بغداد کی شاعری نمونہ بدمذاقی ہے۔ اسی عہد کی شاعری کا اثر ہے جو فارسی اور اُردو کی شاعری کو بھی گھیرے ہوئے ہے اور دونوں زبانوں کی شاعریوں کی بدمذاقی کا سبب واقع ہوا ہے۔ اہلِ واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر ملک کی سچی شاعری کو قرب سلطانی سے ضرر پہنچا ہے بہت سے طباع جو شاعری کا مذاق صحیح رکھتے تھے۔ درباری شاعر ہو کر خراب ہونے گئے ہیں۔ انگلستان میں بھی آج تک ایک شخص درباری شاعر ہوا کرتا ہے اس کا کام یہ ہے کہ جب کوئی خوشی کی تقریب خاندان شاہی میں ہو تو مبارکباد لکھے اور جب خلاف اس کے کوئی امر ظہور میں آئے تو مرثیہ لکھے یہ خدمت انگلستان کے عہد جہالت کو یاد دلاتی ہے۔ ایک زمانہ انگلستان کا بھی ایسا تھا کہ اس طرح کے درباری شعرا کثیر الوجود تھے ارباب تحقیق پر روشن ہے کہ سچا شاعر قرب سلطانی کا جویا ہو نہیں سکتا یہ کام ناشاعر کا ہے کہ سلاطین اور اُمرا کی جوتیاں جھاڑتا پھرے۔ یہ شیوہ سعدی و حافظ نے کبھی اختیار

نہیں کیا اور بعض سچے شاعروں میں سے مثلاً فردوسی اور لارڈ ٹینیسن (Tennyson) وغیرہ نے اختیار کیا بھی تو بشکل مجبوری اختیار کیا مگر اس تقریب سلطانی پر بھی جاہ طلبی سے دور رہے اور اپنے فن کی شرافت اور عظمت کے آگے دنیا کے مال و منال کو لاشئ سمجھتے رہے الغرض تقرب سلطانی کا برا اثر سچی شاعری پر پڑتا ہے بہت سے عمدہ شاعر گزرے ہیں کہ اگر ان کو تقرب سلطانی حاصل نہ ہوتا تو اُن کی صحت مذاق میں خلل واقع نہیں ہوتا اس کی مثال متنبی ہے کہ جو واقعی بہت بڑا طباع شخص ہے مگر اس کا کام یہی ہے کہ سیف الدولہ کافور وغیرہ کی مدحیں لکھا کرے یہ امر بدیہی ہے کہ جو پیٹ کے لیے اہلِ حکومت کی مدح کیا کرے اُس میں آزادی، راستی، خلوص، گداز کی صفتیں کیونکر باقی رہ سکتی ہیں ایسا شخص اگرچہ کیسا ہی شریف مزاج طبیعت دار خوش مذاق صاحب حیا اور راست باز ہو تو بھی اس طرح کا ذلیل پیشہ اختیار کرنے سے آخر کرائے کا ٹٹو ہو جائے گا۔ راقم کو متنبی کی قسمت پر بہت افسوس آتا ہے کہ ایسے صاحب ذہن و ذکا کو تقدیر نے ایسی ذلیل خدمت سپرد کر دی یہ بے چارہ ہمیشہ مدح گوئی کیا کرتا تھا اور جب مدح سرائی میں کچھ کمی کرتا تو مورد عتاب ہوتا تھا چنانچہ سیف الدولہ کے رفع آزردگی کے لیے جو اشعار کہے ہیں اُس کا مطلع یہ ہے۔

أَدَى ذَالِكَ الْقُرْبُ صَارَ ازْوِرَارَا وَصَارَ طَوِيلُ السَّلَامِ اخْتِصَارَا

کوئی شک نہیں کہ تمام اشعار بڑی ذہانت اور طباعی سے خبر دیتے ہیں۔ مگر سچے شاعر کا یہ کام نہیں کہ جو متنبی کو کرنا پڑتا تھا اگر اس کے ممدوحین شاعری کا مذاق صحیح رکھتے تو ایسے طباع شخص سے شاعری کے عمدہ عمدہ کام لیتے اگر مجرد شاعری کی قابلیت پر لحاظ کیجیے تو متنبی سخن آفرینی اور طباعی میں کبھی ہومیروس، ورجل وغیرہ سے کم نہیں ہے

مگر افسوس یہ ہے کہ اس نے شاعری کے اعتبار سے نہ مناسب زمانہ نہ مناسب ملک پایا یا سلطنت کی بدمذاقی کے باعث یہ حیرت افزا شاعر بے کار عالم وجود میں آیا بلکہ ہزار حیف کہ دنیا سے درباری شاعر کا پورا نمونہ بن کر راہی ملک بقا ہوا علاوہ متنبی کے بہت سے اور بھی درباری شعرا ہیں کہ جن کا بیان خالی از طوالت نہیں ہے خلفائے بغداد کے درباران سخن فروشوں سے بھرے رہتے تھے کہاں تک کوئی ان کے نام لے۔ یہ شعرا بیشتر حصول مال و منال کے لیے شعر کہتے تھے ان لوگوں کو شاعری کے مذاق صحیح سے کیا علاقہ ان لوگوں نے شاعری کو ایک کثیر النفع روزگار سمجھ لیا تھا اور زراندوزی کی نظر سے شعر کہا کرتے تھے بعض جب شکل منفعت نہیں دیکھتے تھے تو شاعری کو خیرباد کہہ کر کوئی دوسرا دھندا اختیار کرتے تھے چنانچہ کثیر سے جو لوگوں نے پوچھا کہ اب شعر کیوں نہیں کہتے تو اس نے جواب میں یہ کہا کہ جوانی گزر گئی عزہ مر گئی عبد العزیز نہ رہا اب نہ وہ اُمنگ ہے نہ ولولہ نہ کوئی امید صلہ پھر کون سی شے باقی ہے۔ جو مجھ سے شعر کہوائے ایسا جواب سوائے ناشاعر کے اور کون دے سکتا ہے اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ شاعری میں جوانی و پیری کو کیا دخل ہے بلکہ شاعری تب ہی جوان ہوتی ہے جب شاعر پیر ہوتا ہے جوانی کے اشعار بھی اشعار ہوتے ہیں بیشتر اس عمر کے ایسے ہی اشعار ہوتے ہیں کہ خود شاعر معمر ہو کر اُن کی اصلاح کرتا ہے یا انھیں ضائع کر ڈالتا ہے۔ علاوہ اس کے شاعری کو دل سے تعلق ہے۔ اور معاملات دلی جو واقعی معاملات دلی ہوتے ہیں جوانی اور پیری سے بحث نہیں رکھتے یہ کیسا خیال ہے کہ جب جوانی گئی تو شاعری بھی رخصت ہو گئی سچا شاعر یا شاعری کا سچا مذاق رکھنے والا جوانی اور پیری میں یکساں شاعری کا دوستدار ہوتا ہے بلکہ سچی شاعری کے لیے تو یہ کہنا نہایت صحیح ہے کہ عمر کا آخر

اُس پر کچھ نہیں ہوتا بلکہ سچا شاعر نہ پیر ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے سدا جوان و زندہ رہتا ہے کس واسطے کہ شاعری کی وہ آگ جو اُس کے قلب میں خدا کی جانب سے ڈالی جاتی ہے اس کو نہ بوڑھا ہونے دیتی ہے اور نہ مرنے دیتی ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دوسرا سبب شاعری کے ترک کا جو کثیر نے عزہ کے مرنے کو قرار دیا یہ بھی ایک بے معنی امر ہے اگر کثیر سچا شاعر ہوتا تو اُس کی شاعری اس واقعے سے اور ترقی کر جاتی اس کا کلام اور مزہ دار ہو جاتا معشوقہ کا مرنا سچے شاعر کے لیے نہایت مضمون خیز امر ہے اس حادثے سے شاعری کا ترک ہو جانا چہ معنی دارد پہلے اگر کثیر عزہ کے عشق میں غزل سرائی کیا کرتا تھا تو اب اُس کے مرثیے لکھتا جیسا کہ مومن خاں دہلوی نے مرگ معشوقہ پر ایک نہایت پُر درد مرثیہ لکھا ہے۔ مگر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کثیر کو عزہ کے ساتھ ویسا ہی تعلق تھا جیسا کہ ہوسناکوں کو ہوا کرتا ہے۔ تیسرا سبب یہ کہ عبدالعزیز نہ رہا البتہ اجرت طلب شاعر کے لیے ایک امر عظیم تھا۔ درباری شاعر کو جب یافت کی صورت باقی نہیں رہی تو پھر کیوں شعرگوئی کی تکلیف گوارا کرنے لگا یہ آخر قول کثیر کا درباری شعرا کی حقیقت حال سے خبر دیتا ہے سچے شاعر کو بادشاہ کے وجود و عدم سے کیا مطلب۔ شاعری نہ ہوئی گدائی ہوئی۔ جب تک شاعر سلاطین و اُمرا سے فارغ نہ ہو بیٹھے پھر شاعر کیا ہے حق یہ ہے کہ درباری شاعروں کا مذاق شاعری ہی نہیں خراب ہو جاتا ہے بلکہ اُن کے تمام قوائے اخلاقیہ ماؤف ہو جاتے ہیں اور یہ خرابی محض شاعروں کو لاحق نہیں ہوتی گئی بلکہ تقرب سلطانی کی بدولت بہت سے علمائے ادب بھی درباری مزاج ہو گئے تھے۔ ہر صحبت کا ایک اثر خاص ہوتا ہے دربار خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس بیشتر ایسے

تھے جہاں خلقِ محمدی کا نشان دشواری سے ملتا تھا اور دینِ محمدی پاندارد تھا یا اہلِ غرض کی دست اندازیوں سے بہت کچھ اپنے مرکز سے تجاوز کر گیا تھا بیشتر خلفا شراب خوار مردم آزار، بدکار، ظلم سرشت، خوشامد دوست دشمن عقل تھے ان کے درباری بھی بیشتر بفحوائے النّاس علیٰ دین ملوکھم اُسی عقل و دین کے لوگ تھے پس ایسے درباروں کے متعلق جو شاعر یا ادیب تھے ان سے صلاح و تقویٰ کی کیا امید کی جا سکتی تھی۔ ایسے شعرا و علمائے ادب کے اخلاقِ حمیدہ کیونکر درست رہ سکتے تھے ان شعرا و علما کو خوشامد اور ظرافت سے چارہ نہ تھا اگر خلفا اور امرا کے خوش کرنے کے لیے مستعد نہ رہتے تو روپے کیونکر ملتے اکتسابِ معیشت کے لیے اُنھیں سب کچھ کرنا پڑتا تھا پھر آپس میں بغض و حسد کو راہ دیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تفضیح میں مضایقہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اصمعی جو ایک مشہور ادیب ہے اور شاید اس کا جواب کم کوئی ادیب ہوگا ایک روز امین الرشید کے وزیر فضل بن ربیع کے پاس موجود تھا اُس وقت ابو عبیدہ بھی جو اُس کا ہم پلہ ادیب سمجھا جاتا تھا وہاں حاضر تھا اصمعی نے ایک گھوڑے کے ہر عضو کی نسبت عربی اشعار پڑھے۔ ابو عبیدہ اس طرح کی اشعار خوانی سے قاصر رہا فضل نے وہی گھوڑا اصمعی کو دے دیا۔ اصمعی کہتا ہے کہ جب ہمیں ابو عبیدہ کو چھیڑنا منظور ہوتا تھا تو اُسی گھوڑے پر سوار ہو کر ہم ابو عبیدہ سے ملنے کو جاتے تھے۔ اس حکایت سے صاف ہویدا ہے کہ اصمعی باوجود ایک بڑے ادیب اور محققِ فن ہونے کے سراپا درباری مزاج کا آدمی ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے شخص کا ندیم وزیر و امیر ہونا ایک حیرت انگیز امر ہے اُس پر سے طرہ یہ ہے کہ حریف کو چھیڑنے میں اُس روش کو اُس نے اختیار کیا جو عوام کالانعام کی عموماً ہوا کرتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ درباری شاعری سچی شاعری سے

بر اصل دور ہوا کرتی ہے اور در حقیقت شاعری کا حکم نہیں رکھتی ہے۔ بہر حال اب راقم اُس شاعری کا ذکر پیش کرتا ہے جو مذاق صحیح سے خبر دیتی ہے اور یہ وہ شاعری ہے کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں قابل قدر اور قابل تعظیم ہُوا کرتی ہے اُس کی عمدگی سے ہر قوم اور ہر شخص کو اعتراف ہوتا ہے اور وہ ایسے اقوال منقح سے مشتمل ہوتی ہے جس کی مقبولیت کبھی معرض گفتگو نہیں ہوتی یہ شاعری تمام تر رضائے الٰہی کی نقل صحیح ہوتی ہے اور اس سے سچی خوشی رُوح کو مترتب ہوتی ہے اور اس انشراح کی بدولت قوائے اخلاقیہ ترقی کر جاتے ہیں اور اخلاق ذمیمہ اخلاق حمیدہ سے مبدل ہو جاتے ہیں۔ زبان عربی میں ایسی شاعری کی قلت نہیں دیکھی جاتی ہے گو درباری شاعری کی کثرت سے عربی شاعری بہت کچھ داغی ہو رہی ہے۔ بہر حال انتخابات ذیل سے عربی شاعری کے انداز ظاہر ہوں گے اور حضرات ناظرین ان انتخابات کو فقیر کی تحریرات بالا کے مضامین سے مطابق پائیں گے۔

عربی شاعری کے نمونے

واضح ہو کہ ایام جاہلیت میں بہت شعرا گزرے ہیں اُس زمانے میں جو شخص شاعر ہوتا تھا وہی تعلیم یافتہ اور محصل سمجھا جاتا تھا۔ شاعری ہی تمام کمالات کی دلیل سمجھی جاتی تھی راقم ایام جاہلیت کے انداز شاعری کو دکھلانے کے لیے کچھ اشعار کتاب سبعہ معلقہ سے انتخاب کر کے خدمت حضرات ناظرین میں پیش کرتا ہے یہ کتاب سات قصائد سے مشتمل ہے اور یہ وہ قصائد ہیں جو عہد جاہلیت میں خانہ کعبہ میں آویزاں کئے گئے تھے۔ فصحائے عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی قصیدہ انشا کرتے تھے تو اُسی خانہ کعبہ میں اس غرض سے لٹکا دیتے تھے کہ اگر کوئی شاعر دعویٰ سخن رکھتا ہو تو اُس کا جواب لکھے یہ سات قصیدے ایسے تھے کہ جن کا جواب ایام جاہلیت کے کسی شاعر سے نہ ہو سکا تھا چنانچہ یہ قصائد یوں ہی معلق رہے یہاں تک کہ

اسلام نے ظہور فرمایا اور فصاحت و بلاغت قرآنی کے سامنے اُن قصائد کا کوئی وزن باقی نہیں رہا اور تب یہ قصائد خانہ کعبہ سے دُور کیے گیے۔

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَىٰ حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ سِقْطِ اللِّوَىٰ بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

معنی :- اے ہردو ہم نشینان میرے ٹھہرو تاکہ ہم یاد میں حبیب و منزل حبیب کے جو ایک ریگ تودے پر درمیان دخول اور حومل کے واقع ہے رولیں۔

قصیدۂ اولیٰ از امرء القیس ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر ملک کی شاعری کا ایک رنگ خاص ہوتا ہے اور اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہر ملک کی افتاد ایک خاص رنگ کی ہوتی ہے ملک عرب کی شاعری خاص کر اُس عہد کی کہ جب اہل عرب کو اقوام مختلفہ سے مخالطت کی نوبت نہ پہنچی تھی اہل عرب کے طریقِ گزران سے پوری خبر دیتی ہے چنانچہ یہ شعر اُس قوم کے ملکی انداز کو خوب دکھلاتا ہے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ریتلی زمین پر کبھی معشوقہ شاعر کا قیام تھا یہ قیام بے وجہ نہ تھا وہ معشوقہ ایک ایسے قبیلے کی تھی کہ جو مویشی کی چری کے خیال سے اُس جگہ مقیم تھا اور جب وہاں چری کی صورت باقی نہیں رہی کسی اور طرف چلا گیا پس اپنے قبیلے کے ساتھ معشوقہ بھی روانہ ہوگئی شاعر جو اب اُس موضع پر پہنچا تو حبیب اور منزل حبیب کی یاد سے اُس کا دل بھر آیا اس واسطے اپنے دو ساتھیوں کو جو اُس کے ہمراہ تھے کہنے لگا کہ اے ہمدمو ٹھہر جاؤ کہ ہم یہاں اشک فشانی کرلیں اس کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شعرائے عرب جو شیلا مزاج رکھتے تھے جو شیلے مزاج والے بیشتر شاہد باز ہوتے ہیں اور اشک ریزی پر تلے رہتے ہیں ایسے مزاج والوں کا گذر ایسی جگہوں پر جہاں اُنھوں نے کبھی لطف زندگانی اٹھائے ہوں اور اب وہ جگہیں ویران دکھائی دیتی ہیں جس قدر

توحش و اندوہ اُن کے دلوں میں پیدا کرے بجا ہے صحبت گزشتہ کو یاد کرنا ایک امر فطرتی ہے کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو دل رکھتا ہو اور خوشی کے وقتوں کو یاد کرکے آہِ حسرت نہ کھینچے اس شعر سے امرء القیس کی بڑی طبیعت داری کا اظہار مقصود ہے یہ شعر ایک پُر درد معاملۂ قلبی سے خبر دیتا ہے سامع کے لیے بھی ضرور ہے کہ واردات قلبیہ کے تقاضوں سے باخبر ہو تاکہ اُس کی نیچرل خوبیوں کو حسب مراد درک کر سکے لطف گزشتہ کے مضمون کو میر تقی صاحب نے بھی خوب باندھا ہے آپ فرماتے ہیں ؎

جہاں آگئے بہاریں ہو گئی ہیں
وہاں اب خارزاریں ہو گئی ہیں

یہ دو مصرعے بہت کچھ واردات قلبیہ سے خبر دیتے ہیں اور توحش و اندوہ پیدا کرنے کے قوی آلے ہیں مرزا نوشہ کا قطعہ بھی اس جگہ قابل ذکر ہے۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں
نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

سبحان اللہ کیا انداز کلام ہے بلا شبہ اُردو کی شاعری ایسے حضرات شعرا کی بدولت ایک بڑے درجے پہنچ گئی ہے یہ کلام معجز نظام ہر ملک کے ارباب کیفیت و دانست کو وجد میں لانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اسپنے قصیدے میں امرء القیس نے صحبت

گزشتہ کے مضمون کو نہایت پسندیدگی کے ساتھ حوالۂ قلم کیا ہے اور واردات قلبیہ کی کیفیتیں زورِ بیان سے خوب دکھلائی ہیں مگر ان امور ولی کو حضرت حضرت غالب نے بھی قطعۂ بالا میں بڑی درد ناکی اور گداز کے ساتھ قلم بند فرمایا ہے اور واقعی عمر رفتہ اور صحبت گزشتہ کے مضامین ایسے ہی ہیں کہ ان کا بیان بھی ایسے ہی حسرت انگیز اور پُر جوش انداز سے کیا جائے بعض حضرات جو شاعر طبیعت نہیں ہیں اور کچھ ضرورت سے زیادہ خلط بلغم اپنی ترکیب جسمانی میں رکھتے ہیں اُن کو ایسے کلام سے کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ یا واردات قلبیہ سے بالکل معرا ہیں یا ان کی مرطوب مزاجی کے باعث اُن پر واردات قلبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا خدا جانے حقیقت حال کیا ہے مگر فقیر کو بعض ایسے حضرات سے سابقہ ہُوا ہے کہ جو ایسے اشعار سے کسی طرح کا حظ نہیں اُٹھا سکتے چنانچہ ایک روز کی سرگذشت یہ ہے کہ فقیر حسب عادت ایک شکارگاہ میں خیمہ زن تھا اس شکارگاہ میں فقیر کا آنا برسوں کے بعد ہُوا تھا۔ بار اول میں جو احباب تشریف رکھتے تھے اُن میں سے ایک صاحب بھی اس جلسۂ شکار کے شریک نہ تھے۔ کچھ تو ان میں بقید حیات نہ رہے تھے اور کچھ متفرق ہو کر جہاں تہاں چلے گئے تھے اُس وقت یہ حسرت دامنگیر ہوئی کہ اے خدا یہ چشمے یہ پہاڑ یہ جنگل تو جیسے پندرہ برس پہلے تھے اب بھی ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں مگر یہ مجلس وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ اُس وقت یارانِ رفتہ یاد آنے لگے اور جو جلسہ سابق میں لطف ہوتے گئے تھے دل کی آنکھ کے سامنے پھرنے لگے اُس گھڑی طبیعت بھر آئی اور فقیر نے شعر بالا امرءالقیس کا بڑھا اور کچھ اردو اور فارسی اشعار بھی پڑھے اس کے بعد صحبت سابق کے متعلق کچھ حسرت باتیں بھی زبان پر آ گئیں ایک شریف شخص راقم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے یہ حضرت نہ شاعری سے غرض اور نہ شکار انگنی سے مطلب رکھتے تھے کسی غرض خاص سے شکارگاہ

تک چلے آئے تھے میرے حسرت آلود کلام کو سن کر نہایت بے پروائی سے بول اٹھے کہ دنیا کا یہی طور ہے اس میں شک نہیں کہ دنیا کا یہی طور ہے مگر دل کا بھی یہی طور ہے کہ صحبت گزشتہ اور یاران رفتہ کو یاد کر کے محزون ہو ایسا شخص جو انھی اسباب غم سے محزون نہ ہو یا بہت اعلیٰ درجے کا فلسفی ہے یا اقسام سنگ و خشت سے ہے۔

فَتُوضِحَ فَالْمِقْرَاةِ لَمْ يَعْفُ رَسْمُهَا　　لِمَا نَسَجَتْهَا مِنْ جَنُوبٍ وَشَمْأَلِ

معنی۔ وہ منزل حبیب واقع ہے درمیان دخول و حومل اور درمیان توضح اور مقرات کے اور نشان منزل حبیب ابھی تک باقی ہے اس لیے کہ زمین منزل حبیب کی سطح ہے اس پر اگر باد جنوبی خاک ڈالتی ہے تو باد شمالی اس خاک کو اڑا کر لے جاتی ہے اس سبب سے منزل حبیب کا نشان باقی رہ گیا ہے اور وہ منزل خاک میں پوشیدہ نہیں ہو گئی ہے۔ شاعر نے اس شعر کر کر منزل حبیب کے حدود دار بعہ کو پورا کر دیا اور اس سے بھی خبر دی کہ اس کا نشان محو نہیں ہو گیا ہے بر بقائے نشان دل میں ولولۂ غم پیدا کرنے کے واسطے کافی ہے نشان سرائے دوست کیا کیا لطف گزشتہ نہیں یاد دلا سکتا ہے ایسی حالت میں اگر آنکھیں اشک حسرت نہ بہائیں تو کیا کریں۔ واضح ہو کہ امرء القیس نے ان اشعار میں شاعری کے داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کو نہایت بامذاقی کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ خارجی امور کی اگر اچھی تصویر کھینچی ہے تو داخلی امور کی بھی اچھی بندش دکھلائی ہے یعنی منزل حبیب کا بیان اگر اچھے طور پر کیا ہے تو منزل حبیب کے دیکھنے سے جو واردات قلبیہ پیدا ہوتی ہیں ان کو بھی پرتاثیری کے ساتھ موزون کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ان واردات قلبیہ کو صرف دو تین لفظوں کے ذریعے سے ظاہر کیا ہے مگر یہ دو تین لفظ ایسے ہیں کہ ایک دفتر کا حکم رکھتے ہیں خاص کر ایسے حضرات کے لیے جو معاملات قلبی سے اطلاع رکھتے ہیں۔

تری بعر الآرام فی عرصاتہا وقیعانہا کانہ حب فلفل

معنی ۔ اے مخاطب دیکھ تو منزل حبیب کی فضاؤں اور کشادگیوں میں آہوان سفید کی مینگنیوں کو گویا کہ وہ دانۂ فلفل ہیں۔

شاعر کہتا ہے کہ یا منزل حبیب ایسی تھی کہ ایک نہایت آباد جگہ تھی اُس میں معشوقہ قیام رکھتی تھی یا اب وہاں آہوان صحرائی رہتے ہیں اور وہ جگہ غیر آباد پڑی ہے۔ شاعر منزل حبیب کی ویرانی کو بیان کرتا ہے اور ذکر آہوان صحرائی کا اس واسطے کرتا ہے کہ یہ جانور پرلے نمونۂ وحشت ہوتے ہیں اور مدام بیابان میں رہتے ہیں۔ جب تک کوئی جگہ پورے طور پر ویران نہ ہولے یہ وہاں قیام اختیار نہیں کرتے بلا گفتگو یہ شعر نہایت نیچرل رنگ رکھتا ہے اور ایشیائی مبالغہ سے تمام تر پاک ہے فقیر نے شغل شکار افگنی میں اپنی آنکھوں سے آہوان صحرائی کو ایسے مقاموں میں قیام اختیار کرتے دیکھا ہے جو ایک وقت میں نہایت آباد ہوں گے مگر اب اس قدر وہ جگہیں غیر آباد ہو رہی ہیں کہ بے تکلف وحوش و دشتی وہاں خواب و خور کرتے ہیں۔ شاعر کے قول کا لطف تب ہی سامع کو پورے طور پر نصیب ہوتا ہے جب وہ معاملات عالم سے ذاتی خبر رکھتا ہے فقیر اس شعر کے لطف کو عرض نہیں کر سکتا۔

کس قدر یہ شعر نیچرل ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اس وقت ہندوستان میں بہت مقامات ایسے ہیں کہ جو امراء و نوابان و راجگان سابق کے قلعے اور قصور تھے مگر اب وہ افتادہ ہیں اور ان میں گرگ و پلنگ، سابر، نیل، چیتل وغیرہ رہتے ہیں اور اب وہ عمارتیں شکارگاہ کا حکم رکھتی ہیں فقیر نے بارہا ایسی عمارتوں کو دیکھ کر بے اختیار اشک ریزی کی ہے۔ اور ہر شخص جو انھیں دیکھے گا ضرور متاثر و متالم ہوگا شاعری کے واسطے ہر طرح کی اطلاع درکار ہے شاعر شاگرد فطرت ہوتا ہے۔ اُس کے کلام کے سمجھنے کے واسطے فطرت اللہ سے

باخبر ہونا واجبات سے ہے وہ شخص جو گھر کے اندر بیٹھا ہوا شعر کہتا ہے یا اس پاشکستگی کے ساتھ اُستادوں کے کلام کو سمجھنا چاہتا ہے وہ ایسے نیچرل اشعار کے لطف کو کیا پا سکتا ہے ممکن نہیں کہ ایسے خانہ نشین عنکبوت سیرت شخص کو نیچرل بیانات سے حظ کامل حاصل ہوسکے سبحان اللہ امرء القیس نے شعر بالا میں مضمون ویرانی کو خوب باندھا ہے عشرت سرائے محبوب میں جو انقلاب عظیم پیدا ہوا ہے اُسے بڑی قابلیت شاعرانہ کے ساتھ دکھلایا ہے۔ فخر المتاخرین حضرت غالب نے بھی خانہ ویرانی کے مضمون کو عجیب جدت کے ساتھ باندھا ہے آپ فرماتے ہیں۔ ؎

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ہرچند یہ شعر خود شاعر کی خانہ ویرانی کا اظہار کرتا ہے اور منزل حبیب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تاہم اس سے غایت ویرانی کا مضمون بڑی ندرت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اس شعر میں بھی امرء القیس نے شاعری کے دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا ہے اگر الفاظ خارجی معاملات واضح طور پر بیان کرتے ہیں تو اُسی کے ساتھ اُن خارجی معاملات سے جو واردات قلبیہ شکل پکڑتی ہیں وہ بھی خوب صورت طور سے معناً بیان ہو جاتی ہیں یعنی شاعر نے الفاظ سے منزل حبیب کی موجودہ حالت بیان کی ہے۔ مگر نہج بیان ایسا اختیار کیا ہے کہ جس سے اندوہ و توحش کا عالم پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے انقلاب کو دیکھ کر کیونکر کوئی آنسو نہ بہائے پس شاعر کا پہلے شعر میں یہ کہنا کہ اے میرے ہمدمو یہاں ٹھہر جاؤ کہ ہم منزل حبیب کی یاد میں روئیں نہایت قرین فطرت ہے ایسے معاملات تو الم خیز اور حسرت انگیز ہوتے ہی ہیں کیونکر دل نہ بھر آئے اور آنکھیں پر آب نہ ہو جائیں فقیر کا ایک قطعہ بھی اسی رنگ کا ہے باجازت حضرات ناظرین آثم اُسے ذیل میں عرض کرتا ہے ؎

اب نہ گل ہیں نہ وہ چمن شاداب ۔ بلبلوں کا جہاں ترانا تھا
سنتے ہیں وہ شجر بھی سوکھ گیا ۔ جس پہ صیاد آشیانا تھا

كَأَنِّي غَدَاةَ الْبَيْنِ يَوْمَ تَحَمَّلُوا
لَدَى سَمُرَاتِ الْحَيِّ نَاقِفُ حَنْظَلِ

معنی ۔ گویا کہ میں فراق کی صبح کو جس روز کہ یاروں نے کوچ کیا سمرات حی کے نزدیک حنظل کو شکستہ کر رہا تھا ۔

سمرات درخت طلح کو کہتے ہیں اور حی عبارت ہے قبیلے سے اور حنظل کو شکستہ کرنے سے مراد ہے زار زار رونا حنظل ایک نہایت تلخ پھل ہے جو شخص حنظل کو توڑتا ہے اس کی آنکھوں سے بہت آنسو رواں ہوتے ہیں اسی طرح جیسا کہ پیاز کے پیسنے والے کی آنکھ سے بہت پانی گرنے لگتا ہے ۔ پس مراد شاعر یہ ہے کہ جس دن صبح کے وقت یاروں نے کوچ کیا میں قبیلے کے درخت طلح کے پاس زار زار رو رہا تھا یہ شعر معاملات خارجی کے اعتبار سے تمام تر عربی مذاق رکھتا ہے ۔ اگر صوبہ بہار کا کوئی شاعر اس رنگ میں شعر کہتا تو درخت طلح کی جگہ درخت نیب یا درخت برگد وغیرہ کو ذکر کرتا کسی ملک خاص کے کلام سے لطف اٹھانے کے واسطے سامع کو اس ملک کی حالتوں سے باخبری واجبات سے ہے لیکن مضمون شعر ایسا طبعی ہے کہ ہر ملک کے شاعر نے یار کے وقت سفر کے مضامین کو مختلف رنگوں سے موزون کیا ہے مرزا نوشہ فرماتے ہیں ؎

جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا ۔ تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا

کسی کا یہ شعر بھی خالی درد سے نہیں ہے گو زبان پرانی ہو گئی ہے ؎

ارے مانجھی لگا کشتی مرا محبوب جاتا ہے ۔ کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے

ظاہر ہے کہ اس طرح کے معاملات خارجی کے ساتھ خاص عرب کا پیدا اور متوطن شاعر مضمون سفر کو نہیں باندھے گا کس واسطے کہ اُس کے تمام دیار میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے کہ جو سفر بحری کے قابل ہو یہ شعر ملک ہندوستان کے معاملات خارجی سے تعلق رکھتا ہے اور اہل ہند کے نہایت حسب حال ہے۔ اُستاد فن شیخ امام بخش ناسخ بھی مضمون مفارقت کو یوں باندھتے ہیں ؎

وہ اُدھر رخصت ہوا اُٹھا اِدھر طوفان اشک
تیر تا جاتا تھا اُس قاتل کا توسن آب میں

ہر چند اس شعر میں نیچرل انداز قائم نہیں رہا ہے تو بھی اس سے شیخ غفران مآب کے زور طبیعت کا اندازہ ظاہر ہوتا ہے۔ لمؤلفہ

ہوتے ہوئے رخصت تجھے اے یار نہ دیکھا
رفت رہی مجھ کو ترے وقت سفر ایسی

نہیں ہم کو معلوم کب وہ گئے
ہوئے ہوش میں اُن کی رخصت کے بعد

وُقُوفاً بِهَا صَحْبِي عَلَيَّ مَطِيَّهُمْ
يَقُولُونَ لَا تَهْلِكْ أَسىً وَتَجَمَّلِ

وَإِنَّ شِفَائِي عَبْرَةٌ مُهْرَاقَةٌ
فَهَلْ عِنْدَ رَسْمٍ دَارِسٍ مِنْ مُعَوَّلِ

كَدَأْبِكَ مِنْ أُمِّ الْحُوَيْرِثِ قَبْلَهَا
وَجَارَتِهَا أُمِّ الرَّبَابِ بِمَأْسَلِ

إِذَا قَامَتَا تَضَوَّعَ الْمِسْكُ مِنْهُمَا
نَسِيمَ الصَّبَا جَاءَتْ بِرَيَّا الْقَرَنْفُلِ

فَفَاضَتْ دُمُوعُ الْعَيْنِ مِنِّي صَبَابَةً
عَلَى النَّحْرِ حَتَّى بَلَّ دَمْعِي مِحْمَلِي

معنی - میرے احباب اُس جگہ میرے آگے اپنے ناقہ ہائے سواری کو استادہ کر کے مجھ سے کہتے ہیں کہ غم سے اپنے کو ہلاک نہ کر ڈال اور صبر اختیار کر حالانکہ میری بیماری کی صورت شفا اشک ریزی ہے پس اس منزل ویران شدہ کے نزدیک کوئی ایسا شخص ہے کہ جو میری نالہ زنی کا شریک ہو رونے سے منع کر کے پھر احباب میرے حال پر ترس کھا کر یہ بھی کہتے ہیں کہ تیرا طور عشق عُنیزہ میں ویسا ہی ہے جیسا کہ قبل ہی ام حویرث کے عشق میں تھا اور بھی ام حویرث کی اُس ہمسائی کے عشق میں تھا - جس کا نام ام الرباب اور جس کا مقام کوہ ماسل تھا یہ دونوں معشوقہ ایسی تھیں کہ جب وہ نقل و حرکت کرتی تھیں تو اُن سے بوئے مشک نکل کر پھیلتی تھی اُسی طور پر جیسے نسیم بوئے قرنفل لے آتی ہے پس جب احباب نے مجھ کو رونے سے منع کیا اور یہ کہا کہ عشق عُنیزہ سے تجھ کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا جیسا کہ عشق ام حویرث اور عشق ام رباب سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو جاری ہو گئے آنسو میری آنکھوں سے سوزش عشق کی وجہ سے اور بہ نکلے میری ہنسلی پر یہاں تک کہ میرے اشکوں نے میری دوال شمشیر کو تر کر ڈالا -

واضح ہو کہ اشعار بالا سے صاف عیاں ہے کہ سوا ملک عرب کے شاعر کے اس رنگ کے اشعار کوئی دوسرے ملک کا شاعر نہ کہے گا یہ اشعار معاملات اہل عرب سے خوب خبر دیتے ہیں اونٹوں کی سواریاں عادت شاہد پرستی جوشیلا پن حار مزاجی خوبرویوں کی طرف میلان خلقی عطریات کا طبعی شوق بہادرانہ عشق بازی یہ جتنی باتیں ہیں اہل عرب کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں حتیٰ کہ بیان فرط گریہ میں دوال شمشیر کا مضمون فروگذاشت نہ ہوا - بنگالہ کا شاعر گریہ و شمشیر میں کیا شکل مرابطت پاتا جوان دو نا مربوط چیزوں کو

بسم کر دیتا بہر حال علاوہ ملکی خصوصیتیں کے یہ اشعار بہت نیچرل انداز رکھتے ہیں گو اخلاقی پایہ ان اشعار کا بہت عالی نہیں معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ان سے پورے عشق کا انداز نہیں ٹپکتا ہے یعنی جس عشق بازی کو شاعر نے حوالۂ قلم کیا ہے وہ ہوسناکی سے خالی نہیں دکھائی دیتی ہے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس واسطے کہ عہد جاہلیت کے عرب نسوانی معاملات میں کسی اصول معقول کے پابند نہ تھے۔ بہرکیف یہ اشعار فطرتی لطف سے خالی نہیں ہیں احباب کا دوستانہ سمجھانا اور رہبر کی ہدایت کرنا اور اس فہمائش سے تخم عشق کا ترقی کرنا اور بے قراری سے اشکوں کا جوش مارنا نیچرل کیفیتوں سے خبر دیتا ہے واقعی عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ نصیحت گر کی نصیحت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ آتش عشق تیز ہو جاتی ہے اور ناصح کو چپ ہو جانا پڑتا ہے بقول استاد غزل مومن خان دہلوی ؎

نالۂ پیہم سے ہاں فرصت نہیں — حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا

فقیر کے چند اشعار فارسی جو حسب حال ہیں ذیل میں پیش کش حضرات ناظرین ہوتے ہیں

لمولفہ

ناصح تو جلوۂ رخ جاناں ندیدۂ — زلفِ سیاہ و کاکل پیچاں ندیدۂ

واعظ حدیث خوبیٔ طوبیٰ براہ شوق — زاں بیکئی کہ سروِ خراماں ندیدۂ

بر کفر من زبیخردی طعنہ سر زن — چشمش کہ ہست دشمنِ ایماں ندیدۂ

بنشیم بگو زسختی روزِ جزا سخن — رنج و مصیبتِ شبِ ہجراں ندیدۂ

طوفانِ نوح شمۂ طوفانِ اشکِ ماست — اے ابر جوش دیدۂ گریاں ندیدۂ

دوسرا امر طبعی جو امرء القیس نے حوالۂ قلم کیا ہے وہ یہ ہے کہ گریے سے غم میں تسکین ہو جاتی ہے اس واسطے وہ کہتا ہے کہ مجھے گریان دیکھ کر احباب صبر کی فرمائش کرتے ہیں حالانکہ رونا وہ شے ہے کہ مریض غم کے لیے عین شفا ہے افراط غم میں ضبط گریہ ایک خوف انگیز امر ہے جو لوگ ضبط کو راہ دیتے ہیں یا ضبط پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کا غم جلد زائل پذیر نہیں ہوتا بلکہ ممکن ہے کہ ضبط سے ہلاکت تشنج ہو حالت غم میں رونا ایک امر طبعی ہے فطرت نے گریے کو غم رُبائی کا ذریعہ بنایا ہے یہ عوام کا خیال محض غلط ہے کہ اسلام کے رُو سے گریہ کرنا امر ممنوع ہے اس تنگ چشمی کا متقاضی کبھی اسلام نہیں ہے اسلام میں کسی غیر فطرتی امر کی فرمائش نہیں ہے جب انسان کو غم ہو گا تو ضرور رو دے گا۔ اسلام ایک امر فطرتی کا کیوں مانع ہونے لگا۔ خود پیغمبر خدا صلعم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دفن ہونے کے وقت اشک باری کی ہے۔ اشک ریزی تو متوفی کا حق ہے فطرتی طور پر اس حق کی ادا کاری کیوں ممنوع ہونے لگی۔ نادانوں نے صبر کے معنی یہ سمجھ لیے ہیں کہ چشم پُر آب ہونا نہیں چاہیے اس غیر فطرتی فرمائش کا ایک بیّن نتیجہ تو یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ ایسے خیالات کے پابند جو لوگ ہوتے ہیں اُن میں ایک ممیز درجے کی سنگ دلی آجاتی ہے خدا نے بے وجہ آنسو کو مخلوق نہیں کیا ہے۔ اس کی خلقت کا مطلب یہی ہے۔ کہ دل کو نرم رکھے پس جس کے آنسو غیر فطرتی ضبط سے خشک ہو گئے ہوں اُس سے نرم دلی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ تیسرا امر طبعی جس سے شاعر نے اپنے کلام کو زینت دی ہے وہ یہ ہے کہ تقاضائے فطرت سے انسان حالت غم میں اپنے درد کا شریک ڈھونڈتا ہے پس یہ قول امرء القیس کا کہ ھَلْ عِنْدَ رَسْمٍ دَارِسٍ مِنْ مُعَوَّلٍ نہایت فطرتانہ لطف رکھتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ یہاں کوئی ایسا ہے جو میری

آہ و زاری کا شریک ہو۔ نواب سید محمد خان رند فرماتے ہیں۔ ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بلاشبہ یہ دونوں نیچرل مذاق رکھتے ہیں غم کی حالت میں کسی ہمدرد کا نہ ہونا غم کی مصیبت کو دوگونہ بڑھا دیتا ہے پس شدت غم کو ظاہر کرنے کے لیے امرء القیس نے نہایت بامذاقی کے ساتھ اس سوال کے پہلو کو اختیار کیا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ایسا کوئی غمخوار نہیں ہے جو اس کی تسکین خاطر کا سبب ہو۔

اَلَا رُبَّ یَوْمٍ کَانَ مِنْھُنَّ صَالِحٍ

وَلَا سِیَّمَا یَوْمًا بِدَارَۃِ جُلْجُلِ

وَیَوْمَ عَقَرْتُ لِلْعَذَارٰی مَطِیَّتِیْ

فَیَا عَجَبًا مِنْ کُوْرِھَا الْمُتَحَمَّلِ

فَظَلَّ الْعَذَارٰی یَرْتَمِیْنَ بِلَحْمِھَا

وَشَحْمٍ کَھُدَّابِ الدِّمَقْسِ الْمُفَتَّلِ

معنی۔ آگاہ ہو کہ بہت سے خوشی کے دن ان معشوقوں کے وصل میں بسر ہوئے ہیں۔ بالخصوص وہ دن کہ دارہ جلجل میں گزارا اور وہ دن کہ جب میں نے واسطے زنان دوشیزہ کے اپنے ناقہ سواری کو ذبح کر ڈالا اور میں نہایت تعجب کرتا ہوں اُس کے پالان سے کہ ان عورتوں نے باخود بار کر لیا تھا اس جب میں نے اپنے ناقہ سواری کو ذبح کر ڈالا تو اس روز وہ زنان دوشیزہ اُس کے گوشت بریاں کو ایک دوسری کے سامنے ڈالنے لگیں اور بھی اس کی تلی ہوئی چربی کو جو بٹے ہوئے ریشم کی طرح نرم تھی۔

ان اشعار کے مضامین قصہ طلب ہیں اور وہ یہ ہے کہ زنان قبیلہ وارد جلجل کر گئی

تھیں مگر اُن کے وہاں پہنچنے سے پہلے امرء القیس پہلے سے پہنچ کر وہاں چھپ رہا تھا اُسے یہ معلوم تھا کہ جب وہ عورتیں موضع آب میں پہنچتی ہیں تو وہاں غسل ضرور کرتی ہیں چنانچہ وہ زنان دوشیزہ جن میں عُنیزہ بھی شامل تھی موضع آب میں پہنچ کر آمادۂ غسل ہوئیں پانی میں اُترنے کے قبل سبھوں نے اپنے کپڑے اُتار ڈالے اور عُریاں ہو کر داخل آب ہوئیں۔ امرء القیس کہ اپنی گھات میں تھا اُن کے سارے کپڑوں پر قابض ہو بیٹھا اور یہ قسم کھائی کہ زنہار اُن کی پوشاکیں اُس وقت تک نہ دوں گا جب تک وہ سب پانی سے نکل کر بحالت عریانی اُس سے فرداً فرداً اپنی پوشاک کی خواستگار نہ ہوں اس پر وہ عورتیں اُس سے جھگڑنے لگیں مگر اُس نے کچھ نہ سنا ناچار اُن عورتوں سے ایک جو زیادہ شوخ تھی پانی سے نکل کر اُس کے سامنے گئی اور خواستگار پوشاک ہوئی۔ امرء القیس نے اُس کا کپڑا اُس کے حوالے کر دیا پھر اسی طرح سب آتی گئیں اور رفع عریانی کرتی گئیں۔ مگر عُنیزہ جو اُس کی معشوقہ تھی پانی سے باہر نہ آئی اور امرء القیس کو کپڑا دینے کی قسم دی اُس نے کہا کہ جس طرح اور عورتوں نے کیا تو کیوں نہیں کرتی آخرکار جب بہت مجبور ہوئی تو پانی سے باہر آئی اور طالب پوشاک ہوئی۔ امرء القیس نے اُسے اچھے طور سے عُریاں دیکھ کر اُس کی پوشاک بھی اس کے حوالہ کر دی جب سب عورتیں کپڑے پہن چکیں سبھوں نے امرء القیس کو ملامت کرنا شروع کیا اور کہنے لگیں کہ تو نے ناحق ہم سبھوں کو بھوکا رکھا اور گھر جانے میں مانع ہوا اُس پر اُس نے کہا کہ اگر ہم اپنے ناقۂ سواری کو ذبح کر ڈالیں تو تم سب تناول کرو گی سبھوں نے کہا ہاں۔ امرء القیس نے اپنے ناقے کو ذبح کر ڈالا اور ان عورتوں نے لکڑی جمع کر کے اُس کے گوشت کو بھونا اور خوب کھایا امرء القیس کے ساتھ ایک مشکیزہ شراب کا بھی تھا اُس نے انھیں

نے بھی پلائی جب کھاپی کر وہاں سے روانہ ہونے لگیں تو ان عورتوں نے امرء القیس
کے ناقۂ سواری کے پالان اور اس کے اسباب کو اپنے اونٹوں پر بار کر لیا اور خود
امرء القیس کو ان عورتوں کی سفارش سے عُنیزہ کے اونٹ پر درمیان اُس کے کوہان
اور اُس کی گردن کے جگہ ملی۔

واضح ہو کہ یہ اشعار ایام جاہلیت کے اہل عرب کی عشق بازی کی پوری تصویر ہیں
ظاہر ہے کہ کوئی شخص پابند اسلام ایسی حرکات کو کب جائز سمجھے گا۔ اسلام میں عورتوں
کو اس طرح دیکھنا فعل حرام ہے ہر چند یہ اشعار لفظاً فحش نہیں ہیں مگر معناً تمام تر فحش
ہیں یہ اُسی قسم کی شاعری ہے جسے اسلام نے ممنوع کر دیا ہے۔ علاوہ تقاضائے اسلام
کے اس وضع کی حرکتیں تمام دنیا کے قانون اخلاق کے رُو سے ناپسندیدہ ہیں ان اشعار
سے تمام تر فسق و فجور کے انداز مترشح ہیں ان ممدوح معاملات کو عشق بازی سے کیا
علاقہ ایسے ایسے افعال سوا لُچّے گُنڈوں کے اور کس سے صادر ہوں گے۔ بہر حال
ان اشعار سے اہل عرب کے عہد جہالت کے انداز اخلاق کا خوب پتا لگتا ہے
بلا گفتگو اُس عہد کے اہل عرب کی صحبت نہایت نامطبوع اور قابل اصلاح تھی
ایسے ہی معاملات پر غور کرنے سے صاف ہویدا ہوتا ہے کہ اسلام کے ایسے
دین کی کیا ضرورت تھی۔ خیر یہ اشعار امرء القیس کے اخلاقی پائے ہے جو کچھ زشت و
زبون ہوں مگر اُن سے ملکی خصوصیات کا اظہار بخوبی متصور ہے۔ سوا اہل عرب
کی طبیعت داری کے کہاں ہے کو کسی ملک کے عیاش کو اپنی سواری کے جانور کو
معشوق کے واسطے ذبح کرنے کی نوبت پہنچی ہوگی نہ اس خواہش اور رغبت کے ساتھ
کسی ملک کے معشوق نے اونٹ کے گوشت سیر ہو ہو کر چکھے ہوں گے۔ اور نہ

کسی عاشق کو معشوقہ کے اونٹ کی گردن پر سوار ہونے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ البتہ اس طرح نہاتی ہوئی عورتوں کے کپڑوں پر قابض ہو بیٹھنے کا قصہ ہندوستان میں کنہیاجی کی نسبت کہا جاتا ہے اور کسی ملک میں تو اس کی نظیر راقم کو نہیں ملی ہے۔ گو کنہیاجی کا قصہ ساختہ معلوم ہوتا ہے تاریخی ثبوت نہیں رکھتا ہے۔

وَیَوْمَ دَخَلْتُ الْخِدْرَ خِدْرَ عُنَیْزَةٍ
فَقَالَتْ لَکَ الْوَیْلَاتُ إِنَّکَ مُرْجِلِی
تَقُوْلُ وَقَدْ مَالَ الْغَبِیْطُ بِنَا مَعًا
عَقَرْتَ بَعِیْرِی یَا امْرَءَ الْقَیْسِ فَانْزِلِ

معنی:- اور وہ بھی خوشی کا دن تھا کہ جب میں عنیزہ کے محمل میں داخل ہوا۔ پس اُس نے مجھ سے کہا کہ وائے تجھ پر تو مجھے پیادہ کر دینے والا ہے (یعنی تیرے سوار ہونے سے میرا اونٹ زخمی ہو جائے گا اور قابل رفتار نہ رہے گا پھر مجھے پیادہ چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہیگا) جب میں داخل محمل ہو گیا اُس وقت وہ کہنے لگی درحالیکہ ہم دونوں کے بار سے ہودج کج ہو گیا کہ تو نے میرے اونٹ کو زخمی کر ڈالا۔ اے امرء القیس ہودج سے اُتر اور چلا جا۔

اخلاقی پہلو ان اشعار کا محتاج بیان نہیں ہے۔

فَقُلْتُ لَهَا سِیْرِی وَأَرْخِی زِمَامَهٗ
وَلَا تُبْعِدِیْنِی مِنْ جَنَاکِ الْمُعَلَّلِ
فَمِثْلِکِ حُبْلٰی قَدْ طَرَقْتُ وَمُرْضِعٍ
فَأَلْهَیْتُهَا عَنْ ذِی تَمَائِمَ مُحْوِلِ
اِذَا مَا بَکٰی مِنْ خَلْفِهَا انْصَرَفَتْ لَهٗ

فَمِثْلِکِ حُبْلیٰ قَدْ طَرَقْتُ وَمُرْضِعٍ ... فَأَلْهَیْتُهَا عَنْ ذِیْ تَمَائِمَ مُحْوِلِ
إِذَا مَا بَکیٰ مِنْ خَلْفِهَا انْصَرَفَتْ لَهُ ... بِشِقٍّ وَتَحْتِیْ شِقُّهَا لَمْ تُحَوَّلِ

معنی — جب عنیزہ نے اپنے اونٹ سے اُتر جانے کو کہا تو ہم نے اُس سے کہا کہ اونٹ کو چلا اور اس کی مہار کو ڈھیل دے اور مجھے اپنے میوۂ رسیدہ سے محروم نہ رکھ پس بہت بار تیری ایسی زن حاملہ کے پاس میں شب کے وقت گیا ہوں اور دودھ پلانے والی عورت کے پاس بھی اور باوجود اس کے مرضعہ ہونے کے اُسے اُس کے یک سالہ بچّہ سے جو اس عمر میں تعویذات پہنے رہتا ہے پھیر کر اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے پس جب اُس کا بچّہ اُس کی پیٹھ کے پیچھے رونے لگتا تو وہ آدھے دھڑ سے اُس کی طرف مڑتی درحالیکہ اس کا دوسرا آدھا میرے تحت میں تھا اور اُس کو بحالت خود رہنے دیتی

شارحوں نے اُس کو فحش صریح سے بچانے کے لیے اس کے معنی یوں بتائے ہیں کہ جب اس کا لڑکا رونے لگتا ہے تو وہ اُس کی جانب پھرتی اور گوشۂ چشم سے اُسے دیکھتی درحالیکہ ایک رخسارہ اس کا میرے زیر دہن تھا اور اُسے وہ میری جانب سے نہیں پھیر لیتی تھی اس تاویل پر بھی یہ اشعار اخلاقی پائے سے بہت کچھ گرے ہوئے ہیں عاشق کا اپنی معشوقہ سے یہ کہنا کہ شب کے وقت ہم بہت سی زنان، حاملہ اور مرضعہ کے پاس گئے ہیں اور ہرچند ایسی عورتوں کو مرد کی طرف میلان نہیں ہوتا مگر ہم ایسے مرد ہیں کہ ان عورتوں کو بھی ہماری طرف میلان ہوا — اور تو نہ حاملہ نہ مرضعہ ہے۔ تجھ کو مرد کی خواہش کیوں نہ ہو گی۔ کچھ عجب مضمون ہے خود یہ کیا کم فحش ہے۔ جو شارح کو فحش سے بچنے کی شکل پیدا کرنے کی حاجت ہوئی۔ کوئی صاحب عشق معشوقہ سے ایسی ناپاک گفتگو نہیں کرتا یہ تو محض شہدوں کی سی بات چیت ہے اور اُس کو عاشقانہ مذاق سے کیا علاقہ ایسے ہی خیالات ناپاک نے شاعری کو بدنام کر رکھا ہے

اور بلا شبہ ایسی ہی شاعری اسلام کے رو سے ممنوع ہے یہ اشعار مرزا شوق لکھنوی کے کلام کا انداز دکھتے ہیں جنھوں نے چار مثنویاں تصنیف فرمائی ہیں اور جن کی یہ سب مثنویاں پایۂ اخلاق سے گری ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ حکم گورنمنٹ سے ان کی اشاعت روک دی گئی ہے۔

وَیَوْمًا عَلَی ظَهْرِ الْکَثِیْبِ تَعَذَّرَتْ عَلَیَّ وَآلَتْ حَلْفَةً لَمْ تَحَلَّلِ

معنی۔ اور وہ بھی دن خوب تھا کہ جب پشت ریگ تودہ پر عنیزہ نے مجھ پر سختی کی اور مجھ سے رک رہی اور میری مواصلت اور ملاقات سے قسم کھائی اور ایسی قسم کھائی کہ جس میں انشاء اللہ نہ کہا اور اس کا کہنا ایسا ہوتا ہے کہ جس سے قسم باطل ہو جاتی ہے یعنی عنیزہ نے ایسی قسم کھائی کہ وہ اٹھ نہیں سکتی تو میں نے اس سے تقریر ذیل کی جو بہت سے اشعار سے مشتمل ہے۔

أَفَاطِمَ مَهْلًا بَعْضَ هٰذَا التَّدَلُّلِ وَإِنْ كُنْتِ قَدْ أَزْمَعْتِ صَرْمِي فَأَجْمِلِي

معنی۔ اے فاطمہ چھوڑ بعض اپنے ناز و کرشمہ کو اور اگر تو نے مفارقت پر آمدگی کی ہے تو مجاملت کو راہ دے یعنی کوئی شدت کی کارروائی نہ کر۔

أَغَرَّكِ مِنِّي أَنَّ حُبَّكِ قَاتِلِي وَأَنَّكِ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلِ

معنی۔ تو اس بات پر مغرور ہو رہی ہے کہ تیرا عشق درجۂ کمال کو پہنچ کر میرا قاتل ہو رہا ہے اور اس بات پر بھی مغرور ہو رہی ہے تو جو کچھ ہم کو حکم دیتی ہے میرا دل اسے بجا لاتا ہے یعنی اس یقین سے کہ تیرا عشق ہم پر غالب ہے اور جو کچھ تو کہتی ہے ویسا ہی میرا دل کاربند ہوتا ہے تو ناز و کرشمہ کرتی ہے اور مفارقت کی ٹھانتی ہے یہ بات اچھی نہیں ہے۔ عاشق سے کنارہ خوب نہیں۔

وَاِنْ تَکُ قَدْ سَاءَتْکَ مِنِّیْ خَلِیْقَۃٌ　　فَسُلِّیْ ثِیَابِیْ مِنْ ثِیَابِکِ تَنْسُلِ

معنی۔ اور اگر میرا کوئی خُلق تجھے پسند آیا ہو تو مفارقت اختیار کر تیری خوشی میں میری خوشی ہے۔ میں یہ کب گوارا کر سکتا کہ کوئی بات تیری مرضی کے خلاف ہو۔

یہ شعر بڑی کسر نفسی اور بے غرضی سے خبر دیتا ہے رضائے دوست کے مقابل میں اپنی آرزو کا خون گوارا رکھنا عین عاشقی ہے ؎

صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شماست

مگر یہاں امرء القیس جیسے بے لوث اور پاک عشق کو پیش نظر نہیں رکھتا ہے یہ تقریر خودغرضی سے خالی نہیں ہے کبھی اُس کا مطلب یہ نہ تھا کہ عنیزہ اُس سے کسی طور پر مفارقت قبول کرے اگر یہ ہوتا تو اسی قدر کہ کے رہ جاتا آئندہ کے کلام کہے دیتے ہیں کہ ایسے اظہار بے غرضی سے معشوق فریبی مراد تھی

وَمَا ذَرَفَتْ عَیْنَاکِ اِلَّا لِتَضْرِبِیْ　　بِسَھْمَیْکِ فِیْ اَعْشَارِ قَلْبٍ مُقَتَّلِ

معنی۔ تیری آنکھوں سے آنسو نہیں جاری ہوئے الا اس غرض سے کہ اپنے دونوں تیروں سے یعنی ہر دو تیر ہائے نگاہ سے میرے عشق کے مارے ہوئے دل کو تو مجروح کرے۔

واضح ہو کہ یہاں شاعر نے معشوقہ کے رونے کے مضمون کو نہایت تبعیت فطرت کے ساتھ ذکر کیا ہے عورت کے پاس قوی ترین آلہ جس سے وہ مرد پر غالب آیا کرتی ہے آنسو ہے۔ فخر المتاخرین حضرت غالب خوب فرماتے ہیں ؎

کرے ہے قتل لگاوٹ پہ تیرا رو دینا　　تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے

وَبَیْضَۃِ خِدْرٍ لَا یُرَامُ خِبَاءُ ھَا　　تَمَتَّعْتُ مِنْ لَھْوٍ بِھَا غَیْرَ مُعْجَلِ

معنی۔ بہت سی ایسی زنان حسین صافی رنگ و پردہ نشین ہیں کہ ان کے خیمے کی طرف قصد

نہیں کیا جا سکتا ہے اس سبب سے کہ وہ عورتیں صاحب رتبہ اور بڑی قوم والی ہیں اس پر بھی میں نے ایسی عورت کے ساتھ لعب و بازی کی اور وہ بھی عجلت کے ساتھ نہیں بلکہ بے خوف ہو کر۔

تَجَاوَزْتُ اَحْرَاساً اِلَیْهَا وَمَعْشَراً عَلَیَّ حِرَاصاً لَوْ یُسِرُّوْنَ مَقْتَلِیْ

معنی ۔ میں اُس تک یعنی اُس زن پردہ نشین تک پہنچ گیا پاسبانوں کو ٹپ کر اور بھی ایسے لوگوں کو جو پوشیدہ طور پر میرے مقتل کے خواہاں تھے یعنی ہر چند اس زن پردہ نشین کے نیچھے کی محافظت پاسبان کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی نگہبان تھے جو میری شجاعت شعاری کی وجہ سے برملا طور پر میرے قتل پر اقدام نہیں کر سکتے تھے تاہم میں اس زن پردہ نشین تک پہنچ گیا اور محافظین سے کچھ نہ ڈرا۔

شعر آئندہ میں شاعر زن پردہ نشین تک پہنچنے کے وقت کو بیان کرتا ہے ۔ واضح ہو کہ معشوقہ کے ساتھ اس وضع کی گفتگو کہ میں ایسا عیاش دلیر ہوں اور میں اعلیٰ درجہ کی عورتوں کے ساتھ اس طور پر پیش آیا ہوں اور یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے ۔ سچے مذاق عشق بازی سے بعید ہے ظاہراً ان سب باتوں کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اے عنیزہ اگر تو مجھ سے کنارہ کشی پر آمادہ ہے تو یہ خوب نہیں ہم ایسے بہادر عیاش ہیں کہ اپنا جواب نہیں رکھتے تو میرے عشق کی قدر کر اور مجھ سے مفارقت روا نہ رکھ۔

اِذَا مَا الثُّرَیَّا فِی السَّمَاءِ تَعَرَّضَتْ
تَعَرُّضَ اَثْنَاءِ الْوِشَاحِ الْمُفَصَّلِ

میں اُس زن پردہ نشین تک اُس وقت پہنچا کہ جس وقت پروین نے آسمان میں اپنے کرانہ و ناحیہ کو آشکارا کیا مثل آشکارا کرنے اُس حمیل کے جس کے دو مہروں کے

درمیان کچھ زر کی چیز حایل رہتی ہے اپنے کرانہ و ناجیہ کو
واضح ہو کہ یہاں ثریا کو تشبیہ کمر زیب کے ساتھ دی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ ا
کمرزیب موتیوں سے بناتے تھے اور جب موتیوں کو رشتے میں پرودتے
دو موتیوں کے درمیان زر کے تار دینے یا زرین دلنے داخل کرتے تھے تو جب
پرودین کے تار سے ایک دوسرے سے فرق معلوم ہونے ہیں کمرزیب کے م
بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نظر آتے تھے لاریب یہ تشبیہ نہایت خو
مرغوب ہے مختصر یہ ہے کہ شاعر اپنے جانے کے وقت کو بیان کرتا ہے کہ
وقت اس زن پردہ نشین کے پاس پہنچا کہ جب عقد ثریا آسمان میں نمودار

فَجِئْتُ وَقَدْ نَضَّتْ لِنَوْمٍ ثِيَابَهَا لَدَى السِّتْرِ إِلَّا لِبْسَةَ الْمُتَفَضِّ

معنی:- پس آیا میں اس محبوبہ کے پاس درحالیکہ وہ بغرض خواب اپنے کپڑے
جامہ شب خوابی کے پردے کے پاس اتارے ہوئے تھی یعنی سونے کی طرف مائل ہو چکی
اس واسطے جامہ شب خوابی پہنے ہوئے تھی اور اپنی معمولی پوشاک کو پردے کے پا
اتار کر رکھ دیا تھا۔

واضح ہو کہ یہ معاملہ امرء القیس کی بڑی ڈھٹائی سے خبر دیتا ہے اور یہ ایک
سین کی تصویر ہے کہ سوا ایک بہادر طبیعت دار کے کسی بودے ہو
آدمی کو ایسے سین کے دیکھنے کا اتفاق ہو ہی نہیں سکتا ہے بہادر قوم کی ہا
بہادرانہ انداز رکھتی ہے ایسے عشقیہ معاملات کو انھیں اقوام سے تعلق ہوتا
جن کی خلقت میں بہادری داخل رہتی ہے اس سین کو ایک گونہ شیکسپیر کے
جولیٹ کے اس سین سے مشابہت ہے کہ جہاں رومیو۔ جولیٹ کے ا

ن پر کھیل کر گیا ہے اور جو لیٹ اس سے پوچھتی ہے کہ کس طرح اس کا وہاں
ہ سکا اور کیونکر اسے اعدا کا خوف نہ آیا اور کیوں اسے جان عزیز بھاری

ہے۔

فَقَالَتْ یَمِیْنَ اللّٰہِ مَا لَکَ حِیْلَۃٌ   وَمَا اِنْ اَرٰی عَنْکَ الْغَوَایَۃَ تَنْجَلِیْ

ی:۔ پس کہا اس محبوبہ نے کہ بخدا تیرے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے یعنی تو جو
یا ہے تو اب تیرے واسطے کوئی صورت جان بری کی نہیں ہے ضرور تو مارا
گا۔ اور میں دیکھتی ہوں کہ تجھے جہالت عشق دور نہ ہوگی یعنی تو عشق میں ایسا دیوانہ
ہے کہ سودائے عشق تیرے سر سے جانے والا نہیں ہے   **لمؤلفہ**

تو جائے مگر اے حضرت ناصح   اس زلف سیہ فام کا سودا نہیں جاتا

خَرَجْتُ بِھَا تَمْشِیْ تَجُرُّ وَرَآءَنَا   عَلٰی اَثَرَیْنَا ذَیْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ

ی:۔ میں باہر لایا اس محبوبہ کو درحالیکہ وہ چلتی تھی اور کھینچتی تھی پیچھے ہم دونوں
شہارے قدم پر دامن کو اپنے گلیم منقش کے۔ یعنی ہم اسے اس کے بیت سے
تے اور جب وہ چلی تو اپنی گلیم کو زمین پر گھسیٹتی چلی تا ہم دونوں کے نقش ہا پد
ہو اور پہچان میں نہ آسکیں۔

ہو کہ اہل عرب نقش پا سے دوست دشمن کو پہچان لیتے تھے اور آسانی
شخص مفرورہ کا سراغ لگا لیتے تھے بہت سی حکایات ایسی ہیں کہ جن میں آثار
مفرورین کا تعاقب کیا جانا منقول ہے اور اس طرح کی پہچان اہل عرب
پر موقوف نہیں ہے براعظم افریقہ اور براعظم آسٹریلیا وغیرہ میں بہت
سی اقوام ہیں جو نقش پا کو خوب پہچانتی ہیں اور مفرور کا تعاقب منزلوں

تک کر کے اسے گرفتار کر لیتی ہیں ان اقوام کو نقش پا کی ایسی پہچان ہے کہ پتھریلی زمینوں پر سے بھی جو مفرور گذر کرتا ہے اور جہاں بظاہر اس کا نقش پا نام کو بھی تمیز میں نہیں آتا ہے وہاں بھی اپنی مشق شناخت سے پورا کام لیتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مشق آدمی کو تب ہی بہم پہنچتی ہے جب وہ ابتدائے سن شعور سے اس کی طرف توجہ کرتا ہے زیادہ سن میں اس کی مشق کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے فقیر نے اس کو امتحان کر کے دیکھا ہے اور وہ اس طرح پر کہ شغل صید افگنی میں جانوران کو ہی دوشتی کے نقش پا کو پہچاننے کی بڑی حاجت ہوتی ہے اور ہر چند فقیر اس کی شناخت کسی قدر رکھتا ہے مگر نہ اس قدر جتنا کہ مردمان کوہی دوشتی وغیرہ رکھتے ہیں یوں تو ہر شکاری جانور دل کے طرح طرح کے نقش پا کو پہچانتا ہے مگر ان کو ایسے سنگی مقاموں پر تمیز کر لینا جہاں باسباب ظاہر کوئی نقش پا محسوس نہ ہو آسان کام نہیں ہے ایسی شناخت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص عہد طفولیت سے کوہ و دشت میں رہ کر اس کی مشق کا سلسلہ جاری رکھتا ہے فقیر کے رسالہ صید کے ملاحظے سے یہ امور وضاحت کے ساتھ دریافت میں آ سکتے ہیں۔ یہاں تقریر کو طول دینے کا موقع نہیں ہے

فَلَمَّا اَجَزْنَا سَاحَةَ الْحَیِّ وَانْتَحَی بِنَا بَطْنُ خَبْتٍ ذِیْ حِقَافٍ عَقَنْقَلٖ

معنی:- پس جب کہ فضائے آبادانی سے ہم لوگ باہر نکل گئے اور پہنچے زمین پست میں کہ جس میں کج اور منتشر تودہائے ریگ واقع ہیں یعنی آبادی سے نکل کر ایک ویران جگہ پہنچے جہاں خوف اعدا کچھ نہ تھا تو حالت اطمینان میں میں نے یہ کہا جو بیت ذیل میں ذکر ہوتا ہے۔

هَصَرْتُ بِفَوْدَیْ رَأْسِهَا فَتَمَایَلَتْ   عَلَیَّ هَضِیْمَ الْکَشْحِ رَیَّا الْمُخَلْخَلِ

معنی:۔ کھینچا میں نے اپنی طرف دونوں کاکل سر محبوبہ کو پس وہ میری طرف مائل ہوئی درحالیکہ وہ محبوبہ باریک میان اور پُر گوشت ساق ہے۔

واضح ہو کہ محبوبہ کا باریک میان اور پُر گوشت ساق ہونا محبوبہ کے خوش اندام سے خبر دیتا ہے اور اس سے شاعر کی خوش مذاقی کا اظہار متصور ہے۔

مُهَفْهَفَةٌ بَيْضَاءُ غَيْرُ مُفَاضَةٍ   تَرَائِبُهَا مَصْقُوْلَةٌ كَالسَّجَنْجَلِ

معنی:۔ وہ معشوقہ نازک میان و رنگ سپید رکھتی ہے اور اس کا پیٹ فربہ اور بد گوشت نہیں ہے اور اس کا سینہ آئینے کی طرح صیقل کردہ ہے۔

یہ سب اوصاف بھی محبوبہ کی جسمانی خوبیاں ظاہر کرتے ہیں اور شاعر کے خوش پسند ہونے پر دال ہیں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اہل عرب بھی اقوام یورپ و سکنائے شام و عراق و ایران و کابلستان کے مانند سفید رنگ کو محبوب جانتے ہیں۔ سانولا یا سیاہ رنگ و پسند نہیں کرتے چنانچہ تمام اہل یورپ اور بھی ان ملکوں کے شعرا محبوب کے رنگ کو جب بیان کرتے ہیں تو تیرگی سے مبرّا دکھاتے ہیں مگر ہندوستان میں گو سفید یعنی گورا رنگ نامحمود نہیں سمجھا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی سانولا رنگ خالی لطف سے نہیں تصور کیا جاتا ہے ظاہرا سبب اس کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند کے دیوتا سری کرشن جی سانولا رنگ رکھتے تھے مگر ملک حبش میں سوا رنگ سیاہ کے کوئی دوسرا رنگ محبوب و مطبوع قیاس ہی نہیں کیا جاتا ہے چنانچہ جب اہل فرنگ پہلی بار ملک حبش میں گئے۔ تو اہل حبش ان کے سفید رنگ کو دیکھ کر بہت ہنسے

اس واسطے کہ آدمی کا گورا ہونا ان کی آنکھوں میں نہایت مذموم متصور تھا یہ ہم لوگوں کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ قومی مذاق میں اعتبارات ملکی کو ہمیشہ دخل ہوا کرتا ہے۔

کَبِکْرِ الْمُقَانَاۃِ الْبَیَاضِ بِصُفْرَۃٍ　　غَذَاھَا نَمِیْرُ الْمَاءِ غَیْرُ مُحَلَّلِ

معنی:۔ وہ محبوبہ مانند اس دُریکتا کے ہے جس کی سفیدی میں زردی شامل ہوتی ہے اور جس کی تربیت ایسے صاف پانی سے ہوتی ہے کہ جو پانی فرودگاہ مردمان نہیں ہوتا یعنی جس محل آب پر آدمی نہیں اترتے اور اس سبب سے وہ پانی گدلا نہیں ہوتا ہے یہاں شاعر نے محبوبہ کو ایک گوہر پُر صفا سے تشبیہ دی ہے اور وہ نسبت وہی صفا ہے نہ رنگ گوہر۔ بلاشبہ یہ تشبیہ نہایت لطیف انداز رکھتی ہے اور کسی ملک کے تعلیم یافتہ اور بامذاق شخص کو اس تشبیہ کی عمدگی میں عذر ہو نہیں سکتا

تَصُدُّ وَتُبْدِیْ عَنْ اَسِیْلٍ وَتَتَّقِیْ　　بِنَاظِرَۃٍ مِنْ وَحْشِ وَجْرَۃَ مُطْفِلِ

معنی:۔ وہ محبوبہ مُنہ پھیرتی ہے مجھ سے اور اس منہ پھیرنے میں اپنے رخسارہ کشیدہ کو ظاہر کرتی ہے اور وقت نگاہ کرنے کے درمیان میرے اور اپنے اپنی آنکھ کو حائل کرتی ہے جو صحرائے وجرہ کے ان آہوان سے مشابہت رکھتی ہے جنھوں نے نئے بچے جنے ہیں وجرہ ایک صحرا ہے جو درمیان مکہ اور بصرہ کے واقع ہے اور نئے بچہ دینے کی یہ تخصیص ہے کہ اس وقت میں مادہ آہو ضعیف ہوا کرتی ہے پس چونکہ آنکھ کی تشبیہ عموماً آہو کے ساتھ دی جاتی ہے۔ اور شعرائے عرب و عجم آنکھ کو ضعیف و بیمار بھی لکھا کرتے ہیں اس واسطے شاعر نے وقت تشبیہ دہی اس تخصیص کو ملحوظ رکھا۔ بہرحال آنکھ کی تشبیہ آہو کے ساتھ ایک معقول تشبیہ ہے اور تمام

تعلیم یافتہ ملکوں میں یہ تشبیہ ایک امر مسلم ہے ہندوستان میں بھی یہ تشبیہ معروف عام ہے چنانچہ مرگ نین ایک مشہور قول ہے۔

وَجِیدٍ کَجِیدِ الرِّئْمِ لَیْسَ بِفَاحِشٍ   إِذَا هِیَ نَصَّتْهُ وَلَا بِمُعَطَّلِ

معنی:۔ اور وہ محبوبہ اپنی گردن آشکارا کرتی ہے جو گردن آہو کی طرح اور گردن آہو کا یہ طور ہوتا ہے کہ جب آہو اپنی گردن کو اٹھاتا ہے تو اس کی گردن کا جس درجہ اعتدال سے گذر نہیں جاتا ہے اور نہ خالی پیرایۂ خوبی سے ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ گردن معشوق کی تشبیہ گردن آہو کے ساتھ شعرائے عرب کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اور کسی ملک کی شاعری میں ایسی تشبیہ کمتر دیکھی گئی ہے۔ مگر یہ تشبیہ لطف سے خالی نہیں ہے معناً خبر دیتی ہے کہ معشوق کو بلند گردن ہونا چاہئے کوتاہ گردن ہونا معشوق کا تو در کنار کسی آدمی کا کوتاہ گردن ہونا خالی از قبح نہیں ہے شعرائے فارسی واردو بھی گردن کے بلند ہونے کو ممدوح جانتے ہیں گو عموماً اہل ہند کا یہ مذاق نہیں معلوم ہوتا ہے اہل فرنگ بھی گردن بلند کو لوازم حسن سے شمار کرتے ہیں اور گردن معشوق کو گردن شُوآن سے تشبیہ دیتے ہیں شُوآن ایک قسم فاز بط کی ہے اور اس کے گردن نہایت بلند اور خوب صورت ہوتی ہے فارسی و اُردو کے شعرا جو گردن کو صراحی دار باندھتے ہیں اس کا سبب بھی یہی ہے کہ صراحی کی گردن بلند اور خوش نما ہوتی ہے اور واقعی گردن بلند عجب دل آویزی رکھتی ہے اور بلا شبہ انسان کی خوش ترکیبی سے خبر دیتی ہے شاید تمام دنیا میں خاتونان انگلستان بہترین گردن رکھتی ہیں جن حضرات کو صاحب نظر کے طور پر ان کے مشاہدے کا اتفاق ہوا ہوگا فقیر کی رائے

سے موافقت فرمائیں گے۔

وَفَرعٍ یَزِینُ المَتنَ اَسوَدَ فَاحِمٍ اَثِیثٍ کَقِنوِ النَّخلَۃِ المُتَعَثکِلِ

معنی:۔ اور وہ محبوبہ اپنے موے دراز کو آشکارا کرتی ہے کہ جو اس کی پشت کو زینت دیتے ہیں اور بال اس کے نہایت سیاہ کثیر اور پیچیدہ ہیں مثل خوشہ ہائے نخل کے کہ جو نہایت بار آور ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ شعرائے فارسی و اردو کے کلام میں ایسی تشبیہ نہیں دیکھی جاتی ہے شک نہیں کہ یہ ایک نہایت عمدہ تشبیہ ہے اور تمام تر موافق فطرت ہے

غَدَائِرُہَا مُستَشزِرَاتٌ اِلَی العُلٰی تَضِلُّ العِقَاصُ فِی مُثَنًّی وَمُرسَلِ

معنی:۔ گیسوے تافتہ اس کے بلند کئے گئے ہیں برتری کی طرف یعنی دھاگوں سے سر کے اوپر بندھے ہوئے ہیں اور بالوں کی یہ کثرت ہے کہ موے گرہ زدہ گم ہیں اس کے موے تافتہ اور ناتافتہ ہیں

ان دونوں شعر بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ زنان اہل عرب چند طور سے بال گوندھا کرتی تھیں اور ان کے بال فطرت کی رُو سے بھی اچھے انداز کے ہوتے۔

اس زمانے میں خاتونان یورپ کے بال اتنی شکلوں سے سنوارے جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ فیشن کی کوئی حد ہی معلوم نہیں ہوتی ہے بہت سے فیشن ایسے ہیں کہ ہم لوگ بیچارے ہندوستانیوں کو ان کا مطلب ہی سمجھنا دشوار ہے قدر دانی تو در کنار۔

وَکَشحٍ لَطِیفٍ کَالجَدِیلِ مُخَصَّرٍ وَسَاقٍ کَاُنبُوبِ السَّقِیِّ المُذَلَّلِ

معنی:۔ اور وہ محبوبہ آشکارا کرتی ہے۔ ایسی تہی گاہ کو جو مثل مہار شتر کے

بھی نازک ہے اور آشکارا کرتی ہے ایسے ساق کو مانند انبوب سیراب شدہ اور رام
کے ہے۔

وَتُضْحِي فَتِيتُ الْمِسْكِ فَوْقَ فِرَاشِهَا + نَؤُومُ الضُّحَى لَمْ تَنْتَطِقْ عَنْ تَفَضُّلِ

ع :- جب وہ محبوبہ صبح کو سوکر اٹھتی ہے تو اس کے بستر پر ریزہ ہائے مشک
جاتے ہیں یعنی اس کے سونے سے بستر معطر ہو جاتا ہے اور وہ خواب میں
ہے تا وقت چاشت اور بعد جامۂ شب خوابی پہننے کے اپنی کمر نہیں باندھتی
بزادی ہے اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی کہ وقت سحر بیدار ہو اور کام
یں لگے اور بعد پہننے جامۂ شب خوابی کے کمر باندھ کر کسی کی خدمت کرے۔

ہو کہ محبوبہ کی بوبائی سے بستر یا قالین یا دریا یا ہوا کا بوبا ہو جانا فارسی اور
کے شعرا باندھتے گئے ہیں فرق اس قدر ہے کہ اہل عرب محل بوبائی میں
کو یاد کرتے ہیں اور فارسی اور اردو کے شعرا گل کو ناسخ فرماتے ہیں ؎

بحر ہر اک شیشہ گلاب ہوا معطر اس کے نہانے سے بس کہ آب ہوا

ایضاً

بائے جو گل اندام ہمارا اک دم عطر کھینچیں ابھی عطار گل قالین کا

وَتَعْطُو بِرَخْصٍ غَيْرِ شَثْنٍ كَأَنَّهُ أَسَارِيعُ ظَبْيٍ أَوْ مَسَاوِيكُ إِسْحِلِ

ع :- اور وہ محبوبہ چیزوں کو انگشتہائے نرم سے پکڑتی ہے اور وہ انگلیاں
سخت نہیں ہیں گویا کہ وہ انگلیاں یا مانند اس کرمک وادی ظبی کے ہیں کہ جن
قسم کہتے ہیں یا مانند مسواک ہائے درخت اسحل کے ہیں۔

ہو کہ محبوبہ کی انگلیوں کا نرم ہونا ایک بڑی صفت ہے اکثر وہ عورتیں جو

محنت یا مزدوری کیا کرتی ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں شاعر یہاں انگلیوں کی نرمی کو بیان کر کے محبوبہ کی اس صفت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجے کی عورت ہے جو ناز و نعمت میں پالی گئی ہے اس سبب سے اس کی انگلیاں سخت نہیں ہو گئی ہیں بلکہ کمال درجے کی نرمی رکھتی ہیں پھر شاعر محبوبہ کی انگلیوں کو اسروع سے تشبیہ دیتا ہے یہ ایک کیڑا ہوتا ہے جس کا سر سرخ اور بدن نہایت نازک اور نرم ہوتا ہے یہ کیڑا وادی ظبی ہیں جو ملک عرب کا ایک مشہور وادی ہے پایا جاتا ہے دوسری تشبیہ انگلیوں کی شاعر نے مسواک ہائے اسحل سے دی ہے یہ ایک درخت ہے جس کی شاخیں نہایت نرم ہوا کرتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ تشبیہیں محض لوکل یعنی موضعی ہیں اور ایسی نہیں ہیں کہ بغیر اطلاع سابق کے ہر ملک کا آدمی ان تشبیہوں سے لطف اٹھا سکے مگر مطلب شاعر کا ایسا ہے کہ تمام دنیا کے آدمی اس کے ساتھ اتفاق کریں گے یعنی محبوبہ کی انگلیوں کا نازک و نرم ہونا ایک بڑی صنعت ہے۔

تُضِیءُ الظَّلَامَ بِالْعِشَیِّ کَاَنَّھَا　　　مَنَارَۃُ مُمْسٰی رَاھِبٍ مُتَبَتِّلِ

معنی:- وہ محبوبہ روشن کرتی ہے تاریکی کو اپنے چہرے سے گویا کہ وہ محبوبہ راہب باخدا پیوستہ کی شمع شام ہے یعنی محبوبہ کے رخسارہ روشن سے سیاہی ویسی ہی دور ہو جاتی ہے جیسا کہ راہب کے چراغ شام سے تاریکی دفع ہوتی ہے راہبوں کا دستور ہے کہ شام کے وقت جائے بلند پر ایک تیز روشنی اس غرض سے کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی مسافر راہ گم کردہ ہو تو راہ پر آجائے۔

شاعر یہاں محبوبہ کی شمع روئی کو چراغ راہب سے تشبیہ دیتا ہے اور بلا شبہ یہ

تشبیہ نہایت خوب و مرغوب ہے یہ ایسی تشبیہ ہے کہ علاوہ شعرائے فارسی وارد و کے اس کے ساتھ تمام اہل یورپ اور بھی وہاں کے لوگ جہاں محبوبہ کی شمع سوئی کو ایک مرمقبول جانتے ہیں اتفاق رکھتے ہیں۔

اِلیٰ مِثْلِهَا یَرْنُو الْحَلِیْمُ صَبَابَةً ۔ اِذَا مَا اسْبَکَرَّتْ بَیْنَ دِرْعٍ وَمِجْوَلِ

معنی :- ایسی محبوبہ کی طرف جس کے اوصاف بالا میں بیان ہوئے مرد کامل العقل بھی سوز و گرمی عشق کے ساتھ نظر کرتا ہے جبکہ وہ اس سن کو پہنچتی ہے کہ جو سن میان سن زنان جوان و سن دختران نابالغہ کے ہوتا ہے یعنی جب محبوبہ ابتدائے سن بلوغ کو پہنچتی ہے تو اس وقت عاقلوں پر بھی آفت آجاتی ہے ان کی ساری عقل ہوا ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ یہ شعر نہایت فطرتی انداز رکھتا ہے اور شاعری کے پیرائے میں حسن کی پُرتاثیری سے خبر صحیح دیتا ہے اس رنگ کے اشعار فارسی اور اُردو میں بہت موجود ہیں۔

تَسَلَّتْ عَمَایَاتُ الرِّجَالِ عَنِ الصِّبَا ۔ وَلَیْسَ فُؤَادِیْ عَنْ هَوَاكِ بِمُنْسَلِ

معنی :- دور ہوئیں مردوں کی جہالتیں انقضائے کودکی کے بعد لیکن میرے دل سے تیرا عشق جوانی کے بعد بھی زائل نہ ہو۔

یہ شعر عجیب لطف رکھتا ہے عشق کا تقاضا ہی یہ ہے کہ کبھی زائل نہ ہو جو عشق زائل ہو جائے وہ عشق نہیں ہے ہوسناکی ہے اگر امرالقیس اپنی آوارگی اور بے اعتدالی کے قصّے نہیں کہے ہوتا تو یہ شعر جو بشکل خطاب عنیزہ کی طرف ہے سامع میں عرفانی حالت پیدا کر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر چونکہ اوپر میں

ایک گونہ بدمذاقی کے ساتھ بر روے عنیزہ امرء القیس اپنی جوانہ حرکات کا اعادہ کرتا گیا ہے اس کا یہ خطاب عنیزہ کی طرف سامع کے دل پر پورا اثر پیدا نہیں کرتا ہے اگر کاش وہ یہ دکھلاتے ہوتا کہ اسے بہت سے محبوبوں سے سلمنا ہوا مگر کسی کے ساتھ اس کے دل کو تعلق نہیں پیدا ہوا اور پھر عنیزہ کی طرف یوں خطاب کرتا کہ صرف تو ہی معشوقانِ عالم سے ایک معشوق ہے جس کا تعلق میرے دل کو ہے اور یہ ایسا تعلق ہے کہ اس میں شباب و شیب کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس سے عشق صادق کا نقشہ ہویدا ہوتا اور اس بیان کی تاثیر ہی علحدہ ہوتی بہر حال یہ شعر بلائے خود ایک عجب عاشقانہ رنگ رکھتا ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے

اَلَا رُبَّ خَصْمٍ فِیْكِ اَلْوٰی رَدَدْتُهٗ ‌ ‌ ‌ نَصِیْحٍ عَلٰی تَعْذَالِهٖ غَیْرِ مُؤْتَلِ

معنی:- آگاہ ہو کہ بہت سے ایسے ناصح کو جو تیرے عشق میں مجھ سے نکوہش کے ساتھ پیش آنے والے ہیں اور سختی کے ساتھ مجھے عشق سے منع کرنے والے ہیں میں نے رد کیا یعنی ایسے ناصح کی ایک نہ سُنی اور تیرے عشق میں استوار رہا۔

ناصح کا مضمون فارسی اور اردو کی شاعری میں برخلاف یورپین شاعریوں کے کثرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے اور شک نہیں کہ لطف سے خالی نہیں ہے۔

وَلَیْلٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ اَرْخٰی سُدُوْلَهٗ ‌ ‌ ‌ عَلَیَّ بِاَنْوَاعِ الْهُمُوْمِ لِیَبْتَلِیْ

معنی:- اور بہت سی راتیں ہیں جنھوں نے مانند موج بحر کے اقسام اندوہ کے ساتھ اپنے پردہ ہائے تاریکی کو مجھ پر ڈال دیا تاکہ مجھے آزمائیں کہ آیا مجھ میں طاقت شکیبائی ہے یا نہیں۔

فَقُلْتُ لَهٗ لَمَّا تَمَطّٰی بِصُلْبِهٖ ‌ ‌ ‌ وَاَرْدَفَ اَعْجَازًا وَّنَاءَ بِكَلْكَلِ

معنی :- پس کہا میں نے ایسی رات کو کہ جس کا ذکر بالا میں ہوا جبکہ اس نے اپنی پیٹھ دراز کی اور یکے بعد دیگرے اپنی سرین کو لائی اور سینے کو دور کیا یعنی جب رات دراز ہوئی، اور میں یہ سمجھا کہ اب رات کا آخر حصہ پہنچا تو پے در پے حصہ ہائے شب آتے ہی گئے اور گو حصہ اول جو آغازِ شب تھا دور بھی ہو گیا تو بھی وہ شب انتہا کو نہ پہنچی پس میں نے رات کا یہ رنگ دیکھ کر اس سے یہ کہا جو مندرج ذیل ہوتا ہے۔

اَلَا اَیُّھَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ اَلَا انْجَلِیْ　　بِصُبْحٍ وَمَا الْاِصْبَاحُ مِنْکَ بِاَمْثَلِ

معنی :- آگاہ ہو اے شب دراز اور اپنی تاریکی کو نور صبح کے ساتھ مبدل کر ڈال تاکہ مجھے رنج سے رہائی ہو۔

واضح ہو کہ شب غم بہت بھاری ہوتی ہے اور انسان گھبرا کر یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح صبح ہو جائے پس شاعر تمنائے صبح کا اظہار کرتا ہے اور رات کی طرف خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے شب دراز صبح ہو جا تاکہ مجھ کو تیری ظلمت سے نجات ہو اور اس وجہ سے تخفیف غم کی صورت پیدا ہو مگر اس کے بعد کہتا ہے کہ اے شب مجھے صبح کی تمنا ہے مگر میرے واسطے صبح تجھ سے خوب تر ہے اس واسطے کہ میرا غم ایسا ہے کہ صبح کے نمودار ہونے سے کوئی فرق اس میں پیدا نہیں ہو گا جیسا میرا غم اس وقت ہے صبح کے ظاہر ہونے پر بھی ویسا رہے گا۔

فَیَالَکَ مِنْ لَیْلٍ کَاَنَّ نُجُوْمَہٗ　　بِاَمْرَاسِ کَتَّانٍ اِلٰی صُمِّ جَنْدَلِ

معنی :- پس تو عجب رات ہے کہ جس کے ستارے گویا رسن ہائے کتان سے

سنگ سخت ہیں بندھے ہوئے ہیں یعنی اپنی جگہوں سے کھسکتے ہی نہیں۔
درازی شب کا مضمون ہر زبان میں دیکھا جاتا ہے ہر زبان کے شعرا نے اس کو باندھا ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

سعدیا نوبت امشب دہلِ صبح نہ کوفت   یا مگر صبح نباشد شب تنہائی را

لمؤلفہ

من غم و پروائے روزِ حشر چوں دارم کہ چوں
باسحر ربطے نمی بندد شبِ یلدائے من

بہر حال اس شعر میں بھی یہ مضمون بڑی خوش سلوبی سے بندھا ہے اور فطرتی انداز سے خالی نہیں ہے شب غم واقعی ایسی ہوتی ہے اور اس میں معلوم ہوتا ہے کہ تارے اپنی جگہ سے کھسکتے نہیں ہیں بخلاف شب مسرت کے کہ چاند تارے دم کے دم میں رخصت ہو جاتے ہیں اور صبح دن سے آپہنچی ہے یہی کیفیت دن کی ماہ صیام میں ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کو کسی نے کھونٹی میں باندھ رکھا ہے کسی طرح شام ہوتی ہی نہیں ہے۔

وَقِرْبَةِ اَقْوَامٍ جَعَلْتُ عِصَامَهَا   عَلَی کَاهِلٍ مِنِّیْ ذَلُوْلٍ مُرَحَّلٖ

معنی:۔ اور بہت سی مشکیں قوموں کی ہیں کہ میں نے ان کے دوال کو اپنے فرماں بردار اور مرحل یعنی کوچ کنا بندہ دوش پر رکھا ہے۔

مطلب شعر یہ ہے کہ ہر چند میں بادشاہوں سے ہوں تاہم خدمت دوستان و مہمانان کی نظر سے ان کی مشکوں کو اپنے کاندھے پر اٹھاتا ہوں۔ یہاں شاعر اپنی مدح کرتا ہے اور دکھلاتا ہے کہ خدمت احباب کی بجا آوری میں وہ پس پا نہیں

ہونا اس قول سے اس کی شرافت انکسار اور عمدگی طبیعت کا اظہار مراد ہے آدمی کو چاہیئے کہ درجۂ عالی کے حاصل رہنے پر بھی صفت خُلق کو ملحوظ رکھے ؎

چوں بدولت برسی مست نہ گردی مردی

بلند پایگی، کا تقاضائے صحیح یہی ہے کہ خدمت قوم میں کبھی قاصر نہ ہو اور امر واقعی بھی یہی ہے کہ سردار قوم خادم قوم ہوتا ہے ادائے حقوق کرنا اس کا کام ہے اور اسی میں اس کی خوبی ہے۔ ؎

تواضع زگردن فرازان نکوست　　　گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

وَوَادٍ کَجَوْفِ الْعَیْرِ قَفْرٍ قَطَعْتُهٗ　　　بِهٖ الذِّئْبُ یَعْوِیْ کَالْخَلِیْعِ الْمُعَیَّلِ

معنی: اور بہت وادی ہیں مانند شکم گورخر کے جس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا اس واسطے کہ شکم گورسے دودھ نہیں ملتا اور وہ وادی بیاباں بے آب و دانہ ہیں کہ جنہیں میں نے قطع کیا ان وادیوں میں بھیڑیا چلاتا ہے مانند ایسے ہارے ہوئے جواری کے جو عیال کثیر رکھتا ہو یعنی یہاں بھیڑیا غایت گرسنگی سے نالہ و فریاد کرتا ہے۔

یہاں شاعر اپنے تحمل اور دلیری کو صحرانوردی کے پیرائے میں ظاہر کرتا ہے اور واقعی یہ ہے کہ تحمل اور دلیری لوازم عشق سے ہیں عاشقی آسان کام نہیں ہے یہ کام بہادروں کا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

نازنیں را عشق می زیبد نہ ہر گز جان من　　　شیر مردان بلاکش پا دریں غوغا نہند

فَقُلْتُ لَهٗ لَمَّا عَوٰی اِنَّ شَانَنَا　　　قَلِیْلُ الْغِنٰی اِنْ کُنْتَ لَمَّا تَمَوَّلِ

معنی:۔ پس کہا میں نے اس بھیڑیئے سے جب وہ چلایا کہ بتحقیق میری شان بھی ناداری کی ہے اگر تو مالدار نہیں ہے یعنی تو جو گرسنگی سے چلاتا ہے تو یہاں میرے پاس

کچھ نہیں ہے۔
واضح ہو کہ یہ رنگ بیان فارسی یا اردو کی شاعری میں نہیں دیکھا جاتا ہے یہ بیان کے طریقے ان اقسام سے ہیں جو کسی ملک خاص سے مختص ہوتے ہیں اور دوسرے ملک میں تقاضائے ملکی سے رواج نہیں پا سکتے۔

کِلَانَا اِذَا مَا نَالَ شَیْئًا اَفَاتَہٗ ۔۔۔ وَمَنْ یَحْتَرِثْ حَرْثِیْ وَحَرْثَکَ یَھْزِلٖ

معنی:۔ دونوں ہم لوگوں سے اگر کسی نے کوئی چیز پائی تو اسے ضائع کر ڈالا یعنی اے گرگ میں اور تو دونوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم سے کسی نے مال حاصل کیا تو اسے خرچ کر ڈالا اور جو شخص میری اور تیری طرح کوشش و سعی کرے لاغر ہو جائے گا یعنی میری اور تیری طرح کوشش کرنے والا محتاج ہو جائے گا۔
ظاہر ہے کہ یہ انداز بیان فارسی اور اردو میں کمتر دیکھا جاتا ہے۔

وَقَدْ اَغْتَدِیْ وَالطَّیْرُ فِیْ وُکُنَاتِھَا ۔۔۔ بِمُنْجَرِدٍ قَیْدِ الْاَوَابِدِ ھَیْکَلٖ

معنی:۔ اور میں اول سحر میں جاتا ہوں درحالیکہ طیور اپنے آشیانوں میں رہتے ہیں ہمراہ اسپ کم موئے جو بند وحشیاں ہے اور دراز قوی ہیکل ہے یعنی میں علی الصباح ایسے وقت میں سوار اسپ ہوتا ہوں کہ اس وقت طیور اپنے آشیانوں سے باہر نہیں آتے اور وہ گھوڑا ایسا ہے کہ کم موئے جو دلیل ہے تیز رفتاری کی اور ایسا ہے کہ جو وحوش صحرائے کو گرفتار کر لینے کی قدرت رکھتا ہے اور ایسا ہے کہ دراز و قوی ہیکل ہے
واضح ہو کہ اہل عرب چونکہ گرم ملک کے رہنے والے ہیں تقاضائے آب و ہوا سے ان کا مزاج محرور واقع ہوا ہے جو شیلاپن لوازمات محرور المزاجی سے ہے پس ان کا میلان عورتوں کی طرف یا ان کی رغبت اسلحہ اور گھوڑوں کی جانب ایک

طبعی ہے۔ امرء القیس اپنی مردانہ صفتوں کو بیان کرکے اب اپنی شہسواری اور اپنے گھوڑے کی مدح کرتا ہے یہ مدح نہایت فطرتی انداز رکھتی ہے اور ہر چند اس کا پہلو شاعرانہ ہے مگر فارسی اور اردو کے شعرا کی نامطبوع صفت خوانی سے تمام تر پاک ہے شعر ہذا اور ذیل کے اشعار میں جو صفتیں گھوڑے کی مندرج ہیں یقیناً ایسی ہیں کہ عمدہ گھوڑے میں وہ صفتیں موجود ہوتی ہیں۔ واقعی اچھا گھوڑا ایسا ہوتا ہے کہ اس کی صفت میں مبالغہ پردازی کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔ ان اشعار سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر خوب جانتا ہے کہ گھوڑے کو کیسا ہونا چاہئے اور شک نہیں کہ اہل عرب اس بات کو خوب جانتے ہیں ان اشعار میں گھوڑے کی تعریف اس رنگ پر کی گئی ہے کہ جو حضرات سخن سنجی کا مذاق صحیح رکھتے ہیں بہت کچھ لذت یاب سخن ہو سکتے ہیں یہ اشعار ویسے نہیں ہیں جیسا کہ عرفی و ذوق وغیرہما کے ایسے شعرائے فارسی و اردو نے اپنے ممدوح کے گھوڑوں کو تماشے کا گھوڑا بنا رکھا ہے ان دونوں شاعروں کے کچھ کلام جو گھوڑے کی تعریف میں ہیں بغرض ظاہر کرنے ان کی بدمذاقی کے ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں انہیں پر ان کے ایسے دیگر شعرا کے کلام کو بھی قیاس کرنا چاہئے۔

عرفی

آن سبک سیر کہ چوں گرم عنانش سازی
قطرۂ کش دم رفتن چکد از پیشانی

از ازل سوے ابد و نہ ابد آید بہ ازل
شبنم آساش نشیند گہ رجعت بہ کفل

ایضاً

نہ توسن تو عرق بر زمیں فرو ریزد　　صبا ز طرف چمن یاسمیں فرو ریزد

ذوق

آسیا وار پھرے کیوں نہ فلک گرد زمین　　تیرے توسن کے حو کا وسے کی اُڑا جائے بھرت

ایضاً

جلد اتنا کہ جہاں عرصۂ جولاں اس کا　　عہد مستقبل و ماضی کا وہاں ہے اک حال

اس فلک سیر کو جولاں جو کرے تو تو یہ ڈر　　مزرعۂ سبز فلک ہو نہ مبادا پامال

ظاہر ہے کہ یہ سب اشعار نعبیت فطرت سے تمام تر معرّا ہیں اور درحقیقت کوئی لطف نہیں رکھتے لیکن ایسے شعرا کی طرف سے یہ معذرت پیش کی جاسکتی ہے کہ اس وضع کے اشعار یہ لوگ روٹی کی غرض سے کہا کرتے تھے تب بہ تعجب گزرنے لگتا ہے کہ خدایا کیا ان کے ممدوحین اس درجہ تنزل دماغی کو پہنچے ہوئے تھے۔ کہ ان سے ایسے بے معنیٰ اشعار کہلایا کرتے تھے اور ایسے نامربوط کلام سے خود لذت یاب ہوتے تھے۔

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا　　کَجُلْمُودِ صَخْرٍ حَطَّهُ السَّیْلُ مِنْ عَلٍ

معنی:- اسپ مذکور نہایت حملہ کرنے والا ہے اور نہایت بھاگنے والا ہے گویا کہ بیک وقت منہ سامنے لانے والا ہے اور منہ پھیرنے والا ہے مانند ایک بڑے سخت پتھر کے جس کو سیل نے بلندی سے نیچے کی طرف ڈھلکایا ہو۔

یہ ایک نیچرل تعریف گھوڑے کی ہے جو ایسا گھوڑا ہوتا ہے وہ میدان جنگ اور شکار افگنی کے قابل ہوتا ہے ایسے ہی گھوڑے کی پیٹھ سے نیزہ بازی کرتے ہیں جس

گھوڑے میں یہ صفتیں نہیں ہوتیں نہ وہ لڑائی کے کام کا ہوتا ہے نہ اس سے اغراض شکار افگنی نکلتے ہیں ایسے گھوڑے کی قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے میدان جنگ میں ایسے گھوڑے سے کام لیا ہے جنھوں نے چوگان یعنی پولو کھیلے ہیں یا جنھوں نے نیزوں سے شور گوزن یا ہرن مارے ہیں۔

کُمَیْتٍ یَزِلُّ اللِّبْدُ عَنْ حَالِ مَتْنِہٖ کَمَا زَلَّتِ الصَّفْوَاءُ بِالْمُتَنَزِّلِ

معنیٰ:۔ اسپ مذکور ایسا کمیت ہے کہ اس کے بدن کی صفائی کے باعث نمدزین اس کی پیٹھ سے پھسل جاتا ہے جس طرح کہ آب باراں سنگ براق سے گر پڑتا ہے سبحان اللہ کیا تعریف گھوڑے کی شاعر نے کی ہے کمال اطلاع سے گھوڑے کے رنگ کو کمیت لکھا۔ جاننا چاہیئے کہ بہترین رنگ گھوڑے کے لئے رنگ کمیت ہے اس رنگ کے گھوڑے کا بدن سرخ ہوتا ہے دُم سیاہ ہوتی ہے اور چاروں پاؤں سیاہ یا مائل بہ سیاہی ہوتے ہیں گھوڑے کے لئے یہ نہایت پختہ رنگ ہے، اس رنگ کے گھوڑے بیشتر مضبوط تیز رفتار شائستہ اور نیک طینت ہوتے ہیں دیکھنے میں بھی آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں شاعر نے اپنی اطلاع کے رُو سے اسپ مذکور کو کمیت کہا نا واقف شاعر کوئی اور رنگ لکھ دیتا۔ جیسے سمند سرنگ سبزا مشکی چال ابلق کرہ اقلا چینا سُرخا وغیرہ جو کمیت کے برابر نہیں سمجھے جاتے ہیں فقیر کی دانست میں فارسی یا اردو کے کم کسی شاعر نے گھوڑے کی تعریف میں اس رنگ کو کمیت لکھا ہے چونکہ واقعہ نگاری کا مذاق اکثر ان زبانوں کے قصیدہ گو شعرا نہیں رکھتے ہیں حقیقت حال کی طرف ان کے ذہن کو میلان نہیں ہوتا ہے سرو پا باتوں کو حوالہ قلم کرجاتے ہیں ان کی ترکیبیں کہے دیتی ہیں کہ صرف مبالغہ پردازی

کہ انھوں نے شاعری کی جان سمجھا ہے۔ البتہ میر انیس صاحب کے کلام میں فطرتی انداز بہت موجود رہتے ہیں گو کبھی کبھی ان کی شاعری بھی ملکی تقاضوں کے باعث دائرہ واقعہ نگاری سے قدم باہر رکھ جاتی ہے اس پر بھی ان کے کلام میں جہاں انہوں نے گھوڑے کی تعریف لکھی ہے ایسی نیچرل خوبیاں پاتی جاتی ہیں کہ سامع کو حیرت دامنگیر ہوتی ہے صاف ان کے کلام ...... سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے مجرد گھوڑے کے حالات کی تحقیق میں اپنی عمر عزیز بسر کی ہے یہ ندرت نہ کسی فارسی اور نہ کسی اردو کے شاعر میں پائی جاتی ہے ہاں البتہ میر حسن مصنف مثنوی سحر البیان جو ایک بڑے نیچرل شاعر ہیں انھوں نے گھوڑے کی تعریف میں کچھ شعر کہے ہیں جو قابل توجہ ہیں مگر یہ اشعار کہے دیتے ہیں کہ شاعر نے ہندوستانی خیالات کو وقت شعر گوئی ملحوظ رکھا ہے یہ بھی ایک نیچرل رنگ ہے جو ہندوستانی مذاق سے خبر دیتا ہے اور یہ وہ خیالات ہیں جن کے پابند عموماً اہل ہند ہیں اشعار ذیل ایک کَل کے گھوڑے کے بیان میں ہیں۔

کہا ماہ رخ نے کہ تھے تیرے بخت ۔۔۔ کہ بخشا تجھے میں سلیمان کا تخت
جو اترے تو کَل اس کی یوں جوڑیو ۔۔۔ جو برعکس چاہے تو وہ موڑیو
زمین سے لگا اور تا آسماں ۔۔۔ جہاں چاہیو جائیو تو وہاں

داستان گھوڑے کی تعریف میں

کہوں کیا میں اس اسپ کی خوبیاں ۔۔۔ پریزاد میں کب ہوں یہ محبوبیاں
ذرا کل جو موڑی فلک پر ہوا ۔۔۔ جو کھینچے تو کھینچے اسے بادپا

نہ گھاوے نہ پیوسے نہ سوئے کبھی | نہ ٹاپلے نہ بیمار ہوئے کبھی
نہ حشری نہ کمری نہ شب کورہ وہ | نہ وہ کہنہ لنگ اور منہ زور وہ
نہ ہڈوں کا نہ موتڑوں کا خلل | نہ پیشانی اور پرستارے کا بل
نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونری کا ڈر | ہر اک عیب سے وہ غرض بے خطر

ظاہر ہے کہ میر حسن نے ہندوستانی خیالات کی پابندی، دنریوں کے بیان میں کی ہے اس کے پابند ہمارے ملک کے ہر طبقے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں درحقیقت یہ خیالات بے معنی ہیں اور عندالتجربہ محض مہمل ثابت ہوتے گئے ہاں فقیر نے دیدہ ودانستہ ایک ہردادل گھوڑا لیا تھا جب تک وہ اپنے پاس رہا کسی طرح کا آسیب فقیر کو نہ پہنچا یہ گھوڑا اس بھونری کے ساتھ کوئی ایسی دوسری بھونری بھی نہیں رکھتا تھا کہ جس سے یہ قیاس کیا جاتا کہ وہ ہردادل کے اثر کو زائل کرنے والی تھی اسی طرح فقیر کے ایک عالی رتبہ عزیز جوڑی کا ایک جانور رکھتے تھے جو ستارہ پیشانی تھا جب ان سے کوئی شخص کہتا کہ یہ گھوڑا ستارہ پیشانی ہے اسے دفع فرمایئے تو وہ ہنس کر فرماتے کہ میں آفتاب پیشانی ہوں میرے سامنے اس کا ستارہ پیشانی ہونا کیا اثر بد پیدا کر سکتا ہے یہ سب وہمی باتیں ہیں اور مرد محصّل کی توجہ کرنے کے قابل نہیں ہیں دنیا کے معاملات گھوڑے کی بال بھونری پر موقوف نہیں ہیں فقیر نے بہت سے مبارک بھونری کے جانوروں کے مالکوں کو مبتلائے آفتاب ہوتے دیکھا ہے البتہ شائق کو عیوب شرعی کا ملحوظ رکھنا واجبات سے ہے اور یہ ایسے عیوب ہیں کہ عقل سلیم بھی انھیں عیب مانتی ہے ہم مسلمانوں

میں بال بھونری کا عقیدہ ہندوستان میں آنے کے پہلے نہ تھا اسلام میں
تو ایسی لایعنی باتیں کیوں ہونے لگیں ایام جاہلیت کے اہل عرب بھی بال
بھونری کو لاشئی جانتے تھے تعجب ہے کہ اس عہد کے ہندی اہل اسلام ایسی
لغو باتوں کے پابند ہیں اور صرف اسی کے پابند نہیں ہیں ہزاروں مہمل خیالات ان کے
جزو معتقدات ہو گئے ہیں۔

علاوہ رنگ معقول بیان کرنے میں گھوڑے کی صفائی بدن کو ذکر کیا ہے۔ جاننا چاہیئے
کہ بغیر عمدگی جلد کے گھوڑے کے بدن میں صفائی نہیں آسکتی عمدہ جلد اسی گھوڑے کی ہوتی
ہے جس کی نسل اچھی ہوتی شاعر کا اس صفت کو ملحوظ رکھنا کہے دیتا ہے کہ شاعر اس درجے کا
آدمی ہے کہ اس کے پاس قوم دار گھوڑے تھے امرؤ القیس شاہزادگان نجد
سے ہے امرائے نجد گھوڑوں کی نسل کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی اصالت
کے قائم رکھنے میں اہتمام بلیغ کو راہ دیتے ہیں گھوڑوں کے نسب نامے یاد
رکھتے ہیں اور عمدگی قومیت کو خوب پہچانتے ہیں کوئی نجد میں جا کر ان کے
گھوڑوں کی جلدوں کو اپنی آنکھوں سے معائنہ کرے تب قول امرؤ القیس
کی خوبی کو پہنچ سکے گا کہ ناواقف کا کام نہیں ہے کہ اس کے لطف کلام سے
حظ اٹھائے ہم ہندیوں نے کیا گھوڑے دیکھے ہیں کہ اس کے بیان کی تہ کو
پہنچ سکیں۔ بہرحال جاننا چاہیئے کہ صفائی جلد دلیل نجابت ہے بری نسل کے
گھوڑے بدپشمے ہوتے ہیں بال ان کے خرس وبُز کو ہی کی طرح موٹے ملایمت
و ملاحت ندارد اس ملک میں بھی جو کبھی اچھے گھوڑے ملک عرب عراق
ایران بخارا وغیرہ کی طرف سے آجاتے ہیں تو ان کی جلدیں دیکھنے کے قابل

ہوتی ہیں ان پر ہاتھ پھیرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جلدین کا ہے کو ہین مخمل کا نشانی ہیں بلکہ مخمل سے کوئی زیادہ نرم شے ہیں۔

عَلَی الذَّیْلِ جَیَّاشٍ کَاَنَّ اِھْتِزَامَہٗ   اِذَا جَاشَ فِیْہِ حَمْیُہٗ غَلْیُ مِرْجَلٖ

معنی:۔ اسپ مذکور باوجود لاغری کے جوش مارنے والا ہے گویا کہ آواز اس کی جب کہ اس کی گرمی جوشش میں آئے دیگ کا جوش کرتا ہے یعنی جب وہ گھوڑا گرم ہوتا ہے تو اس کے گرم ہونے پر اس کی آواز رفتار دیگ کے جوش کا عالم پیدا کرتی ہے۔

واضح ہو کہ شاعر نے گھوڑے کی تعریف لاغری کے ساتھ کی اسے فربہ نہیں کہا اس لئے کہ اسپ لاغر تیز رفتار اور بکار آمد ہوتا ہے بخلاف فربہ کے کہ اس سے نہ لڑائی نہ دوڑ نہ شکار نہ چوگان بازی میں کام لیا جا سکتا ہے سعدی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا ہے ؎

اسپ لاغر میاں بکار آید   روز میدان نہ گاؤ پرواری

شاعر نے اس جگہ بھی اپنی اطلاع سے کام لیا ہے گھوڑے کی تعریف میں مضمون لاغری کو پیش نظر رکھا اہل عرب خوب جانتے ہیں کہ گھوڑے کا بدن کس انداز کا ہونا چاہیئے۔ اہل فرنگ بھی پورے طور پر باخبر ہیں کہ سواری کے گھوڑوں کو کس قدر گوشت رکھنا چاہیئے مگر بہت سے ہمارے ہم وطن کے خیالات اس مادے میں علحدہ ہیں ان کی سواری کے گھوڑے دودھ مالیدہ گاجر بھیلا کھا کر ایک عجیبت شے ہو جاتے ہیں نشو پچاس قدم چل کر پسینے میں ڈوب جاتے ہیں اور جس طور پر رکھے جاتے ہیں اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ محض

بیکار ہو جائیں ایسے گھوڑے نہ دوڑ کے کام کے رہتے ہیں اور نہ ان سے صید افگنی کی غرض نکلتی ہے البتہ ایسے گھوڑے رقص کا لطف دکھلاتے ہیں اسی غرض سے گھونگرو وغیرہ بھی پہنائے جاتے ہیں واہ رے مذاق گھوڑا جو سپاہی اور غازی مرد کا حکم رکھتا ہے لولی حرکات بنایا جاتا ہے. واضح ہو کہ اہل عرب صرف عمدہ گھوڑے نہیں رکھتے ہیں. بلکہ گھوڑے کو کیا ہونا چاہیئے اور اس کا کیا مصرف ہے اس کو بھی خوب سمجھتے ہیں. اہل فرنگ بھی اس کام کو خوب جانتے ہیں حیف ہے ہم لوگوں پر کہ ہم لوگوں کی جتنی اچھی باتیں تھیں اہل یورپ میں چلی گئیں اور ہم لوگوں نے غیر اقوام کی بری خصلتیں اختیار کر لیں

مِسَحٍّ اِذَا مَا السَّابِحَاتُ عَلَی الْوَنٰی ۔۔۔ اَثَرْنَ الْغُبَارَ بِالْکَدِیْدِ الْمُرَکَّلِ

معنی: ۔ اسپ مذکور نہایت تیز رفتاری کے باعث مثل آب ریختہ کے ہے یعنی جیسے آب ریختہ کی حرکت تیز ہوتی ہے ویسا ہی یہ اسپ بھی اپنی رفتار میں تیز ہے اور یہ تیزی اس کی اس وقت قائم رہتی ہے جب اور تیز رفتار گھوڑے دوڑ سے ماندے ہو کہ ایسی زمین سخت میں جو سم ستوران سے لگدیدہ اور کوفتہ ہی ہے غبار اڑانے لگتے ہیں یعنی اور گھوڑے دوڑ میں تھک کر سست ہو جاتے ہیں مگر اسپ مذکور نہیں تھکتا اور اس کی وہی تیزی برقرار رہتی ہے.

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسپ مذکور صرف نہایت تیز رفتار نہیں ہے بلکہ بہت جفاکش بھی ہے جفاکشی تیز رفتار گھوڑے کے لئے ایک بڑی صفت کی بات ہے شاعر نے بڑی اطلاع کے ساتھ گھوڑے کی یہ تعریف کی ہے جاہل شاعر کے دماغ میں کبھی یہ تعریف نہیں آسکتی ہے یہ تعریف اسی

شاعر کے قلم سے نکلے گی جو گھوڑے کے فن کا بڑا ماہر ہو گا واقعی ایسے گھوڑے کا کیا کہنا ہے کہ دوڑ میں اور گھوڑے تھک جائیں تو اس کا دم خم بطور سابق باقی رہے یہ بات عربی گھوڑوں میں دیکھی جاتی ہے گھوڑ دوڑ میں ایسا دیکھا گیا ہے کہ جب اور قوم کے گھوڑوں کی قوت رفتار ختم ہونے لگی ہے تو اس وقت عربی گھوڑے اپنے زور پر آنے لگے ہیں فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ عربی گھوڑے ایک اچھی دوڑ کے بعد کھلنے لگتے ہیں اور واقعی وہ اپنی پوری قوت رفتار پہ تب پہنچتے ہیں جب اور گھوڑوں کی قوت کم ہونے لگتی ہے ظاہر ہے کہ جو شاعر ان امور سے واقف نہ ہو گا وہ ایسے مضمون کب باندھے گا یا سامع بےخبر کو ایسے فطرتی کلام سے کیا لطف سخن ملے گا۔

یُزِلُّ الْغُلَامَ الْخِفَّ عَنْ صَهَوَاتِهٖ وَیُلْوِیْ بِاَثْوَابِ الْعَنِیْفِ الْمُثَقَّلِ

معنی:۔ اسپ مذکور غایت تیز رفتاری کے باعث طفل سبک کو اپنی پیٹھ سے گرا دیکھتا ہے۔ یعنی طفل جو سواری میں مہارت نہیں رکھتا ہے اس کی غایت تیز رفتاری کے سبب اس کی پیٹھ پہ ٹھہر نہیں سکتا ہے پس اس کی سواری کے لئے جوان ماہر درکار ہے جو فن سواری کو جانتا ہے۔

اس تعریف سے غرض شاعر یہ ہے کہ اسپ مذکور نہایت تیز رفتار ہے نہ یہ کہ بد ہے جو سوار کو پٹک دیتا ہے پس ایسے گھوڑے کو ایک عمدہ شہسوار درکار ہے۔ اور اسپ مذکور گرا دیتا ہے جامہ ہائے سوار ماہر و گراں کو یعنی اس کی تیزی کے سبب سے ماہر سوار کے کپڑے اس کے ہاتھ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ مطلب شاعر یہ ہے کہ اسپ مذکور کس قدر تیز ہے کہ

شہسوار کو چاہیے کہ کپڑے مستعدی کے ساتھ پہن کر اس پر سوار ہو ورنہ ٹوپی دستار کہیں سے کہیں چلی جائے گی

دَرِیْرٌ کَخُذْرُوْفِ الْوَلِیْدِ اَمَرَّهٗ   تَتَابُعُ کَفَّیْهِ بِخَیْطٍ مُّوَصَّلِ

معنی :- اسپ مذکور تیز رو ہے مانند خذروف لڑکے کے جس کا دھاگا خوب بٹا ہوا ہوتا ہے اور جسے دونوں ہاتھ سے لڑکے گھماتے ہیں بذریعہ ایک رشتہ پیوستہ کے۔

واضح ہو کہ خذروف کو زبان ہندی میں پھرکی کہتے ہیں اس کو گھمانے سے ایک خاص طرح کی آواز نکلتی ہے لڑکے اس کھیل کو ہندوستان میں بھی کھیلا کرتے ہیں اس شئے کو بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ ایک ٹکی مدوّرنے کو بیچ سے مڑھ دیتے ہیں پھر اس میں دھاگا ڈال کر گھماتے ہیں اس گھمانے سے اس میں سے آواز نکلتی ہے۔ یہاں آواز سے کوئی مطلب نہیں ہے اس جگہ شاعر گھوڑے کی تیزی کو اس شئے کی گردش کی تیزی کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے ظاہر ہے کہ جب کوئی ایسی شئے گھمائی جائے گی تو اس کی حرکت نہایت سریع ہوگی یہ تشبیہ بھی دائرہ فطرت سے باہر قدم نہیں رکھتی ہے اور یہ اس طرح کا لے سر و پا مبالغہ نہیں ہے جیسا کہ عرفی نے اپنے شعر مرقومہ بالا میں ازل و ابد کو اکٹھا کرکے دکھایا ہے۔

لَهٗ اَیْطَلَا ظَبْیٍ وَّ سَاقَا نَعَامَةٍ   وَاِرْخَاءُ سِرْحَانٍ وَّتَقْرِیْبُ تَتْفُلِ

معنی :- اسپ مذکور کی ہر دو تہی گاہیں آہو کی تہی گاہیں ہیں اور اس کی ہر دو ساقین شتر مرغ کی ساقین ہیں اور دوڑ اسپ مذکور کی بھیڑیئے کی دوڑ ہے اور

ریپٹ بچۂ روباہ کی ہے

واضح ہو کہ شاعر نے یہاں سب ایسے جانوروں کو مجتمع کیا ہے جو تیز رفتاری میں ممتاز ہیں آہو کی تہی گاہ اور شتر مرغ کے پائوں کا ذکر کیا دوڑ پھیر نیے کی اور ریپٹ روباہ کی بتلائی آہو کی تہی گاہ سے تشبیہ اس لئے دی کہ آہو از روے ساخت بدن چھریرا ہوتا ہے اس کی تہی گاہیں اس ترکیب کی ہوتی ہیں کہ جو اس کی تیز رفتاری کی معین ہوتی ہیں گھوڑے کی تیز رفتاری کا کمال یہی ہے کہ آہو کے برابر دوڑ سکے ایسے کم گھوڑے ہیں جن کی پیٹھ سے شکاری نیزے یا تلوار کے ذریعے سے آہو کو شکار کر سکتا ہے کرنیل کیمبل نے اپنے روزنامچے میں اور اسٹرنڈیل صاحب نے اپنی کتاب میں آہو کے گھوڑے سے شکار کئے جانے کی دو تین سرگذشتیں تحریر کی ہیں مگر یہ آہو جن کے مذکور ان کی تحریروں میں آتے گئے ہیں یہ سب کم و بیش قبل سے زخمی ہو چکے تھے اس پر بھی وہ سب بڑی دوڑ کے بعد دشواری سے ہاتھ لگے بقیاس فقیر ملک عرب میں بھی کمتر ایسے گھوڑے ہوں گے وہ اسی صفت کے ہوں گے جس صفت کا امرء القیس کا گھوڑا تھا پھر شاعر نے شتر مرغ کی ساقوں کا مذکور کیا ہے یہ جانور قوت پرواز نہیں رکھتا اور اسے قوت پرواز کی حاجت بھی نہیں ہے فطرت نے اپنی بخشش میں افراط کو راہ نہیں دیا ہے چونکہ اسے غایت درجے کی تیز رفتاری بخشی ہے اس تیز رفتاری کے ساتھ قوت پرواز افراط بخشش کا حکم رکھتی۔ یہ جانور ریگستانوں میں رہتا ہے اور واقعی عجیب الخلقت ہے جب کوئی اس کا تعاقب کرتا ہے اس تیزی سے بھاگتا ہے کہ دم بھر میں

آنکھوں سے نہاں ہو جاتا ہے عرب اور افریقہ کے بڑے بڑے صحراؤں میں وطن رکھتا ہے اور ان وسیع بیابانوں میں اپنے پاؤں سے وہ کام لیتا ہے۔ جیسے تیز پرواز طیور مثل عقاب و نسر کے اپنے بازوؤں سے کام لیتے ہیں عرب کے جو نہایت تیز گھوڑے ہوتے ہیں صرف وہی تو اس کا پیچھا کر سکتے ہیں اور جو گھوڑا اس کی دوڑ کو پہنچ سکتا ہے اسی کی تیز رفتاری سندی سمجھی جاتی ہے آہو و شتر مرغ کا ذکر کر کے شاعر بھیڑیئے کا مذکور کرتا ہے اس جانور کی بھی بڑی دوڑ ہوتی ہے اس کا فقیر کو بھی ذاتی تجربہ حاصل ہے واقعی نہایت تیز رفتار گھوڑے کا کام ہے۔ کہ اس جانور کا تعاقب کرے بغیر شکاری کتوں کی اعانت کے اس کا شکار دشوار ہے آخر میں لومڑی کا بیان ہے یہ وہ چالاک اور تیز رفتار جانور ہے کہ تازی کتوں کی کمر اس کے شکار میں ٹوٹ جاتی ہے اہل فرنگ اس کا شکار خوب کھیلتے ہیں۔ فاکس ہونڈ جو لومڑی کے شکار کے کتے ہوتے ہیں پہلے ان کتوں کے سوا رسے کچھ نہیں بن آتی۔ واضح ہو کہ یہ شعر خوبیوں سے معمور ہے۔ وہی شخص جو علم حیوانات سے خبر رکھتا ہے اس سے لذت یاب ہوگا نہ لاعلم شاعر ایسا شعر کہہ سکے گا اور نہ لاعلم سامع اس سے حظ اٹھا سکے گا۔ جاننا چاہیئے کہ استادوں نے گھوڑے کی خوبیوں کی تفصیل یوں کی ہے کہ گھوڑے میں تین خوبیاں عورت کی ہونی چاہیئے یعنی ایال زلف محبوباں کی طرح دراز اور سینہ و سُرین ان کے سینہ و سرین کی طرح عریض مدوّر اور پھر اسے شیر کی تین صفتیں درکار ہیں یعنی شیر کی طرح اسے رعب دار چہرہ رکھنا چاہیئے اور شیر ہی کی طرح اسے بہادر اور پر صولت ہونا چاہیئے میش کی بھی تین چیزیں اس کو حاصل رہنا ضرور ہے یعنی ناک تنگی تحمل

بریں منوال اسے تین۳ اعضا میں یعنی سر، رانوں اور جلد میں ہرن سے مشابہ ہونا چاہیئے۔ اور اسی طرح بھیڑیئے سے اس کے حلقوم گلے اور قوت سمع کو اور لومڑی سے اس کے کان دم اور دلکی رکو۔ اور سانپ سے اس کی قوت حافظ قوت بصر اور تگ کو اور خرگوش سے اس کی رفتار دوڑ اور جفاکشی کو ہمسری کی حاجت ہے۔ ہرچند امرء القیس نے اس طوالت سے اپنے گھوڑے کی خوبیوں کو نہیں لکھا ہے تاہم شاعرانہ تقاضا سے جس قدر امور ضروری تھے انھیں نہایت استادی کے ساتھ موزوں کیا ہے اس کے لطف کو وہی سمجھے گا جس کی گھٹی میں گھوڑے کا شوق پڑا ہوگا اور جس شوق نے اسے ماہر فن کے درجے کو پہنچایا ہوگا۔

ضَلِيعٌ إِذَا اسْتَدْبَرْتَهُ سَدَّ فَرْجَهُ   بِضَافٍ فُوَيْقَ الأَرْضِ لَيْسَ بِأَعْزَلِ

معنی:- اسپ مذکور پوری خلقت کا سرین سے پرگوشت پُر اعصاب اور میان سے بندگت ہے جب کوئی پس پشت اس کے آتا ہے تو اپنی دونوں رانوں کے درمیان کی کشادگی کو اپنے دم سے بند کرتا ہے اور اس کی دم میں کثرت سے بال ہیں اور دم اس کی اس قدر دراز ہے کہ زمین سے صرف تھوڑی بلندی پر رہتی ہے اور وہ دم کج نہیں ہے جو گھوڑے کے لئے عیب متصور ہے بلکہ نہایت راست ہے۔

یہ تعریف بھی شاعر کے کمال اطلاع سے خبر دیتی ہے واقعی گھوڑے کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کہ خلقت سے پورا ہو نہ اس کے قد میں نقصان ہو نہ اس کے جسم میں کڈھنگاپن ہو سُرین کو پرگوشت ہونا چاہیئے اس کی اعضائی ترکیب میں کوئی نقصان نہ لاحق ہو کمر سے بندگ ہونے کے سبب سے متحمل وزن اٹھانے کا ہو ہر طرح، جوڑ بند سے درست ہو دُم میں بال کثرت سے ہوں اور دراز ایسے ہوں

کر قریب زمین کے پہنچتے ہوں اور بھی دم میں کجی لاحق نہ ہو۔ واضح ہو کہ عربی گھوڑے جیسے خلقت کے رُو سے خوش ترکیب ہوتے ہیں جیسا کہ شاعر نے لکھا ہے اس میں ایک حرف مبالغہ نہیں ہے ملک عرب کے گھوڑے تمام دنیا کے گھوڑوں سے جدا انداز جسم رکھتے ہیں ان کی تھوتھنی چھوٹی پیشانی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں تر اور کان چھوٹے گردن کے بال لانبے گردن کا خم محراب نما سینہ وسیع قد کے حساب سے پیٹھ چوڑی کمر بزرگ سرین پُر گوشت پیٹ متوسط دست و پا سانچے کے ڈھلے ہوتے ہیں مختصر یہ ہے کہ تناسب اعضا ایسا ہوتا ہے کہ آنکھیں اچھے عربی گھوڑے کو دیکھ کر سیر نہیں ہوتی ہیں یہی جی چاہتا ہے کہ اسے دیکھا کریں۔ اس پر اس کی شائستگی طبیعت داری شریف مزاجی وفاداری اور ذہانت ایسی ہوتی ہے کہ شانِ خدا یاد آتی ہے سچ یہ ہے کہ اس کی محبوبیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ اسے نظر سے دور رکھنا طبیعت گوارا نہیں کرتی۔

كَأَنَّ سَرَاتَهُ لَدَى الْبَيْتِ قَائِمًا　　مَدَاكُ عَرُوسٍ أَوْ صَلَايَةُ حَنْظَلِ

معنی:۔ گویا کہ پشت اسپ مذکور درحالیکہ وہ قریب گھر کے ایستادہ ہے مثل اس پتھر کے ہے کہ جس پر نئی دلھن کے لئے خوشبودار مصالح پیستے ہیں یا مانند اس صاف و سخت پتھر کے ہے کہ جس پر حنظل توڑتے ہیں۔ یعنی اس گھوڑے کی پیٹھ اس کے کھڑے رہنے کی حالت میں ایسی عریض معلوم ہوتی ہے جیسے پتھر کی سل ہو جس پر مصالح پیسیں یا حنظل توڑیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ تعریف بھی گھوڑے کے لئے ایک بڑی تعریف ہے جو گھوڑا

عریض پیٹھ کا ہوتا ہے اس کی پیٹھ قابل اعتماد ہوتی ہے اور ایسا گھوڑا علاوہ بکار آمد ہونے کے خوش نما بھی ہوتا ہے۔ شاعر کی خوش خیالی نہایت قابل تعریف ہے۔ کیوں نہ ہو شاعر بھی اسی ملک کا شاہزادہ ہے جہاں عمدہ ترین گھوڑے پیدا ہوتے ہیں اس پر بھی شاہزادہ ایسا طبیعت دار، مردانہ مزاج بہادر طبیعت خوش پسند اور خلاق سخن

كَأَنَّ دِمَاءَ الْهَادِيَاتِ بِنَحْرِهِ ٭ عُصَارَةُ حِنَّاءٍ بِشَيْبٍ مُرَجَّلِ

معنی :۔ گویا کہ خون جانوران پیش رو کا اس کے سینے پر فشردہ مہندی کا ہے موی سفید و شانہ کردہ میں یعنی اسپ مذکور ایسا تیز رفتار ہے کہ وحوش صحرائی کو جو اپنے ہمجنسوں سے دوڑ میں آگے رہنے والے ہیں جا لیتا ہے اور وقت شکار ان کا خون جو اس کے سینے پر گرتا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا موے سفید و شانہ کردہ عصارۂ حنا سے مخضب ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ گھوڑا اس قدر تیز نہ ہوتا تو کیونکر اس سے جانوران پیش رو کا شکار ممکن ہوتا چونکہ ایسے جانوروں تک دوڑ کر پہنچ جاتا ہے تو وقت شکار ان کے خون سے اس کا سینہ تر معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید اور شانہ کردہ بالوں پر مہندی کا خضاب چڑھا ہے واضح ہو کہ شاعر گھوڑے کی تعریف کرتے کرتے اب اس امر کا تذکرہ کرتا ہے جس سے کہ گھوڑے کی سچی خوبیوں کا تکملہ متصور ہے وہ امر معاملہ شکار ہے گھوڑے کا پورا جوہر یا میدان جنگ یا شکار گاہ میں کھلتا ہے شکار افگنی کی مشقت بھی نبرد آزمائی کی سی ہوتی ہے شکار افگنی میں بھی بہت کچھ خوف جان لاحق رہتا ہے شکار افگنی اور نبرد آزمائی

میں فرق اس قدر ہے کہ ایک میں انسان کو مقابلہ وحوش صحرائی کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری میں انسان کا مقابلہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے خیر فرق جو کچھ ہو شکار افگنی ایک بڑی محنت کا کام ہے اس کے واسطے اور سامانوں کے علاوہ اچھے سوار اور اچھے گھوڑے کی ضرورت ہے نامراد راکب اور نامراد مرکب کا کام نہیں ہے کہ ایسے شکار میں اظہار جوہر کر سکے جس قسم کے شکار کا امرء القیس شعر بالا میں ذکر کرتا ہے شعر بالا کے لطف مضامین سے بہرہ مند ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اعلیٰ قسم کی صید افگنی کا کچھ ذاتی تجربہ رکھے اس کا تجربہ صرف انہیں لوگوں کو ہوتا ہے جو صید افگنی کا سچا مذاق رکھتے ہیں سچے مذاق کا حاصل ہونا ایک امر دشوار ہے ہر شخص شکاری نہیں ہو سکتا اس کے لئے بڑی پُر مادگی درکار ہے۔ شکار افگنی بھی ایک قسم شاعری کی ہے جس طرح ہر شخص کو مذاق شاعری حاصل نہیں رہتا وہی حال مذاق صید افگنی کا بھی ہے۔ امرء القیس شعر بالا میں اپنے مذاق صید افگنی کو گھوڑے کی تعریف کے پردے میں دکھلاتا ہے اور واقعی یہ مذاق ایسا ہے کہ انسان کو اس مذاق کے حاصل رہنے پر بالیدگی ہو سکتی ہے اس شعر میں شاعر نے صرف گھوڑے کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ اپنے ایک بڑے ہنر سے بھی خبر دی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک شعر میں راکب و مرکب دونوں کی عمدگی کو ظاہر کیا ہے کس واسطے کہ ایسا گھوڑا جو وحوش پیش رو کو دوڑ میں مغلوب کر دے اگر قابل تعریف ہے تو اس کا سوار بھی جو ایسے صید ہائے تیز رفتار کو شکار کر سکے قابل تحسین وآفرین ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب وحوش صحرائی کو گھوڑے کے ذریعے

سے شکار کرنے کا مذاق رکھتے ہیں اور کیوں نہ یہ مذاق رکھیں جب ان کا ملک عمدہ گھوڑے پیدا کرتا ہے اور خود وہ لوگ مردانہ انداز رکھتے ہیں ہندوستان میں بیشتر گھوڑے کے ذریعے سے شائقین صید شؤر کا شکار کھیلتے ہیں۔ یہ شکار بھی خالی از خطر نہیں ہے مگر راقم اپنے ذاتی تجربہ ہائے کثیر سے کہہ سکتا ہے کہ یہ شکار نہایت دلچسپی رکھتا ہے اہل فرنگ نے تو اس شکار کو تکملے کو پہنچا دیا ہے اور اس شکار پر کیا موقوف ہے انھوں نے تو ہر قسم کی صید افگنی کو قواعد علمی کے ساتھ اس طور پر برتا ہے کہ اس زمانہ میں شکار افگنی نے ایسی علمی کے ساتھ اس طور پر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شکار افگنی نے ایسی علمی صورت پیدا کی ہے کہ بغیر مرد محصل ہوئے کوئی آدمی شکاری ہو نہیں سکتا مگر ہندیوں میں بھی کچھ حضرات ایسے ہیں کہ جو اس کو قاعدے کے ساتھ برتتے ہیں اور مذاق شکار افگنی سے بےخبر نہیں ہیں سوا شؤر کے شکار کے اور کسی جانور کا شکار اس ملک میں نہیں ہے جو گھوڑے کی پیٹھ سے کھیلا جاتے کبھی کبھی نیل گاؤ کا شکار گھوڑے کے ذریعے سے کیا جاتا ہے مگر یہ شاذ کا حکم رکھتا ہے۔

فَعَنَّ لَنَا سِرْبٌ كَأَنَّ نِعَاجَهُ عَذَارَى دَوَارٍ فِي مُلَاءٍ مُذَيَّلِ

معنی :- پس آگے آیا ہم لوگوں کے (یعنی ہم شکاریوں کے) ایک گمدہ گاوان دشتی کا گویا کہ مادہ ان کی مانند ان نزاق دوشیزہ کے ہیں جو چادر درازدامن پہنے ہوئے طواف دوار کرتی ہیں (دوار ایک بت کا نام ہے جس کی پرستش اہل عرب ایام جاہلیت میں کرتے تھے)

شاعر اب شکار کی کیفیت کو بیان کرتا ہے کہ صید گاہ میں کیا شکار سامنے آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گاوان دشتی ملک عرب میں آہو کی طرح کثیر الوجود ہیں اور تیز رفتاری ان کی ایسی ہے کہ ان کو گھوڑے کے ذریعہ سے شکار کرنے پر شکاری فخر کر سکتا ہے۔ یہاں وجہ تشبیہ ، مادہ گاوان اور زنان دوشیزہ میں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ یہ سوا پاکیزگی نفاست اور خوش نمائی میں مشارکت رکھتی ہیں۔ واضح ہو کہ ملک عرب صید افگنی کی جہت سے حسب مراد مالک نہیں ہے یہاں کے جانور ان صید صرف دو چار اقسام کے ہیں وحوش ماکول اللحم جو اغراض صید سے متعلق ہیں ہی گاوان دشتی بز کوہی اور دو تین اقسام کے آہو ہیں سباعی جانور بھی تھوڑے ہیں پلنگ و کفتار گرگ سے قوی تر شکاری جانور اس ملک میں نہیں ہوتے دنیا میں افریقہ سے بڑھ کر کوئی شکار کی جگہ نہیں ہے اس سے اگر کوئی مرجح جگہ ہے تو ہندوستان ہے جاننا چاہئے کہ ہر چند افریقہ میں وحوش ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم کی وہ کثرت ہے کہ روئے زمین پر کہیں نہیں ہے تاہم لطف صید افگنی جو ہندوستان میں اٹھتا ہے افریقہ کے کسی حصے میں نہیں اٹھتا۔ بہر حال ملک عرب شکار کے اعتبار سے نہ افریقہ نہ ہندوستان کے برابر ہے تاہم مذاق شکار سے اہل عرب خالی نہیں ہیں بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ملک کے طبیعت دار با مذاق شجاعت شعار مردانہ مزاج اشخاص کم و بیش ضرور اس کا مذاق رکھتے ہیں اہل فرنگ تو اس زمانے میں مذاق شکار ایسا رکھتے ہیں کہ ہم ہندوستانیوں کے احاطۂ فہم سے ان کے شکار دوست ہونے کا مضمون باہر ہے سر سیموئیل بیکر سینڈرسن مالڈون

کیمبل کنلاک نا ایف کوکسن اسٹرنڈیل کیومنگ وغیرہ ہم ایسے شکاری گزرے ہیں
کہ جن سے ہر با مذاق شکاری واقف ہے ان ناموروں کے مذاق پر غور کرنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول کہ شکار کار بیکاراں ست واقعی ایک محض جاہلانہ
قول ہے ان شکاریوں کی محنتوں نے بڑے بڑے مسائل علمیہ کی تحقیق کی ہے
علم جغرافیہ علم طبعیات علم حیوانات علم نباتات علم معدنیات علم معاشرت
علم اخلاق علم تمدن وغیرہ کو ان کی جان فشانیوں سے بڑے بڑے نفعے پہنچے
گئے ہیں۔ جو شخص حقیقت صید افگنی سے بے خبر ہے وہ کیا جان سکتا ہے کہ اغراض
صید افگنی کیا ہیں نا واقف تو یہی سمجھے گا کہ شکار افگنی کا مطلب یہ ہے کہ ہانڈی گرم
ہو۔ اگر صید افگنی یہی ہے تو چڑی ماری اور صید افگنی میں کیا فرق ہے اور پھر سوسو میل
بیکار اور معمولی بہلیے میں کیا امتیاز باقی رہتا ہے شکار سے ہانڈی کا گرم ہونا تو
معمولی بات ہے ماکول اللحم کے شکار سے ہانڈی تو گرم ہوتی ہے مگر مقاصد
شکار کھانے پینے تک محدود نہیں ہیں جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صید افگنی
کو انسان کے معاملات جسمانی اور روحانی سے کیا تعلق ہے۔ اور خود شاعری
کو صید افگنی سے کیا مناسبت ہے امرؤ القیس کا مضمون شکار افگنی کو داخل
قصیدہ کرنا اس کی فطرتی خوش مذاقی سے خبر دیتا ہے واقعی یہ مضمون ایسا ہی
بلند پایہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی شاعریوں میں اس کو جگہ دی جائے چنانچہ بڑے بڑے
شعرائے عالم نے اپنی تصنیفوں کو مضمون صید افگنی سے زینت دی ہے
مضمون صید افگنی کچھ ایسا ہی قابل لحاظ ہے کہ اس کو اتنے بڑے بڑے شعراء
جیسے کہ ہومیر ورجل فردوسی سعدی بالمکی وغیرہ ہم ہیں توجہ کے

ساتھ داخل کلام فرماتے گئے ہیں یہ تو قدیم ایام میں یہ مضمون قابل امتیاز سمجھا گیا ہے۔ اس انیسویں صدی میں تو باندازِ اہل فرنگ نے اسے کچھ ایسا توجہ طلب سمجھا ہے کہ اسے ایک بڑے بکار آمد فن کا درجہ بخشا ہے چنانچہ اس وقت مجرد زبان انگریزی میں فن صید افگنی میں اس قدر کتابیں تصنیف ہوئی ہیں کہ اگر ایک جا مجتمع کی جائیں تو ان سے ایک اچھا کتب خانہ درست ہو سکتا ہے۔

فَاَدْبَرْنَ کَالْجِزْعِ الْمُفَصَّلِ بَیْنَہٗ　　بِجِیْدٍ مُعَمٍّ فِی الْعَشِیْرَۃِ مُخْوَلِ

معنی: — پس ان گاوان دشتی نے پیٹھ پھیری درحالیکہ وہ گاوان دشتی ایسے جمیل بلسیہ ہائے یمنی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں کہ جن کے درمیان کے اندر دیگر جواہرات داخل کئے گئے ہوں اور وہی جمیل ایسے لڑکے کی گردن میں پڑا ہوا ہے کہ خاندان میں بہت عم و خال رکھتا ہو۔ یعنی جب گاوان دشتی نے شکاریوں کو دیکھا تو پیٹھ پھیری اور متفرق ہو کر نکل بھاگیں اور چونکہ ان گاوان دشتی کے چاروں پاؤں اور منہ سیاہ ہوتے ہیں شاعر نے ان کو بلسیہ یمنی سے تشبیہ دی اور جب متفرق ہو گئیں تو ان کو ایسا جمیل مُفَصَّل کہا جو ایسے لڑکے کے گلے میں پڑا رہتا ہے جسے قبیلہ میں بہت عم و خال ہوتے ہیں وہ جمیل گراں بہا ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ گاوان دشتی ہندوستان کے نیل گاؤ سے علحدہ جانور ہیں جو پردرہ گاؤ ہیں ہندوستان کے بعض جنگلوں میں بھی یہ جانور دیکھے جاتے ہیں اور جہاں پائے جاتے ہیں کثرت سے پائے جاتے ہیں وسط ہندوستان کے پہاڑوں میں ایک جانور ہوتا ہے جسے گوڑ کہتے اور اس کا انگریزی نام بائیسن ہے یہ جانور پردرہ گاؤ سے جسامت میں بہت بڑا ہوتا ہے اور ہرچند پردرہ گاؤ سے مشابہت رکھتا ہے مگر

درحقیقت پروردہ گاؤ سے ایک علحدہ جانور ہے گوزن کا شکار خوب ہوتا ہے مگر سوائے قوی رفل کے اس کا شکار ناممکن ہے گھوڑے اور نیزے یا تلوار سے کسی شکاری نے آج تک شکار نہیں کیا ہے۔

فَاَلْحَقَنَا بِالْهَادِیَاتِ وَدُوْنَہٗ   جَوَاحِرُھَا فِیْ صَرَّۃٍ لَمْ تُزَیَّلِ

معنی:۔ پس لاحق کر دیا اسپ مذکور نے ہم لوگوں کو جانوران پیش رو کے ساتھ اور اس اسپ کے نزدیک تھے پس ماندگان گروہ درحالیکہ وہ گروہ متفرق نہ ہوا تھا۔ یعنی اسپ مذکور نے بسبب تیز رفتاری کے فوراً پیش رواں گروہ کو چھو لیا اور جو پس ماندہ تھے اور ابھی تک منتشر نہ ہوئے تھے وہ کس شمار میں تھے ان کا شکار کر لینا تو کچھ دشوار نہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امرء القیس کو پوری دانست فن صید افگنی میں تھی اور صرف دانست نہ تھی بلکہ مذاق شکار افگنی بھی اچھا رکھتا تھا اگر خوش مذاق نہ ہوتا تو اس خوب صورتی کے ساتھ شکار کے مضامین کو حوالۂ قلم نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے بیان کی امید ایک لاعلم اور بد مذاق شاعر سے نہیں کی جا سکتی ہے ان اشعار میں بڑا لطف شاعری موجود ہے اس لئے کہ تمام کلام شاعر بد قرینہ مبالغہ پردازی اور غیر فطرتی طریقۂ بیان سے معرا ہے اس حسن بیان کی توقع فارسی یا اردو کے شاعر سے تو ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ کس واسطے کہ ان زبانوں کے شعرا جب صید افگنی کے مضامین باندھیں گے۔ تو ان کو بہرام و اسد و حمل و نسر و دیگر بے سر و پا اور خیالی امور کے ذکر کئے بغیر چارہ نہیں معلوم ہوتا ہے چنانچہ شکار کی مثنویاں جو مدح آصف الدولہ وغیرہ میں میر و مرزا نے بھی لکھی ہیں غایت بے سر و پائی سے خبر دیتی ہیں مگر ان

حضرات کی طرف سے یہ معذرت کی جاسکتی ہے کہ ایسی مثنویاں شاعری کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھیں ان سے والیان ملک کو خوش کرنا منظور تھا ان اشعار امرء القیس کو جب اہل واقفیت نظر انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ان پر ہویدا ہوگا کہ شاعر کس قدر صید افگنی کا صحیح مذاق رکھتا تھا حق یہ ہے کہ اس کا مذاق اس صدی کے مذاق کے قریب قریب پہنچتا ہے اور واقعی بہت تعجب گذرتا ہے جب اس امر کا خیال ہوتا ہے کہ ایسی خوش مذاقی چودہ سو برس پہلے ایک ایسی قوم میں تھی کہ جس کی تعلیم یافتگی کا درجہ بہت بلند نہ تھا اور جس قوم کی شائستگی کو اس زمانے کی شائستگی سے کوئی نسبت حاصل نہ تھی۔

فَعَادَى عِدَاءً بَيْنَ ثَوْرٍ وَنَعْجَةٍ دِرَاكًا وَلَمْ يَنْضَحْ بِمَاءٍ فَيُغْسَلِ

معنی :۔ پس اسپ مذکور نے ایک دوڑ میں دو صید کو ایک نر اور ایک مادہ گاؤ کو، پیاپے شکار کر لیا اور اس تیزی پر بھی وہ اس کا خوگر نہ ہوا کہ اس کا بدن پانی سے دھویا جائے۔

ظاہر ہے کہ دو گاو دشتی یعنی ایک نر اور ایک مادہ کو پیاپے وہی گھوڑا شکار کر سکے گا کہ جو نہایت تیز رفتار ہوگا۔ پھر شاعر اس کی جفاکشی کی تعریف کرتا ہے کہ ایسی دوڑ کے بعد بھی اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی۔ کہ دھویا جائے اور استراحت کرے۔ واضح ہو کہ اس شعر سے بھی ہر پہلو کی خوش مذاقی عیاں ہے شاعر نے نہایت خوب صورتی کے ساتھ اپنی شہسواری اور صید افگنی اور گھوڑے کی تیز رفتاری اور جفاکشی کے مضامین کو حوالۂ قلم کیا ہے اس صدی میں بھی کہ فن صید افگنی درجۂ کمال کو پہنچ گیا ہے اگر نامی سے نامی شکاری گھوڑے سے شکار گوزن یا شتر کا کرے گا

تو ممکن نہیں ہے کہ اس سے زیادہ صید افگنی کا لطف دکھلا سکے۔

فَظَلَّ طُهَاةُ اللَّحْمِ مِنْ بَيْنِ مُنْضِجٍ   صَفِيفَ شِوَاءٍ اَوْ قَدِيرٍ مُعَجَّلٍ

معنی:۔ پس گوشت پکانے والے دو قسم کے ہو گئے ایک وہ جنھوں نے سیخ میں گوشت کو کباب کیا اور دوسرے وہ جنھوں نے گوشت کو دیگ میں ڈال کر دیگدان پر پختہ کیا یعنی جب نظر بالا جانور شکار ہو تے گئے تو کچھ گوشت کا کباب اور کچھ گوشت ہانڈی میں پکا۔

واضح ہو کہ شاعر نے اس شعر کو اس غرض سے کہا ہے کہ جو جانور شکار ہوتے تھے وہ ماکول اللحم تھے اگر شیر پلنگ خرس وغیرہ کی طرح غیر ماکول اللحم ہوتے تو ظاہر ہے کہ ان کے گوشت مصرف میں نہیں لائے جاتے، اکثر ایسے شکاری جانوروں کی کھالیں یا ناخن وغیرہ بنظر یادگار لے لیتے ہیں کھالوں کا مصرف زیادہ یہی ہوتا ہے کہ گھروں میں بچھاتے ہیں۔ اور ناخنوں سے زیور بناتے ہیں لیکن ایسے سباعی جانور ملک عرب میں کمتر ہیں شیر و خرس تو ندارد ہیں صرف چھوٹے قسم کا پلنگ صحراؤں میں پایا جاتا ہے اگر کاش شیر و ببر و خرس یا ہاتھی گینڈا ارنا گور وہاں ملک ہندوستان کی طرح ہوتے تو امرؤ القیس ضمن صید افگنی میں ان جانوروں کا ذکر کسی نہ کسی پہلو سے کرتا بہر حال اس نے ایک ایسے جانور کے شکار کا بیان اختیار کیا ہے جو عظیم پیکر تیز رفتار پاکیزہ انداز ملک عرب کے تمام جانوران صحرائی میں ہوتا ہے اس تجویز سے بھی اس کی خوش مذاقی عیاں ہے جاننا چاہئے کہ گوشت صید کے پکائے جانے کا بیان بھی خالی از سبب نہیں ہے جو حضرات شکار دوست نہیں ہیں وہ پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ شکار کے گوشت میں کیا لذت

ہوتی ہے وہ حضرات اس کے لطف کو کیا جانیں جو گھر میں بیٹھے ہوتے طرح طرح کے گوشت پکوا کر نوش فرمایا کرتے ہیں ایسے حضرات کو شکاری کی بھوک کہاں نصیب ہوتی ہے جو شکاری کی لذت یابی کا اندازہ کر سکیں۔

وَرُحْنَا یَکَادُ الطَّرْفُ یَقْصُرُ دُوْنَہٗ مَتٰی مَا تَرَقَّ الْعَیْنُ فِیْہِ تَسَھَّلٖ

:- اور ہم لوگ شکار سے شب ہی کو واپس آتے درحالیکہ قریب تھیں آنکھیں کہ اسپ مذکور کے روبرو اس کے حسن کے دقائق کو معائنے سے عاجز آئیں اور آنکھیں جب اس کے تن بالا کی طرف دیکھتی تھیں تو اس کی غایت صفا کے باعث اس کے تن زیرین کی طرف پھسل جاتی تھیں۔

شاعر یہاں دکھلاتا ہے کہ اسپ مذکو با تیز رفتاری کے ساتھ شکار کرتا رہا اس پر بھی اس کا دم خم ایسا رہا کہ شکارگاہ سے رات ہی کو سوار کے زیر ران رہ کر گھر واپس آسکا دوسرا گھوڑا بعد صید افگنی کے تھک جاتا اور اس قابل نہیں رہتا کہ شب کو اسی مستعدی کے ساتھ شکارگاہ سے منزل مار کر گھر کو واپس آسکتا پس ایسے گھوڑے کے دقائق حسن پر نگاہ کرنے سے آنکھیں اگر اظہار عجز کریں تو بہت بجا ہے یعنی اس کی بسیاری حسن احاطۂ نظر میں نہیں آسکتی اس واسطے آنکھ خیرگی کرنے لگتی ہے ؎

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

مصرع ثانی میں اسپ مذکور کی صفائی و تابانی بدن کا بیان ہے کہ اس کی غایت صفا و تابانی سے نظر اس کے بدن سے پھسل جاتی ہے یعنی اس کے بدن پر نظر نہیں ٹھہرتی ہے یہ تعریف ایسے درجۂ مبالغہ کو نہیں پہنچی ہے کہ بے لطف

معلوم ہو۔ اس تعریف میں فطرتی پہلو نہیں جاتا رہا ہے بلکہ یہ تعریف ایسی ہے کہ واقعی خارج میں ایک صاف اور تاباں جسم کے گھوڑے پر صادق آتی ہے۔

فَبَاتَ عَلَیْهِ سَرْجُهُ وَلِجَامُهُ   وَبَاتَ بِعَیْنِی قَائِمًا غَیْرَ مُرْسَلِ

معنی:۔ پس رات گذاری اسپ مذکور پر اس کے زین و لگام نے اور رات گذاری اس اسپ نے میری آنکھوں کے سامنے درحالیکہ استادہ اور بغیر چراگاہ کئے ہوتے۔ یعنی جب اسپ مذکور شکار سے واپس آیا تو جیسا کہ کسا کسایا تھا اسی طرح شب بھر رہا اور میرے روبرو استادہ رہ کر شب بسر کی اور چراگاہ کی طرف بھی نہیں بھیجا گیا کہ چری کرے۔

اس قصیدہ کی شرح کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد شاعر یہ ہے کہ اسپ مذکور ہر شب میرے روبرو استادہ رہتا ہے پس ایسی صورت میں زین و لگام بھی دیا رہتا ہوگا شاید اس طرح سے کسا کسایا اس واسطے رکھا جاتا ہوگا کہ ہمیشہ غنیم کا خوف لاحق رہتا ہوگا مگر راقم کو سلسلۂ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت شکار سے واپس آنے کی شاعر نے حوالۂ قلم کی ہے بہر حال ہر پہلو سے اس کی جفاکشی کی تعریف ظاہر ہوتی ہے۔ واضح ہو کہ شاعر نے اٹھارہ اشعار بالا میں گھوڑے کے اوصاف بیان کئے ہیں اور بیان اوصاف میں صیدافگنی کے مضامین کو بھی رقم کیا ہے اس کے بعد اشعار ذیل میں سلسلۂ اوصاف اسپ کو قطع کر کے برق و باراں کا ذکر کرتا ہے قبل اس کے کہ اس بیان تازہ کی طرف حضرات ناظرین کی توجہ کی خواستگاری کی جائے راقم ذیل میں کچھ خیالات خاص گھوڑے اور صیدافگنی کے مادے میں عرض کیا چاہتا ہے۔ واضح ہو کہ اس

قصیدے میں امرؤ القیس نے جو مضامین باندھے ہیں ایسے ہیں کہ ہر ملک کی شاعری میں ان کو پایہ امتیاز حاصل ہے صحبت ہائے گذشتہ کی حسرت ہمراہیوں کی تشفی دہی مفارقت کے صدمے معشوقوں کی محبت معاملات عشقیہ کی کیفیتیں سیر چشمی دلبری مردمی فیاضی فروتنی کی خوبیاں اور اسی قبیل کی اور بھی باتیں جو اس قصیدے میں جگہ پاتی گئی ہیں ہر ملک کی اعلیٰ درجے کی شاعری میں دخل رکھتی ہیں انہیں اقسام مضامین سے گھوڑے کی شناخت گھوڑے کی قدر دانی اور گھوڑے کی سواری بھی اور اسی پر مضمون صید افگنی کو بھی قیاس کرنا چاہیئے اگر شہسواری اور صید افگنی کے مضامین بلند پائے گی نہ رکھتے تو ہر ملک کے شعرا یک زبان ہو کر اس کی خوبیوں سے اعتراف نہ رکھتے اور امرؤ القیس اتنے اشعار ایک قصیدے میں صرف گھوڑے اور شکار کے بیان میں نہ لکھتا لیکن چونکہ گھوڑے اور شکار کے مضامین ایک خاص پایہ بلند رکھتے ہیں ان اشعار نے نہ صرف امرؤ القیس کے قصیدے کے حسن کو افزوں کر دیا ہے بلکہ اس کی خوبی طبیعت اور خوبی مذاق کو بیّن طور پر ظاہر کر دکھایا ہے۔ مختلف ملکوں کے شعرا اور مصنفین کے کلاموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے اور شکار کا شوق بڑی عالی مذاقی سے خبر دیتا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو طبیعت داران یورپ کیوں گھوڑے اور شکار کا شوق رکھتے اور ہم ہندی مسلمانوں کے ولایتی آبا و اجداد اہل یورپ کو ایسی ایسی عالی مذاقیوں کی کیونکر راہ بتلاتے یہ بات بدیہی ہے کہ کوئی قوم بر سرِ اقبال ہوئی ہے تو اسے گھوڑے کا شوق ہوتا ہے وہ خوب گھوڑے پہچانتی ہے خوب گھوڑے چڑھتی ہے خوب چوگان

کھیلتی ہے خوب نیزے لگاتی ہے اور اس طرح گھوڑے کی پیٹھ سے بسبب گرمی
کے سبب، کام لیتی ہے اس طرح خوب شکار کھیلتی ہے اور صید افگنی کے
مذاق صحیح سے خبر رکھتی ہے بخلاف اس کے جب کوئی قوم مبتلائے ادبار ہوتی ہے
تو افیون کھاتی ہے چانڈو پیتی ہے بٹیر لڑاتی ہے اور اسی طرح چھنٹے اور نامردی
کے کام ہیں کرتی ہے بہر حال گھوڑا اور شکار یہ دو ایسے مضمون ہیں کہ نہایت
توجہ طلب ہیں ۔ اور ان کے بیان میں جس قدر تحریر کو طول دیا جائے بعید از لطف
نہیں ہے مگر افسوس کہ راقم کو اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ ان دونوں مضمون
کو حوالۂ قلم کرنے کا موقع نہیں ہے اس لئے ذیل میں اختصار پر قناعت کرتا ہے
واضح ہو کہ خدائے تعالیٰ نے گھوڑے کو تمام جانوروں سے اشرف بنایا ہے دنیا
میں آدمی کے بعد اس جانور کا درجہ ہے اس کی خوبیوں کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی
ہے جس قدر اس کی تعریف کی جائے بجا و درست ہے چونکہ انسان کے بعد روئے
زمین پر اسی جانور کو شرافت حاصل ہے اس لئے یہ جانور انسان کے معاملات
نیک و بد کا ہمیشہ شریک رہا ہے اس کی قدامت سرکار بنی آدم میں ہر طرح
ثابت ہے اس کے سوا کوئی دوسرا جانور نہیں ہے جس سے اغراض انسانی کو
اس قدر تعلق رہا ہو ہر چند کتا بہت بکار آمد جانور ہے اور اس میں ہزاروں
خوبیاں ہیں مگر گھوڑے کی محبوبیوں کو نہیں پہنچتا کتا پھر کتا ہے ۔ کتا کسی زمانے
میں انسان کے امور ملکی مالی یا مذہبی سے بسبیل ضرورت متعلق نہیں رہا ہے
جتنی بڑی بڑی لشکر کشیاں چہ از بہر دنیا وچہ از بہر دین ظہور میں آتی گئی ہیں
ان میں کتے کا کسی طرح کا دخل نہیں رہا ہے برخلاف اس کے گھوڑے کے

معاملے کو سمجھنا چاہیئے کہ امور دنیا و دین میں اس کی شرکت ہمیشہ رہا کی ہے اور
تابقائے دنیا قائم رہے گی انسان کی رغبت گھوڑے کی طرف ایک امر طبعی
ہے عدم رغبت نقص انسانیت سے خبر دیتی ہے اسی شخص کو اس جانور
سے عدم میلان ہوگا کہ جس کے قوائے اخلاقیہ خراب ہو گئے ہوں گے .
خاص کر قوت شجاعت میں ضعف لاحق ہو گیا ہوگا ، ورنہ خوش اخلاق قوم یا خوش اخلاق
افراد انسانی کو اس کی رغبت سے چارہ نہیں ہے جتنی اولوالعزم قومیں دنیا میں گزری
ہیں یا آج بھی موجود ہیں گھوڑے کی قدر دانی سے خالی نہیں دیکھی جاتی ہیں لا ریب
گھوڑے کی طرف میلان کا ہونا دلیل شجاعت ہے اور شجاعت ، بہت سی خوبیوں
کی جڑ ہے بے شجاعت انسان انسان نہیں ہو سکتا . اس صفت کے نقصان
سے انسان مکار پُر فریب دغا باز اور بے حیا ہوتا ہے پس جب اس قدر صفات
ذمیمہ کا مجمع کوئی شخص ہوگا تو پھر اس کے درجۂ انسانیت سے گزر جانے میں کیا گفتگو
ہو سکتی ہے بالمختصر گھوڑے سے رغبت عمدگی طبیعت سے خبر دیتی ہے اور واقعی
گھوڑا ایسا مخلوق خداوندی ہے کہ کوئی ایسا کم بخت ہوگا جو اس کا شیدا نہ ہوگا .
حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں اس کے چاہنے والے تھے اور
اور جو اس وقت ہیں اس کے چاہنے والے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بزرگی اس
کی قدر دانی کی مقتضی ہے اور اس کی خوبیاں کچھ ایسے درجے کی ہیں کہ خدا و نبیؐ دونوں
نے بھی ان پہ اپنی چشم توجہ ڈالی ہے بقول سعادت یار خاں رنگین غفر اللہ ذنوبہٗ

توپڑھ والعادیات آنکھیں نہ کر بند خدا نے کھائی ہے گھوڑے کی سوگند
بہت چاہا ہے اس کو مصطفیٰؐ نے بہت مانا ہے اس کو مرتضیٰؑ نے

یوں تو دنیا کی تمام ممتاز قومیں گھوڑے کی قدر دان ہیں اور کوئی ایسی سلطنت نہیں ہے جہاں گھوڑا عزیز نہیں سمجھا جاتا ہے مگر گھوڑے کی قدر و منزلت جس قدر اہل عرب کرتے ہیں روے زمین پر کوئی قوم نہیں کرتی اہل عرب گھوڑے کو زن و فرزند کی مثل عزیز رکھتے ہیں اور زن و فرزند کی طرح ان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اہل عرب جس خیمے میں خود رہتے ہیں اس میں ان کے لڑکے بالے اور گھوڑے بھی رہتے ہیں۔ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے گھوڑوں کے گرد و پیش بے خوف سوتے ہیں اور کبھی کسی طرح کا صدمہ نہیں اٹھاتے ان کے گھوڑوں کی شائستگی انسان کی شائستگی سے کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ عوام بنی آدم سے ان کی شائستگی زیادہ بھروسا کرنے کے قابل ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ عرب کے گھوڑے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو کچھ ان کی قدر و منزلت کی جائے بجا ہے اور شک نہیں کہ دنیا میں اہل عرب سے گھوڑے کو زیادہ چاہنے والی قوم بھی کوئی نہیں ہے راقم مثالاً ایک قصہ عرض کرتا ہے جو تاریخی پایۂ اعتبار رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک فرانسیسی جنرل نے ساحل عرب سے اپنے آقا شہنشاہ فرانس کو خبر دی کہ ایک نہایت مفلوک الحال عرب ہے جس کے پاس ایک عمدہ عربی گھوڑی ہے عجب نہیں کہ غایت افلاس کے باعث اس کا مالک اسے فروخت کرے شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ جس قیمت کو وہ گھوڑی ہاتھ آئے خرید کرو چونکہ وہ عرب گھوڑی کے بیچنے پر راضی ہو چکا تھا جنرل نے اسے خبر دی کہ قیمت موجود ہے آؤ اور معاہدہ کی تعمیل کرو اس خبر کو پاکر وہ عرب اسی گھوڑی پر سوار جنرل کے روبرو آیا جنرل نے قیمت کی اشرفیوں کے توڑے قبل سے اس کے لالچ کے بڑھانے کی نظر سے کھلوا رکھے تھے اس نے پہلے ایک نظر ان

شرفیوں کو دیکھا اور پھر اپنے افلاس پر بھی خیال دوڑایا مگر اس کے ساتھ ہی اپنی گھوڑی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں ہر چند افلاس زدہ ہوں مگر کیا تجھ سے مفارقت گوارا کر سکوں گا تو میرے گھر کی زینت ہے تجھے زنہار کسی اہل فرنگ کو نہ دینے والوں گا یہ لوگ تجھے کانٹے لگائیں گے۔ اور چابک ماریں گے میں ہر گز تیرے حق میں ایسی بے رحمی کا سبب نہ ہونگا یہ کہہ کر وہ فوراً آنکھوں سے غائب ہو گیا اور جنرل صاحب کی اشرفیوں کا ڈھیر وہاں پڑا کا پڑا رہ گیا کیوں نہ ہو اسے گھوڑے کی قدر دانی کہتے ہیں اس کو ہمارے ملک کے ان شائقوں کی ترکیبوں سے مقابلہ کیجئے جو سو دو سو روپیہ کے نفع کو ملحوظ رکھکر رخش رستم بھی ہو تو فروخت کر ڈالیں امر واقعی یہ ہے کہ ہم ہندی وطن مسلمان کیا جانیں کہ گھوڑے کی خوبیاں اور محبوبیاں کیا ہیں نہ اس ملک میں ملک عرب کے ایسے گھوڑے ہیں اور نہ ہم لوگوں کو اہل عرب کا سا مذاق میسر ہے انصاف یہی ہے کہ امرؤ القیس کی ثنا خوانیاں جو گھوڑے کے مادے میں مندرج قصیدہ ہیں کچھ ایسی ہیں کہ ہم ہندیوں کو ان خیالات کے ساتھ مانوس ہونا دشوار ہے اور دشواری کا سبب یہی ہے کہ اس ملک میں وہ اسباب موجود نہیں ہیں جو ان خیالات کے ساتھ ہمارے دماغ کو مانوس کر سکیں خیر یہ امر بدیہی ہے کہ ہندوستان میں نہ ہم لوگ امرؤ القیس کے گھوڑے کے ایسا گھوڑا پا سکتے ہیں اور نہ امرؤ القیس کی طرح شہسواری کا لطف دکھلا سکتے ہیں اس پر بھی اگر ہم لوگ کسی قدر کاہل الوجودی کو ترک کریں تو کچھ نہ کچھ سواری زین سے لطف اٹھا سکتے ہیں ہندوستان میں سؤر کا شکار بھی ایسا ہوتا ہے کہ شاید و باید فقیر کو ذاتی تجربہ اس کا کافی طور پر حاصل ہے اور فی الواقع یہ شکار

نہایت قابل توجہ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم ہندیوں میں ہزار ممتاز اشخاص سے ایک صاحب ایسے نہیں نکلیں گے جو عمر بھر میں ایک بار بھی بے قصد شکار سوار زین ہوتے ہوں گے خیر سؤر کا شکار ایک دشوار امر ہے اب تو شام و صبح کی سواری اسپ بھی معدوم صورت ہوتی جاتی ہے اس وقت کا مذاق تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بروگش اور لینڈو میں سوار ہو کہ نہایت آرام سے خرّاٹے لیں اور کاہل وجودی کی داد دیں اس مذاق کو امرؤ القیس کے مذاق سے ملائیں تو سمجھ میں آئے کہ ہمارے ملک کے شائقین کا مذاق کس قسم کا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو شخص سواری زین سے متمتع نہ ہوا اس نے کوئی لطف گھوڑے کا نہ اٹھایا. گھوڑا جو ٹم ٹم فٹن بروگش وغیرہ میں کام دیتا ہے پھر وہ گھوڑا نہیں رہتا ہے اگر کسی کو گھوڑے کا سچا شوق ہے تو لازم ہے کہ اہل عرب کا مذاق پیدا کرے اہل انگلستان جو اس زمانے میں ہمارے حاکم ہیں اچھا مذاق رکھتے ہیں ہر چند گھوڑے کو گاڑیوں میں جوتتے ہیں مگر اس سے زین کا کام بھی نہایت مذاق کے ساتھ لیتے ہیں فوجی کارروائیوں کے علاوہ نیزہ لگاتے ہیں شکار کرتے ہیں پولو کھیلتے ہیں دوڑ میں شرطیں لگاتے ہیں ٹٹی تڑپاتے ہیں اور ان خاص کاموں کے سوا صبح و شام ہوا خوری کرتے ہیں ہمارے ہم وطن جن کو خدا نے مقدرت دی ہے باوجود حاصل رہنے شباب کے بھی ان کاموں سے کوئی کام نہیں کرتے ہیں بھوئے چڑھے اگر طبیعت بہت گھبرائی تو بیلوں کی تنگی کی طرح لدے ہوئے میل دو میل سے کسی قسم کی گاڑی پر گھوم آئے اگر اسی کا نام گھوڑے کا شوق ہے تو ہو مگر ایسے شوق کا ماحصل سوا خود نمائی کے اور کچھ نہیں ہے ایسے شوق سے نفع جسمانی یا روحانی کا مرتب ہونا

بعید از قیاس ہے حالانکہ سواری اسپ ایک ایسی شئے ہے کہ جس سے جسمانی اور روحانی فائدوں کا حاصل ہونا عندالتجربہ ثابت ہے دنیا میں کوئی ایسی ریاضت نہیں ہے جو سواری اسپ کی برابری کر سکے ریاضتوں سے قابل لحاظ ریاضت مشی ہے اسی طرح ڈنٹر مگدر بھی ہیں مگر ان کے منافع سواری اسپ کے منافع کے برابر زنہار نہیں ہیں مشی سے خاص فائدہ اعضائے اسفل کو ہوتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ مشی معدے کو بھی بہت مفید ہے مگر سواری اسپ سے نہ صرف اعضائے اسفل اور معدے کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ تمام اجزائے بدن شریک ریاضت رہتے ہیں اس کے علاوہ معدے کو جو سواری اسپ سے فائدہ ہوتا ہے وہ فائدہ مشی سے نہیں ہوتا یہ تو جسمانی ریاضت اور اس کے منافع کا پہلو ہے اب دیکھیے کہ سواری اسپ سے روحانی فوائد کیا ہوتے ہیں دنیا میں کوئی ریاضت ایسی نہیں ہے کہ سواری اسپ کے برابر انشراح روحی پیدا کر سکے پشت زین پر صاف تمیز ہوتا ہے کہ روح ترقی کرتی ہے دماغی قوت افزوں ہوتی ہے ذہن جودت پیدا کرتا ہے مردانگی بڑھتی ہے ہمت عالی ہوتی ہے یہ باتیں مشی یا ڈنٹر مگدر میں کہاں ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلطان کو تخت پر بھی وہ لطف حاصل نہیں ہوتا ہے جو سوار کو پشت اسپ پر ہوتا ہے لاریب کوئی عیش سواری اسپ سے بہتر نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ تمام عیش جسمانی و روحانی کی ترقی کا وسیلہ زین سواری ہے اور کیوں نہ ہو جب نظام جسم و قوائے فاعلیہ وانفعالیہ اور اخلاقیہ پر ایک اثر خاص سواری اسپ پیدا کرتی ہے راقم نے مشی سے زین سواری کو انفع ہونے کی وجہ عندالتجربہ یہ بھی پائی ہے کہ ریاضت سواری اسپ

جب تک انسان کرتا ہے اسے مشی کے اعتبار سے صاف تر ہوائے مستنشق نصیب ہوا کرتی ہے علاوہ اس کے اُس کے بدن میں گھوڑے کے بدن سے مادۂ برقی منتقل ہوا کرتا ہے جو اس کی حرارت غریزی کو بڑھاتا ہے اور یہ انتقال مادۂ اس کے بیرونی اور درونی دونوں ترکیبوں کو نفع عظیم بخشتا ہے۔ المختصر سواری اسپ نہایت کارآمد شے ہے ہزار حیف کہ وہ لوگ جو اپنے کو اس سے متمتع کر سکتے ہیں اور اس نعمت سے اپنے کو محروم رکھتے ہیں طرح طرح کے انواع اقسام کے ضرر جسمانی و روحانی اٹھاتے ہیں بہت جائے تعجب ہے کہ ہماری قوم ایک وقت میں گھوڑے کا نہایت مذاق صحیح رکھتی تھی جیسا کہ متنبی نے کہا ہے کہ ؎

اَللَّيْلُ وَالْخَيْلُ وَالْقَفْرُ تَعْرِفُنِي ۔۔۔ وَالسَّيْفُ وَالضَّيْفُ وَالْقِرْطَاسُ وَالْقَلَمُ

مگر وا مصیبتا کہ گھوڑے کے مذاق صحیح کے جانے کے ساتھ اور بھی ہماری صفتیں جو شعر بالا میں مذکور ہیں رخصت ہو گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون

دوسرا امر جو توجہ طلب ہے مذاق شکار افگنی ہے یہ مذاق مذاق سواری اسپ سے ملتا جلتا ہے بلکہ بعض حالتوں میں شکل مشترک پیدا کرتا ہے کس واسطے کہ بعض قسم شکار کی ایسی ہے کہ جس کا تمام تر مدار شہسواری پر ہے۔

واضح ہو کہ بیشتر عوام شکار افگنی کو بیکاری کا شغل جانتے ہیں اور اپنے اس خیال کی تائید میں اسی بے معنی مقولہ کو کہ "شکار کار بیکاراں ست" دلیل گردانتے ہیں بعضوں نے شکار افگنی کا مطلب اسی قدر سمجھا ہے کہ ہانڈی اس کے ذریعے سے بھرتی ہے لیکن راقم کی آئندہ تحریروں سے معلوم ہوگا کہ علاوہ اس کے کہ صید افگنی صحت مندی کا ایک معقول ذریعہ ہے اس کے انجام کی صلاحیت فرض

محصّل اشخاص کو ہے بیکار آدمی شکاری ہو نہیں سکتا۔ شکاری وہی ہو سکتا ہے جس کا دماغ حکیمانہ واقع ہُوا ہے یا جس کی طبیعت شاعرانہ انداز رکھتی ہے ممکن نہیں کہ ایسا آدمی جو علوم مختلفہ سے اطلاع نہیں رکھتا ہے جفاکشی کا عادی نہیں ہے فطرت اللہ سے بیخبر ہے دفتر عالم کے مضامین پر نظر ڈالنے سے مجبور ہے اور صنائع آفریدگار کے ملاحظہ سے لذت روحانی حاصل نہیں کر سکتا ہے شکار دوست ہو یا شکار افگنی کا مذاق صحیح رکھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو جس میں یہ باتیں حاصل ہوں کوئی ذی فہم بیکار نہیں کہے گا اگر ایسا شخص بیکار سمجھا جائے تو دنیا کے تمام حکماء و شعرا بیکار سمجھے جانے کے مستحق ہوں گے پس یہ خیال کہ شکار بیکاروں کا کام ہے ایک محض غلط خیال ہے البتہ یہ خیال اس وقت صحیح ہو گا کہ صید افگنی کا شغل ایسا شخص اختیار کرے جو حکیمانہ یا شاعرانہ دماغ نہیں رکھتا ہے اور غایت بے مادگی کے باعث لفظ بیکار کا مصداق ہو رہا ہے اسی طرح جن لوگوں نے صید افگنی کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اس سے ہانڈی کا بھرنا مراد ہے وہ بھی عامیانہ خیال کے لوگ ہیں ہانڈی کا بھرنا شکار کی علت غائیہ نہیں ہے البتہ جب کوئی صید ماکول اللحم ہاتھ لگتا ہے تو اس کا گوشت مصرف انسانی میں در آتا ہے لیکن صید افگنی سے مجرد شکم پُری مقصود نہیں ہے جیسا کہ آئندہ ظاہر ہو گا۔

واضح ہو کہ صید افگنی کا مذاق صحیح اس وقت انسان کو حاصل ہوتا ہے جب انسان علوم مختلفہ سے بہرہ کافی حاصل کر لیتا ہے صید افگنی کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہوتی ہے اس زمانے میں یہ فن ایسے درجے کو پہنچ گیا ہے

کہ اس کا شوق اسی کو زیبا ہے کہ جو سر سیمویل بیکر اینڈرسن اسٹرنڈل وغیرہم کی تعلیم
یافتگی کا آدمی ہے اس فن سے بہت علوم متعلق نظر آتے ہیں حق یہ ہے کہ
جاہل اس کام کو نہیں کر سکتا وہ اس کا شائق بن کر چڑیمار یا قصاب ہو جائے گا
شکاری ہونے کے واسطے فطرتی اور کسبی قابلیتوں کا حاصل رہنا ضرور بات
سے ہے یعنی ضرور ہے کہ شائق شکار فطرت کے رُو سے شجاع ذہین حاضر
طبیعت خوش مزاج جفاکش صحرا پسند آزاد دل اور سادہ درون ہو اس کے
ساتھ کامل درجے کی صحت رکھتا ہو اور تمام اعضائے بدن اس کے نقصانات
جسمانی سے پاک ہوں اور محنت شاقہ کی برداشت کی صلاحیت رکھتے
ہوں اختلاف آب و ہوا سے اس کا مزاج درجۂ اعتدال سے نہ گزرتا ہو طبیعت
عیش پسند واقع نہ ہوتی ہو علاوہ ان صفات کے اسے بُردبار رحیم متحمل سیر
چشم مہمان نواز خلیق بے تکلف اور دوست پرست ہونا چاہیئے ان طبعی
اوصاف کے ساتھ اسے علوم قدیمہ و جدیدہ سے پورے طور پہ باخبر ہونا چاہیئے
بدالنسبت راقم اسے علم مناظر ہوا علم آب علم نور علم برق علم تشریح علم حرکت
علم کیمسٹری علم معدنیات علم نباتات علم حیوانات علم جغرافیہ علم سیر علم تاریخ
علم اخلاق علم ادب علم مجلس علم جرثقیل علم ریاضی علم فلکیات سے واقف رہنے
کی بڑی ضرورت ہے لاریب ایسا شکاری جو فطرتی اور کسبی قابلیتوں سے بوضع
بالا بہرہ مند ہو اس کو حقا دعوائے برابری سر سیمویل بیکر اور ان کے سے نام
بر آور دہ اشخاص کے ساتھ حاصل ہے جاننا چاہیئے کہ سر سیمول بیکر ایک بڑے درجے
کے شکاری تھے خدا نے ان کو جمیع صفات سے جن کا ذکر بالا میں آیا ہے متصف

فرمایا غرضیکہ یوں تو ان کی سیاحت نے انسان کے احاطۂ معلومات کو نفع عظیم بخشا مگر علم جغرافیہ ان کی جانفشانیوں کا بہت ممنون ہے۔ سر سیمویل نے دریائے نیل کی تحقیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور جو کام قیصرِ روم سابق نہ کر سکا تھا اور جس کام میں محمد علی پاشائے مصر کو ناکامیابی مترتب ہوئی تھی اس کا انجام سر سیمویل کے ہاتھ سے ظہور میں آیا۔ سر سیمویل کی تصنیفات بہت ہیں اور سب کی سب پڑھنے کے قابل ہیں ایسے مصنفوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صید افگنی سوائے عالم کے جاہل کا کام نہیں ہو سکتا راقم کو دم تحریر یہ خطرہ ہو رہا ہے کہ عوام الناس فقیر کی ان تحریروں کو مجذوب کی بڑ سمجھیں گے کس واسطے کہ شکار کا مفہوم ناواقفوں کے دماغ میں محض غلط طور پر واقع ہے انہیں اس کی مطلق خبر نہیں ہے کہ اس صدی میں صید افگنی کوئی ایسی شئے ہو گئی ہے کہ بے افراط علم انجام نہیں پا سکتی اس غرض سے راقم کچھ مثالیں ضرورت علوم کی ذیل میں عرض کرتا ہے۔

مثال اول:۔ فیر کے وقت جب نال کے اندر باروت مشتعل ہوتی ہے تو اس میں گاس پیدا ہوتی ہے اس گاس کے پیدا ہونے کی خبر اسی کو ہو سکتی ہے جو علم کیمسٹری سے واقف ہے علم کیمسٹری کو کوئی شخص بغیر اور علوم کے جانے ہوئے نہیں سیکھ سکتا ہے علم حساب اور علم جبر و مقابلہ کی دانست کے بغیر علم کیمسٹری کا جاننا ناممکن ہے۔

مثال دوم:۔ جب گولی گاس کے ذریعے سے متحرک ہوتی ہے تو کے قسم کی حرکتیں اس کو لاحق ہوتی ہیں اس کو بغیر علم حرکت کی دانست کے کوئی شخص

سکتا ہے۔ پھر جب گولی کروی ہوتی ہے تو اس کی حرکت مخروطی گولی کی حرکت سے کیا فرق پیدا کرتی ہے۔

مثال سوم :۔ جب نال سے گولی نکل کر فضائے ہوا میں رواں ہوتی ہے تو اس کی راہ قوسی ہوتی ہے۔ کیوں راہ قوسی ہوتی ہے۔ بغیر عالم ریاضی ہوئے کوئی اس کا سبب نہیں بتلا سکتا ہے اس کے سبب کو جاننے کے لئے زمین کی کشش مرکزی سے بھی باخبر ہونا ضرور ہے۔

مثال چہارم :۔ معمولی بندوقوں میں ایک دیدبان ہوتا ہے جسے عوام مکھی کہتے ہیں اور قفل کی نال کے آخر حصّے کے قریب کبھی دو کبھی تین کبھی چار دیدبان کس غرض سے بنائے جاتے ہیں بے علم مناظر سے اطلاع رکھنے کوئی شخص اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ علم مناظر سے مطلع رہنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان آنکھوں کی ترکیب سے واقف ہو پردے اور رطوبتوں سے باخبر ہو مذہب خروج شعاع اور انطباع شبح مرے سے اطلاع رکھتا ہو اسی طرح جتنے مسائل علم مناظر سے متعلق ہیں ان سے آشنا ہو۔

مثال پنجم :۔ بندوق کی نال کے لوہے کو پہچاننے کے لئے کچھ معدنیات میں دستگاہ ضروریات سے ہے پھر نال اور چانپ کے لوہوں کا فرق بے علمی اطلاع کے سمجھ میں نہیں آسکتا اسی طرح سیسے کی گولی کو سخت اور وزنی کرنے کے لئے ایسے اجزائے معدنیہ سے باخبر ہونا ضروری ہے جو سیسے کو سخت اور وزنی کر دیتے ہیں ہر دھات کے وزن کو سمجھنے کے لئے مسئلہ سپیسفک گریویٹی (Specific gravity) سے مطلع رہنا واجبات سے ہے سپیسفک گریویٹی

عبارت ہے اعتباری وزن سے کسی شئے مادی کے بمقابلہ کسی دوسری شئے مادی کے مثلاً اگر ایک کاسہ میں پانی بھریں پھر اسی کاسے میں سونا بھریں تو سونا وزن کے اعتبار سے پانی سے انیس ۱۹ گناہ بھاری ہوگا اسی پر اور اجسام کو قیاس کرنا چاہیئے کہ پانی سے بوزن خاص بھاری یا ہلکے ہوں گے۔

مثال ششم :- ہاتھی حالت آزادی میں جہاں کہیں پایا جاتا ہے تو ایسے ہی ملک میں پایا جاتا ہے کہ جو خط استوا کے نیچے یا قریب۔ اس کے واقع ہوتا ہے اس مسئلے کے سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان علم جغرافیہ سے واقف ہو ورنہ خط استوا کے سمجھنے سے قاصر رہے گا

مثال ہفتم :- ہندوستان اور براعظم افریقہ کے ہاتھی جسمانی ترکیب میں ایک دوسرے سے علٰحدہ دیکھے جاتے ہیں موضع دماغ ایک کا دوسرے کے موضع دماغ سے مناسبت نہیں رکھتا اس مسئلے کے سمجھنے کے واسطے ضرور ہے کہ علاوہ جغرافیہ دانی کے انسان حیوانات کی تشریح سے باخبر ہو تشریح حیوانات میں آدمی کی تشریح بھی داخل ہے پس علم تشریح کی اطلاع کی حاجت محتاج بیان نہیں ہے۔

مثال ہشتم :- شیر میں ایک ایسی قوت برقی مودعہ ہے کہ اکثر انسان کی قوتوں کو سلب کر دیتی ہے اسی لئے شیر کے سامنے کمزور اشخاص حواس باختہ ہو جاتے ہیں اس مضمون کے سمجھنے کے واسطے ضرور ہے کہ انسان برقی معاملات سے خبر رکھے یعنی علم برق سے واقف ہو۔

مثال نہم : بعض سانپ ایسے ہیں کہ نظر کے زور سے جانوروں کو بےحس کر دیتے

ہیں اور بعض نظر کی کشش سے جانوروں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں ظاہر ہے کہ جب تک انسان تاثیر الانظار کے اصول سے یا جذبات مقناطیسی کے قواعد سے واقف نہ ہوگا ان مضمونوں کی تہ کو نہ پہنچ سکے گا۔

مثال دہم:۔ شیر و پلنگ باوجود گوشت خوار جانور ہونے کے افعال و حرکات میں کچھ مطابقت نہیں رکھتے اسی طرح سانبھر اور نیل گاؤ کی بود و باش کے طریقے بالکل علحدہ ہیں۔ ان باتوں کے سمجھنے کے واسطے علم حیوانات کی دانست واجبات سے ہے۔

مثال یازدہم:۔ جنگل مختلف اقسام کے ہوتے ہیں کوئی ڈھاک کا کوئی سیلٹی کا کوئی بانس کا کوئی کانس کا کوئی جھربیری کا کوئی ساکھو کا وغیرہ وغیرہ ہر قسم کا جنگل تقاضے خاص رکھتا ہے پس ان کے تقاضاؤں سے مطلع رہنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان علم نباتات سے باخبر ہو۔

مثال دوازدہم:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں صید افگنی کا کیا طور تھا۔ ان کے بڑے صاحبزادے کیونکر شکار کرتے تھے بے علم سیر کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

مثال سیزدہم:۔ بہرام گور بڑا شکاری تھا اس کی حقیقت بے علم تاریخ کے نہیں منکشف ہو سکتی ہے۔

مثال چہاردہم:۔ شائقین فرنگ نے بہت سی کتابیں فن صید افگنی میں بہت عالی مذاقی کے ساتھ تصنیف فرمائی ہیں۔ ان کتابوں کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے اچھی مناسبت ادبیہ درکار ہے۔

مثال پانزدہم :- شائق شکار کو لازم ہے کہ اپنے شکاری بھائیوں کے حقوق کو ملحوظ رکھے جانوران صید کو بلا ضرورت ایذا نہ پہنچائے صید افگنی میں سفاکی کو راہ نہ دے آداب شکار کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔ ان باتوں کی خوبیوں کو کوئی شخص بغیر علم اخلاق کی دانست کے نہیں سمجھ سکتا ہے۔

مثال شانزدہم جب احباب کا جلسہ ہو تو باتیں ایسی کرنی چاہئیں کہ کسی کو گزند نہ پہنچے عنوان کلام ایسا رہے کہ مناظرہ نہ معلوم ہو۔ لینت خلوص بیساختہ پن خندہ روئی اور بشاشت کے ساتھ سلسلۂ تقریر جاری رہے کہیں سے بھی گفتگو بوئے انانیت نہ دے اس کے ساتھ خوشامد چاپلوسی وغیرہ سے پاک ہو ایسے جلسوں میں صید و شکار کا تذکرہ آجاتا ہے خاص کر اگر کسی شریک جلسہ کو اس کا مذاق حاصل ہوتا ہے۔ پھر اکثر حضرات عام اس سے کہ شکاری ہوں یا نہیں رائے زنیاں کرنے لگتے ہیں بعض ناتجربہ کار ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ انھیں سن کر خاموش ہو جانا تقاضائے عقل مندی ہے مگر جو معاملات صید و شکار سے واقفیت رکھتے ہیں ان سے بھی بعض اوقات اختلاف کرنا پڑتا ہے مثلاً اگر کسی نے یہ کہا کہ اکسپرس ۴۵۰ شیر کے شکار کو کافی ہے تو اس کی تردید ایسی لینت کے ساتھ Express No 450 کرنا چاہئے کہ سامع کو گراں نہ گزرے اکسپرس نمبر ۴۵۰ کا ذکر اس طور پر کیا جائے کہ مخاطب کو برا نہ معلوم ہو اور لطف صحبت برقرار رہے۔ ظاہر ہے کہ صحبتوں میں فراز و نشیب کا خیال رکھنا بے علم مجلس کی دانست کے محض دشوار ہے جاننا چاہئے کہ علم مجلس تمام علوم کا نچوڑ ہے اور ہر شریف آدمی کا فرض منصبی ہے کہ اس سے بہرہ ور ہو۔

مثال ہفتدہم :- زراعت کو شیر و پلنگ سے کس قدر نفع حاصل ہوتا ہے

اس کو وہی شخص جانے گا جس نے علم زراعت کو سیکھا ہو گا ظاہرا زراعت کو شیر پلنگ سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا ہے مگر ارباب واقفیت سے ان کا تعلق پوشیدہ نہیں ہے راقم نے کچھ عرصہ ہوا کہ ایک تحریر بزبان انگریزی لکھی تھی جس کی سرخی شیر اور زراعت تھی خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ان مقاموں میں جہاں سے کوہ و جنگل قریب ہیں زراعت کو ایسے جانوروں سے جیسے سوئر نیل سابہر چیتل کوٹارہ وغیرہ ہیں سخت ضرر پہنچتا ہے مگر جب ان اطراف میں شیر و پلنگ ہوتے ہیں تو اقسام بالا کے جانور کی تعداد بڑھنے نہیں پاتی ہے اور زراعت بربادی سے بچ جاتی ہے۔

مثال ہیزدہم:۔ صحرا و دشت میں جب شکاری رات کو راہ بھول کر بھٹکتا پھرتا ہے اور نہ سمت کا پتا لگتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر شب باقی ہے تو اختر شناسی بہت کام دیتی ہے اختر شناسی کے۔ لئے ضرور ہے کہ انسان کچھ نہ کچھ علم فلکیات سے باخبر ہو۔

مثال نوزدہم:۔ کیفیت ہوا اور ارتفاع کوہ کو دریافت۔ کرنا اکثر شکاری کو ضرور ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے بیرومیٹر کی ضرورت ہوتی ہے بیرومیٹر سے کرۂ ہوائی میں جو انقلابات واقع ہونے کو ہوتے ہیں معلوم ہو جاتے ہیں راقم نے چند بار شکار گاہوں میں ہمراہیوں کو ژالہ باری سے متنبہ کر دیا ہے اور موقع کی اطلاع بخشی سے ان کو صدمۂ عظیم سے مامون رکھا ہے بلا شبہ بیرومیٹر نہایت کارآمد آلہ ہے مگر اس کے اصول سے واقف رہنے کے واسطے کس قدر معلومات کی حاجت ہے یہ آلہ ارتفاع کوہ کے دریافت کرنے کے واسطے بھی خوب شے

ہے ارتفاع کے دریافت کی ضرورت کوہ ہمالہ وغیرہ کے شکار میں ہوتی ہے۔
جب شکاری دریافت کرنا چاہتا ہے کہ وہ سمندر کی سطح سے کس قدر بلندی پر چڑھ گیا ہے ہمالہ میں بز کوہی کا شکار ہوتا ہے یہ جانور بہت مرتفع مقاموں میں قیام کرتا ہے علاوہ اس کے وہ خرس و پلنگ بھی جو برف میں وطن رکھتے ہیں بہت مرتفع جگہوں میں پائے جاتے ہیں پس شکاری کو ایسے وقت میں ارتفاع کی تحقیق کا ذریعہ بیرومیٹر کے سوا دوسرا نہیں ہوتا ہے۔

مثال ہفتم:۔ کبھی شکاری کو رسن کے ذریعے سے کوہی گڑھوں میں اترنا ہوتا ہے اور وہاں اتر کر شیر یا بز کوہی کو شکار کرنا پڑتا ہے۔ بعد شکار کرنے کے مع شکار اس کو اوپر آنے کی حاجت ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر وہ علم جر ثقیل سے بہرہ رکھتا ہے تو پولی یعنی گھرنی وغیرہ کے استعمال سے اپنے کو اوپر لانے کا سامان پہلے سے کر لے سکتا ہے۔ اسی طرح وزنی جانوروں کے اٹھانے میں اس کی اطلاع اس علم کی بکار آمد ہو سکتی ہے۔

واضح ہو کہ راقم نے بالا میں بہت ہی تھوڑے مسائل علمیہ کو جو فن شکار سے متعلق ہیں مثالاً بیان کیا ہے اگر کچھ بھی تقریر کو وسعت دی جاتی تو پورا ایک دفتر تیار ہو جاتا بالمختصر جاننا چاہیئے کہ فن صید افگنی ایک ایسا فن ہے کہ جس کو بہت سے علوم سے تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا شغل اسی کو زیبا ہے جو شخص محصل ہے اور ان صفات سے متصف ہے جن کا ذکر راقم نے بالا میں کیا ہے علاوہ اس کے کہ یہ شغل سرسبیل ایسے باکار رکھتا ہے اس شغل کو ہیچے شعرا سے بھی تعلق ہے ناواقف کو یہ عرض بھی فقیر کی مجذوب کی بڑ معلوم

ہو گی مگر حقیقت یہ ہے کہ سچا مذاق صید افگنی کا شاعری کے پیچھے مذاق کے ساتھ ایک بڑی مناسبت رکھتا ہے اس مناسبت سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اہل اطلاع تو بےخبر نہیں ہیں مگر البتہ عوام الناس کو اس کی اطلاع نہیں ہے اور نہ اس شاعر کو اطلاع ہے جو گھر میں بیٹھا ہوا جاہل شاگردوں کا ایک گروہ لئے ہوئے قافیہ پیمائی کیا کرتا ہے اس کنوئیں کے مینڈک کو کیا خبر ہے کہ فضائے آسمان کا کیا عالم ہے اگر اس نے گھر سے باہر قدم رکھا ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ دست قدرت نے کیا کیا عجائبات سے روئے زمین کو آئینۂ حیرت بنا رکھا ہے مگر اس نے تو شاعری اسی کو سمجھ لیا ہے کہ اول مصرع میں گل ہو تو دوسرے مصرع میں بلبل ہو اس کو اس کی کہاں واقفیت ہے کہ شاعری نام ہے مشاہدۂ عالم سے اپنے میں کیفیت جذبی کے پیدا ہونے کا اور دوسرے میں کیفیت جذبی کے پیدا کرنے کا پس ہر شخص جو اس طور پر اپنے میں کیفیت جذبی کے پیدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یا کسی دوسرے میں کیفیت جذبی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے سچا شاعر ہے۔ ایسا شخص اپنے لئے بھی شاعر ہے اور دوسرے کے واسطے بھی شاعر ہے لیکن اگر اس کو اسی قدر صلاحیت ہے کہ کیفیت جذبی صرف اس میں پیدا ہو تو ایسا شخص صرف اپنے لئے شاعر ہے یہ بھی بہت غنیمت ہے کس واسطے کہ ایسی صلاحیت کا موجود رہنا عمدگی طبیعت کی دلیل ہے برخلاف ان دونوں کے وہ قافیہ پیما ناشاعر ہے جو مشاہدۂ عالم سے محروم رہنے کی وجہ سے نہ اپنے میں کیفیت جذبی کے پیدا ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ دوسروں میں کیفیت جذبی پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے بہرحال اب راقم دکھانا چاہتا ہے کہ سچے مذاق صید

افگنی کو سچے مذاق شاعری کے ساتھ کیا مناسبت ہے واضح ہو کہ صید افگنی ایک بڑا ذریعہ دنیا دیکھنے کا ہے اس کو ہمارے ناواقف ہم وطن دشواری سے سمجھیں گے کس واسطے کہ ان کو حقیقت صید افگنی سے کچھ خبر نہیں ہے۔ اوّل تو ہم لوگ عموماً اس کا مذاق نہیں رکھتے دوم جو حضرات صید افگنی کا شغل کبھی کبھی اختیار کرتے ہیں وہ جوار میں جو کچھ جانور چرند پرند پاتے ہیں مار لیتے ہیں اور اسی کو صید افگنی سمجھتے ہیں لیکن جاننا چاہئے کہ نہ یہ صید افگنی ہے نہ اس میں فَسِیۡرُوا فِی الۡاَرۡضِ کی تعمیل متصور ہے۔ صید افگنی کیا شے ہے اسے اہلِ یورپ خوب جانتے ہیں یورپین شکاری اپنے ملک سے نکل کر کبھی افریقہ کبھی امریکہ اور کبھی ایشیا کی طرف جاتا ہے عجائبات عالم کا تماشا دیکھتا ہے اپنے مشاہدات کو حوالۂ قلم کرتا ہے اور اپنی تحریر سے شاعری کی پوری داد دیتا ہے ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کی سیاحت کرے گا تو بہت کچھ دیکھے گا اور جب بہت کچھ دیکھے گا تو بہت کچھ لکھے گا۔ جائے انصاف ہے کہ ایسے شکاری سیاح سے کسی خانہ نشین عنکبوت سیرت شاعر کو کیا نسبت دی جاسکتی ہے ان یورپین شکاریوں کے سفرناموں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تماشائے فطرت کے دیکھنے کے بے انتہا مواقع ملا کئے ہیں اور خدا جانے کیا کیا حظوظ قلبی ان کو نصیب ہوتے گئے ہوں گے ان کی تحریریں، پُر از کیفیت نظر آتی ہیں اور الحق ان کی خوبیاں سچی شاعری کی تصویر پیش نظر کر دیتی ہیں صید افگنی کی کارروائی جب عالی مذاقی کے ساتھ عمل میں آتی ہے تو نہایت مطبوع رنگ پیدا کرتی ہے خود شکاری اس سے متمتع ہوتا ہے اور جب اپنے تمتع کے بیانات کو حوالۂ قلم کرتا ہے تو

اس کی تحریر سے ناظرین حظ روحی اٹھاتے ہیں مشغلۂ صید افگنی میں انسان کو صنائع آفریدگار کے معاینے کا بہت موقع ملتا ہے ایسے مواقع ان اشخاص کو جو گھر بیٹھے رہتے ہیں کبھی نصیب نہیں ہو سکتے ایسے بڑے بڑے شکاریوں کو جیسے سر سیمویل بیکر اسٹرنڈیل انڈرسن بالڈون وغیرہ وغیرہ ہیں کیا کیا نہیں صنائع آفریدگار دیکھنے کے مواقع ملے ہوں گے مگر فقیر نے بھی شکار کی بدولت جھاڑ پہاڑ کی سیروں میں ایسی ایسی سبزیاں اور خوش سوادیاں دیکھی ہیں کہ ان کے دیکھنے کے بعد کیونکر کوئی منکر ذات باری تعالیٰ ہو سکتا ہے ہر شجر حجر چرند پرند درندگر ندجڑی بوٹی جھرنا چشمہ پھول پتّی سب کے سب زبان حال سے اس کے وجود کا اقرار کرتے نظر آتے ہیں جدھر دیکھئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہے جو غافلوں کی آنکھوں سے نہاں رہ کر سب کچھ کیا کرتا ہے ۔

لمولفہ

کوئی پنہاں ہے پس پردہ ساماں بہار　　گل چمن میں نہیں بے وجہ ہنسا کرتے ہیں

شکاری کی زندگی لاریب بڑی پیاری زندگی ہوتی ہے نام آور شکاریوں کا تو کیا کہنا خود ان کی تحریریں ان کے عنوان زندگی سے خبر دیتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ایسی زندگیاں کمتر اہل دنیا کو نصیب ہوتی ہیں لیکن فقیر نے بھی جس قدر عمر شغل صید افگنی میں بسر کی ہے اس کے لطفوں کو خیال کر کے بے اختیار دل پوچھ اٹھتا ہے کہ کیا اس دار المحن میں بھی انسان کو اس قدر خوش دلی کا موقع ملتا ہے جاننا چاہئے کہ اس مشغلے میں افراط لطف کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ صید افگنی کا لطف محض حسّی انداز کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا

لطف بہت کچھ روحانی پہلو بھی رکھتا ہے حالات ذیل سے جو ذاتی معاملات راقم کے ہیں کسی قدر صید افگنی کی لذتوں کا موازنہ منتصور ہے ۔

فصل سرما کی تھی اور فقیر کے خیمے ایک پہاڑ پر استادہ تھے عموماً اس فصل میں کمتر شیر وغیرہ کا شکار کھیلا جاتا ہے مگر چونکہ راقم کو صید افگنی کا مشغلہ دوازدہ ماہ رہتا ہے کسی خاص فصل کی پابندی نہیں رکھتا بہر حال جہاں مخیم قرار پایا تھا وہاں کی سبزی نہایت دل آویز تھی ہر طرف سبز پوش پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے تھے ہزاروں عظیم ہیکل اشجار چار سو دکھائی دیتے تھے ہری کچھ جھاڑیوں کی کمی نہ تھی سبزے کی کثرت فرش زمردی کا رنگ پیدا کئے ہوئے تھی چند طرح کے صحرائی اشجار بھی بار آور ہو رہے تھے چھوٹے چھوٹے طیور ہر جانب مشغول نوا سنجی تھے مگر سب سے زیادہ قابل لحاظ ایک دریا تھا۔ جو پہاڑوں کو کاٹتا ہوا ملک کے میدانی حصوں کی طرف بہ نکلا تھا۔ جس صورت سے اس دریا نے پہاڑوں کو کاٹا تھا۔ قلم کی طاقت سے باہر ہے کہ اسے احاطۂ تحریر میں در لائے کو سوں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے آلات کے ذریعے سے دو رویہ پہاڑوں کو کاٹ کر درمیان سے ایک عریض دریا بہا دیا ہے اس دریا کا رخ اس وضع پر واقع ہوا تھا کہ اکثر مقاموں میں وقت صبح آفتاب کی سنہری شعاعوں سے وہ دریا میدان طلا معلوم ہوتا تھا۔ اور شام کو رنگ شفق اسے عقیق کا ایک وسیع تختہ بنا ڈالتا تھا ۔ اس کے دونوں کناروں پر شاداب روئیدگیاں سبز گوٹ کا رنگ پیدا کرتی تھیں اس پر فضا جگہ میں فقیر کو دو تین روز اتفاق قیام ہوا شام کو جب تشغل شکار سے فرصت

ہو جاتی تو اسی دریا کے قریب کسی پتھر پہ بیٹھ جاتا اور موجودہ سبزیوں پہ غور و فکر کو راہ دیتا طرح طرح کے خیالات اس وقت پیدا ہوتے تھے کبھی قدم و حدوث کے مسائل پیش نظر ہوتے تھے کبھی کون و فساد کے مضامین دل میں جگہ کرتے تھے۔ کبھی علل و سبب کی طرف طبیعت رجوع لاتی تھی۔ اور اسی طرح کے ہزاروں حکمائی خیالات پیش ذہن ہو جاتے تھے علاوہ مسائل الہیات وغیرہ کے علم حیوانات علم نباتات علم معدنیات علم طب وغیرہ وغیرہ کے مسائل خوض و فکر کے باعث ہوتے تھے شاعرانہ خیالات کے ہجوم سے بھی چارہ نہ تھا۔ المختصر وہاں کے قیام مختصر کے زمانے میں جو وقت صید افگنی سے خالی پڑھتا تھا۔ وہ طرح طرح کے مسائل کے سوچ میں بسر ہوتا تھا اور جوں جوں سوچ بڑھتا جاتا تھا۔ اسی قدر دل زیادہ مبتلائے تحیر ہوتا جاتا تھا اسی اثنا میں بعض احباب با مذاق سے کسی مسئلے میں جو گفتگو آجاتی تھی تو رنگ برنگ کے خیالات کے اظہار کی صورت بھی پیدا ہوتی تھی۔

واضح ہو کہ ایسے مقاموں میں انسان ذی علم و باخبر کو دماغی کاموں کی طرف طبیعت کو رجوع کرنے کی حاجت نہیں ہوتی خود ایسے خیالات تقاضائے موقع و محل سے دل و دماغ میں ارباب فکر و غور کے آٹوٹتے ہیں چنانچہ بعض احباب با مذاق کے اظہار خیالات سے عیاں ہوتا تھا کہ ان کے دل و دماغ سیر و سفر میں بیکار نہیں رہتے تھے اے حضرات ناظرین اس وقت جو ایسی ایسی گزشتہ صحبتیں یاد آتی ہیں تو ان کی یادیں سر نو سے وہی ولولے پیدا کر دیتی ہیں۔ طبیعت عالم مادیات کی طرف سے منہ

موڑ کر روحانیات کی طرف میلان دکھلانے لگتے ہیں یہ تو گھر بیٹھے طبیعت کی حالت ہوتی ہے شکارگاہ کی کیا حقیقت بیان کی جائے جہاں دنیا کے زق زق بق بق سے مرد شکاری کو فرصت حاصل رہتی ہے اور حالت آزادی میں اعلیٰ درجے کے خیالات اپنی اپنی جلوہ گریاں دکھاتے ہیں۔

أَصَاحِ تَرَىٰ بَرْقًا أُرِيكَ وَمِيضَهُ كَلَمْعِ الْيَدَيْنِ فِي حَبِيٍّ مُكَلَّلِ

معنی:۔ اے ہم نشیں تو برق کے چمکنے اور کودنے کو دیکھ کہ اس کا چمکنا اور کودنا اٹھتی ہوئی گھنگھور گھٹائیں معشوقوں کے ہاتھوں کی درخشانی اور جنبش کے انداز رکھتا ہے۔

شاعر گھوڑے کی تعریف کو تمام کر کے اب برق و باراں کے مضامین کو قلمبند کرتا ہے یہ مضامین بجائے خود ہر زبان میں شاعرانہ خوبیاں رکھتے ہیں مگر چونکہ عرب میں عموماً بارش قلت کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر حسب مراد ہوتی بھی ہے تو صرف اس کے تھوڑے حصوں میں ہوتی ہے اس لئے کسی شاعر عرب کا ایسے مضامین کی طرف توجہ کرنا خلافِ فطرت نہیں ہے۔

امرؤ القیس کا بیان برق و باراں کی طرف نقل کرنا اور بھی امر طبعی ہے۔ یہ شخص بالطبع عاشق مزاج صحرا پسند سپاہی منش آزادہ رو جفاکش دوست پرست مردانہ طبیعت شبر دل محبت کیش یار باش اور شکار دوست، تھا۔ اس پر سے شاعری کی قابلیت ایک بڑے درجے کی رکھتا تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ فطرت نے اسے خلقت کی رو سے شاعر بنایا تھا پس ایسے شخص کا سامان ابر و باراں سے بشاش ہو کر برق و باراں کے بیان میں شاعرانہ

مذاق کے ساتھ تقریر کو طول دینا تقاضائے فطرت سے بعید نہیں ہے ایسی بشاشت اس کم بخت شاعر کو نصیب نہیں ہو سکتی ہے جو گھر کے اندر بیٹھا ہوا عنکبوت کی زندگی بسر کرتا ہے جس نے ابر کو سوا۔۔۔ اپنے گھر کے کہیں برستے نہیں دیکھا ہے جس نے کبھی ابر کو کوہستان پر ٹوٹ پڑتے معاینہ نہیں کیا ہے جس نے ابر کو کسی وسیع صحرا کو دم بھر میں تہ آب، کر ڈالتے نہیں ملاحظہ کیا ہے لیکن امرء القیس جو ایک شاعر صحرا نورد تھا اور جو عاشق مزاجی کے ساتھ سیر و شکار کو دوست رکھتا تھا کیونکہ گھوڑے کے حالات کہتے کہتے برق و باراں کے بیان کی طرف متوجہ نہ ہوتا اس شاعر کو ایسے اتفاقات ضرور آپڑے ہوں گے کہ وہ مشغول صید افگنی ہوگا یا دشت نوردی کرتا ہوگا کہ اسی حال میں ابر گھر آیا ہوگا۔ اور بارش نے اسے پناہ لینے کی فرصت نہیں دی ہوگی۔ فقیر کو ایسے اتفاقات اکثر پیش آئے ہیں اور یہ بھی فقیر کو یاد ہے کہ وقت صید افگنی کوہستانوں میں جو ابر سیاہ نمودار ہوا ہے تو بے اختیار شعر بالا امرء القیس کا ذہن فقیر میں آیا ہے اور اس موقع کی یاد نے اس وقت ایک عجب لذت دل کو بخشی ہے پس جاننا چاہئے کہ ایک ربط پوشیدہ امرء القیس کے بیان برق و باراں کو اس کے ان اشعار کے ساتھ حاصل ہے جن میں وہ گھوڑے اور شکار کا مذکور کرتا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس قصیدے میں امرء القیس نے دونوں طرح کے مضامین یعنی داخلی (subjective مضامین) اور خارجی (objective مضامین) قلمبند کئے ہیں اور دونوں طرح کی مضمون آوری میں داد شاعری دی ہے مثلاً

گھوڑے شکار۔ اور برق و باراں کے جو مضامین ہیں خارجی پیرایہ رکھتے ہیں مگر جہاں داخلی رنگ منظور رکھا ہے وہ مضامین عشقیہ وغیرہ پر مشتمل ہیں پہلا شعر اس قصیدے کا قِفَا نَبْكِ الخ داخلی پہلو رکھتا ہے اسی طرح اور بھی اشعار ہیں مثلاً تسلت عمایات الرجال الخ۔ اس تمام قصیدے کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امرؤ القیس ایک اعلیٰ درجے کا شاعر تھا اس رتبے کا شاعر ہر ملک اور ہر زبان میں قابل قدر متصور ہے۔

يُضِيءُ سَنَاهُ أَوْ مَصَابِيحُ رَاهِبٍ ... أَمَالَ السَّلِيطَ بِالذُّبَالِ الْمُفَتَّلِ

معنی:۔ روشن ہوتی ہے اور درخشاں ہوتی ہے وہ برق جنبش کے ساتھ جس طرح معشوقوں کے ہاتھ درخشاں اور جنباں ہوتے ہیں یا مانند راہب کے چراغوں کے کہ جن میں تیل پلیتۂ تافتہ کی طرف مائل کیا جاتا ہے تاکہ روشنی تیز ہو۔

واضح ہو کہ شاعر برق کی درخشانی اور جنبش کو دو چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے ایک تو نگاروں کے ہاتھوں سے درخشانی اور جنبش کے ساتھ دوم چراغ ہائے راہب کے ساتھ جس کی روشنی بہت تیز ہوا کرتی ہے۔ پہلی تشبیہ اس رنگ کی ہے کہ جس طرح شعرائے فارسی و اردو برق کو معشوق کے خندہ یا نگاہ کے ساتھ دیا کرتے ہیں گو درخشانی و جنبش دست کے مضمون کو اس طور سے کمتر باندھتے ہیں لیکن دوسری تشبیہ تو خاص عربی مذاق رکھتی ہے اور ملکی رواج سے خبر دیتی ہے یعنی راہبوں کا دستور ہے کہ شام کو نہایت روشن چراغ جلایا کرتے ہیں تاکہ دور سے اس کی روشنی نمایاں ہو جس کے ذریعے سے اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہو تو چراغوں کی روشنی کو دیکھ کر ان کے کلیسا کی طرف حصول امن کی

نظر سے چلا آئے بلا شبہ یہ ترکیب مسافر نوازی کی خوب ہے چنانچہ راہبان کلیسا یعنی پارسایان ترسا کی نیک دلی اور رحیمی کی نقلیں بہت کچھ کتابوں میں درج ہیں اور خدائے تعالیٰ بھی قرآن شریف میں انھیں خوبی کے ساتھ یاد فرمایا، مگر بعض حکایتیں ایسی بھی منقول ہیں کہ بعض اشخاص راہبوں سے مسافروں کو مار بھی ڈالتے تھے جاننا چاہیئے کہ راہب عبارت ہے پارسائی ترسا سے۔ ترسا سے مراد قوم عیسائی ہے راہب بیاہ نہیں کرتے اور تارک دُنیا ہوتے ہیں رہبانیت کو اسلام نے ممنوع کیا ہے اس اصول پر کہ یہ ایک غیر فطرتی طور زندگی بسر کرنے کا ہے اور یہ ایک ایسا ضرر انگیز طریقہ ہے کہ جس سے اندراس بنی آدم کی صورت یقینی ہے خودکشی سے بھی یہ امر زیادہ مقدوح نظر آتا ہے کس واسطے کہ خودکشی کا نتیجہ فاعل خودکشی تک محدود رہتا ہے بخلاف رہبانیت کے کہ اس کی مضرت پہلوئے عام رکھتی ہے۔

واضح ہو کہ ہر ملک کی شاعری ایک خاص رنگ رکھتی ہے اس لئے کسی خاص ملک کی شاعری کے لطف کو درک کرنے کے لئے اس ملک کے معاملات تمدن معاشرت مذہب اخلاق وغیرہ سے مطلع رہنا ضرور ہے یہ تشبیہ برق کی چراغ ہائے راہب کے ساتھ ایسے ملک کے متوطن کو جس کے ہاں راہب نہ رہتے ہوں یا اس شخص کو جو مضمون راہب سے خبر نہ رکھتا ہو کوئی مزا نہیں دے سکتی حالانکہ یہ تشبیہ جس ملک کی ہے وہاں اس کی خوبی سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا ہے ایسی تشبیہات وہ ہیں جو کسی خاص ملک کے معاملات تمدن و معاشرت و مذہب وغیرہ سے تعلق

رکھتی ہیں اور عام حیثیت سے دور ہوتی ہیں بر خلاف ان تشبیہات کے جن کو امور فطرت سے تعلق ہوتا ہے مثلاً چشم گریاں کی تشبیہ ابر کے ساتھ ظاہر ہے کہ یہ تشبیہ ایسی ہے کہ اس کو کسی خاص ملک کے معاملات تمدنی و مذہبی وغیرہ یا رواج کے ساتھ مناسبت نہیں ہے۔ تشبیہ ادل جو شاعر نے رخشانی وجنبش برق کو دست نگار کے ساتھ دی ہے اسی قسم کا انداز رکھتی ہے اور اس کا فطرتی پہلو ویسا ہی ہے جیسا کہ برق کو خندۂ خوباں و نگاہ محبوباں کے ساتھ تشبیہ دی جائے ایک شاعر انگریزی نے برق کے کوندنے اور بادل کے گرجنے کو زبان کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور جس رنگ سے تشبیہ دی ہے اس کا انداز بہت خوب ہے وہ کہتا ہے کہ دو کوہ مقابل ہیں جو بجلیاں چمک رہی ہیں اور بادل گرج رہے ہیں گویا ایسا ہے کہ وہ دونوں آپس میں ہم کلام ہو رہے ہیں بلا شبہ یہ ایک نہایت خوب صورت تشبیہ ہے۔ اور محتاج تصریح نہیں ہے اردو یا فارسی میں ایسی تشبیہ فقیر کی نظر سے نہیں گزری ہے البتہ ایک دوسرے رنگ میں فخر الشعرا استاد حضرت غالب نے مضمون کو زبان کو بڑی جدت کے ساتھ قلمبند فرمایا ہے چنانچہ حضرت فرماتے ہیں۔ ؎

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحت شاہ ۔۔۔ طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

مگر اس شعر کا پہلو ایسا فطرتی نہیں ہے ہر ایک ملک کا آدمی مضمون لعل وطوطی سے ناواقف رہ کر اس شعر کو مجرد تبعیت فطرت کے سہارے پر سمجھ سکے

تَعَدَّتْ لَهٗ وَصْحَبِیْ بَیْنَ ضَارِجٍ ۔۔۔ فَبَیْنَ الْعُذَیْبِ بُعْدَ مَا مُتَأَمَّلٖ

معنی :- بیٹھے ہم اور یاراں ہمارے درمیان ضارج اور عذیب اس ابر کے دیکھنے کے واسطے مگر جس ابر کے دیکھنے کو ہم لوگ بیٹھے وہ بہت دور تھا۔

واضح ہو کہ ضارج اور عذیب دو موضع کے نام ہیں. شاعر کہتا ہے کہ تماشائے ابر کے لئے ہم لوگ دو موضع کے درمیان بیٹھے مگر وہ مقام جہاں ابر چھایا ہوا تھا. وہ بڑے فصل پر واقع تھا. یہ شعر بھی نہایت فطرتی مذاق رکھتا ہے جب دور پر ابر محیط رہتا ہے تو دور کے دیکھنے والے کو نہایت خوش نما معلوم ہوتا ہے اور بے اختیار ناظر کی توجہ اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ امرء القیس فطرت کا ایک بڑا شاگرد رشید تھا اپنی شاعری میں کبھی فطرت کی طبیعت سے انحراف نہیں کرتا ہے ۔

عَلَىٰ قَطَنٍ بِالشَّيْمِ أَيْمَنُ صَوْبِهِ   وَأَيْسَرُهُ عَلَى السِّتَارِ فَيَذْبُلِ

معنی :- جب میں نگاہ کرتا ہوں تو ابر کو بہاری کے ساتھ جانب راست میں کوہ قطن پر برستے دیکھتا ہوں اور جانب چپ میں کوہ ستار اور کوہ یذبل پر ۔

شاعر یہاں جود باراں کو مذکور کرتا ہے اور وسعت موضع بارش کو دکھاتا ہے ملک عرب میں اس قدر بارش کا ہونا خالی از لطف نہیں ہو سکتا. اہل ہند ملک عرب کو اپنے ملک پر قیاس نہ فرمائیں کہ جہاں بارش کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ اس قدر بارش جس کا ذکر امرء القیس اپنے شعر بالا میں کرتا ہے کوئی حیرت افزا امر نہیں ہے ۔

فَأَضْحَى يَسُحُّ الْمَاءَ فَوْقَ كُتَيْفَةٍ   يَكُبُّ عَلَى الْأَذْقَانِ دَوْحَ الْكَنَهْبَلِ

معنی :- پس موضع کتیفہ پر ابر برستا ہے اور زور باراں اس قدر تھا کہ کنہبل کے

درختوں کو بھی جو جنگل کے درختوں میں عظیم پیکر ہوتے ہیں زمین پر منہ کے بھل گرا دیا تھا۔
اس شعر میں کوئی مبالغہ پردازی شاعر نے ایسی نہیں کی ہے کہ احاطۂ فطرت سے تجاوز کر گئی ہو ہیزیڈ (Hesiod.) شاعر یونانی بھی زور باد و باراں کے مضمون کو اس طور پہ قلمبند کرتا ہے جیسا کہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے وہ کہتا ہے کہ ہوا شدید ضربیں لگا لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر کے قوی ہیکل درخت ہائے پائین (Pine) کو پھاڑ ڈالتی ہے اور عظیم پیکر درخت ہائے اوک (oak) کو اکھاڑ کر دامن کوہ میں پھینک دیتی ہے۔

وَمَرَّ عَلَى الْقَنَانِ مِنْ نَفَيَانِهِ　　فَأَنْزَلَ مِنْهُ الْعُصْمَ مِنْ كُلِّ مَنْزِلِ

معنی:- جب کوہ قنان پر باراں پہنچا تو اس کے خوف سے آہوئے سفید بازو دبز کوہی ہر طرف سے پہاڑ کے نیچے اتر آئے یعنی جب کثرت آب سے ان کوہی جانوروں کو پہاڑ میں امن کی شکل باقی نہیں رہی تو میدانی حصۂ زمین کی طرف اتر آئے واضح ہو کہ عموماً بارش زیادہ کوہستان میں ہوتی ہے کوہ ہائے بلند اپنی طرف ابر کو کھینچ لیتے ہیں پس جانوران کوہی کثرت بارش کی حالت میں صحرا و میدان کی طرف اتر آتے ہیں۔ یہ شعر بھی پورا فطرتی مذاق رکھتا ہے امرء القیس کی خوش مذاقی سے خبر دیتا ہے۔

وَتَيْمَاءَ لَمْ يَتْرُكْ بِهَا جِذْعَ نَخْلَةٍ　　وَلَا أُطُمًا إِلَّا مَشِيدًا بِجَنْدَلِ

معنی:- قریہ تیما میں تو بارش نے تنہ ہائے درخت کو باقی نہ رکھا اور گھروں کو سلامت نہ چھوڑا الا ایسے مکانات کو جن کی تعمیر سنگ و گچ و آہک سے ہوئی تھی یعنی صرف ایسے مکانات کہ سنگی اور پختہ تھے صدمۂ باراں سے محفوظ رہے۔

واضح ہو کہ عرب میں اتنی بارش کثرت کا حکم رکھتی ہے، گو ہندوستان میں ایسی بارش کہ جس کی وجہ سے خام مکان گر پڑیں اور پختہ کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کوئی نادر امر نہیں ہے. بہر حال یہ شعر بھی اپنی وضع پر لطف سے خالی نہیں ہے اور نا مطبوع مبالغہ پردازی سے بمراحل دور ہے

كَأَنَّ ثَبِيرًا فِي عَرَانِينِ وَبْلِهِ   كَبِيرُ أُنَاسٍ فِي بِجَادٍ مُزَمَّلِ

معنی :۔ گویا کہ کوہ ثبیر اوائل باران بزرگ قطرہ میں مثل ایک مرد امیر و بزرگ کے معلوم ہوتا ہے کہ جو ایک گلیم مخطط اوڑھے ہوئے ہے۔

واضح ہو کہ اکثر جس وقت پہلا پانی بارش کا گرنا شروع کرتا ہے تو بڑے بڑے قطرے برستے ہیں اور پیاپے جو یہ قطرات زمین کی طرف آتے ہیں تو ان سے خطوط کی شکل پیدا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے زمین کی طرف لاکھوں خطوط کھچے ہوئے ہیں یہ پانی جب کسی پہاڑ پر پڑتا ہے تو پہاڑ مخطط دکھائی دیتا ہے. پس شاعر پہاڑ کے اس طور پر مخطط نظر آنے کو ایک مرد امیر و بزرگ کے گلیم مخطط کو اوڑھے رہنے کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اور واقعی یہ تشبیہ تامہ ہے کس واسطے کہ کوہ کے ساتھ مرد امیر و بزرگ کو نسبت وقار حاصل ہے اور کوہ کا مخطط نظر آنا گلیم مخطط کے ساتھ پوری مشابہت رکھتا ہے. جاننا چاہئے کہ گلیم مخطط سوا اُمرا کے غربا کو میسر نہیں آسکتی اسے گلیم درویش نہیں سمجھنا چاہئے. شاعر کی خوبی کلام محتاج بیان نہیں۔

كَأَنَّ ذُرَى رَأْسِ الْمُجَيْمِرِ غُدْوَةً   مِنَ السَّيْلِ وَالْغُثَاءِ فَلْكَةُ مِغْزَلِ

معنی :۔ گویا کہ چوٹی کوہ مجیمر کی وقت صبح سیل و خاشاک کے باعث چرخ دوک

ہو رہی ہے یعنی کوہ مجیمر کی چوٹی کے گرد جو سیل شکل گرداب پیدا کئے ہوتے ہے اور
اس میں خاشاک بھی شامل ہو رہی ہے تو مجیمر کی چوٹی نے چرخے کی صورت پیدا کی ہے

وَاَلْقیٰ بِصَحْرَاءِ الْغَبِیْطِ بِعَاعَهٗ　　نُزُوْلَ الْیَمَانِیْ ذِی الْعِیَابِ الْمُحَمَّلِ

معنی :- اور ابر مذکور نے صحرائے غبیط میں اپنے مال ڈال دیئے جس طور پہ کہ تاجر یمنی جو جامہ دانوں کا مالک اور ان کا بار کرنے والا ہوتا ہے نزول کرتا ہے۔

واضح ہو کہ تاجر یمنی جامہ ہائے منقش لاتا ہے اور فروخت کی نظر سے انھیں لوگوں کے سامنے پھیلاتا ہے تاکہ لوگ دیکھیں اور خرید کریں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ ابر مذکور صحرائے غبیط میں تاجر یمنی کا طور اختیار کرتا ہے یعنی رنگ برنگ کے پھول ہر طرف کھلاتا ہے ہر سمت میں سبزہ اگاتا ہے اس کی مثال ویسی ہے کہ جیسے تاجر یمنی کسی دیار میں وارد ہوتا ہے خریداروں کو اپنے جامہ ہائے منقش دکھانے کے واسطے انھیں پھیلاتا ہے شاعر نے ایک نہایت پیاری تشبیہ اختیار کی ہے۔ مرزا قاآنی بھی اپنے قصیدہ منقبت امام ہشتم علیہ السلام میں نمود گل و سبزہ کو پارچہ ہائے منقش سے تشبیہ دیتے ہیں۔

خرد شد ہر دم از گردوں کہ پوشد بر تن ہامون
ز سنبل کسوت اکسون ز ژالہ خلعت دیبا
ز بس گلہائے گوناگوں چمن چوں صحف انگلیون
تو گوئی فرش سقلاطوں صبا گسترده در مرعیٰ

کَاَنَّ مَکَاکِیَّ الْجِوَاءِ غُدَیَّةً　　صُبِحْنَ سُلَافًا مِنْ رَحِیْقٍ مُفَلْفَلِ

معنی :- گویا کہ مرغان بیابان نے ایسی شراب بامدادی پی ہے کہ جو خالص اور

فلفل انداختہ ہے یعنی بارش کے ہو جانے سے طیور ایسے مست ہو رہے ہیں کہ کہ گویا انھوں نے شراب صبح پی ہے اور حالت مستی میں نواسنجیاں کر رہے ہیں بعد بارش کے ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے کہ طیور مست نغمہ رہتے ہیں۔

شاعر کی خوبی بیان محتاج بیان نہیں ہے جس قدر شعر بالا فطرتی مذاق رکھتا ہے اہل مذاق پر ہویدا ہے۔

كَأَنَّ السِّبَاعَ فِيهِ غَرْقَى عَشِيَّةً ۔۔۔ بِأَرْجَائِهِ الْقُصْوَى أَنَابِيشُ عُنْصُلِ

معنی:۔ جب بارش کی کثرت ہوئی اور درندے تتر بتر ہو کر خاک آلودہ ہو گئے تو ان کی صورتیں وادیان دور افتادہ میں بیخ ہائے پیاز دشتی کی ہو گئیں جو خاک آلودہ رہا کرتی ہیں یعنی درندے خاک آلودہ ہو کر بیخ ہائے پیاز دشتی کی صورت ہو گئے پیاز دشتی کی جڑیں زمین میں مضبوطی کے ساتھ گڑی رہنے کے سبب سے ہمیشہ خاک آلودہ رہا کرتی ہیں۔ پس درندے دشتی خاک آلودہ ہو کر انھیں کی صورت کے ہو گئے

واضح ہو کہ یہ قصیدہ نمونے کے طور پر انتخاب ہوا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تمام قصائد سبعہ معلقہ سے فصاحت بلاغت اور حسن شاعری میں غالب ہے بہر حال اس قصیدے کے مدنظر سے حضرات ناظرین قبل بعثت کی شاعری عرب کا اندازہ سمجھ جائیں گے جاننا چاہئے کہ یہ سب قصائد فطرتی مذاق رکھتے ہیں اور بلاشبہ بہت سے عمدہ خیالات پر مشتمل ہیں ان قصائد میں بادشاہوں یا امیروں کی جھوٹی تعریفیں مندرج نہیں ہیں ہر شاعر سچے جوش سے یا واردات قلبیہ اور دیگر امور ذہنیہ کو کہیں۔ بیان کرتا ہے یا معاملات خارجیہ کو کہیں۔ جو الہ قلم کرتا ہے فارسی کے شعرا کی طرح بے مزہ یا

طور پر مضمون آوری نہیں کرتا ہے آئندہ معلوم ہوگا کہ کس قدر کم فارسی کے قصیدے ہیں جو سچے مذاق شاعری سے بہرہ رکھتے ہیں عموماً فارسی قصائد مدحیہ ہوا کرتے ہیں اکثر شعرائے فارسی نے اپنی عمر عزیز مدح گوئی میں بسر کی ہے اس کی پوری مثال مرزا حبیب قاآنی ہیں جن کے قصائد ان کی بڑی قابلیت بڑی بلند اقبالی اور بڑی مجبوریوں کی شہادت دیتے ہیں۔

انتخابات ذیل کتاب حماسہ سے لئے گئے ہیں

جاننا چاہئے کہ حماسہ کے لغوی معنی شدت کے ہے چونکہ اس کتاب میں لڑائیوں کے اشعار مجتمع ہیں اور لڑائیاں شدت سے خالی نہیں ہوتی ہیں اس واسطے اس کتاب کا نام اس کے مولف ابو تمام حبیب بن اوس الطائی نے کتاب الحماسہ رکھا

قَالَ بعض شُعَرَاءِ بَلْعَنْبَرْ وَاسْمُهٗ قُرَيْطُ بْنُ اُنَيْفٍ

کلام قریط بن انیف جو شعرائے بلعنبر سے ہے

لَوْ كُنْتُ مِنْ مَازِنٍ لَمْ تَسْتَبِحْ اِبِلِيْ — بَنُو اللَّقِيْطَةِ مِنْ ذُهْلِ بْنِ شَيْبَانَا

یعنی اگر میں قبیلہ مازن سے ہوتا تو میرے اونٹ بنو لقیطہ جو ذہل بن شیبان سے ہیں لوٹ کر نہ لے جاتے

اِذًا لَقَامَ بِنَصْرِيْ مَعْشَرٌ خُشُنٌ — عِنْدَ الْحَفِيْظَةِ اِنْ ذُوْ لُوْثَةٍ لَانَا

اس وقت میری مدد کو ایک ایسی جماعت کہ حمیت کے وقت سخت ہے کھڑی ہو جاتی اگرچہ کوئی کمزور نرمی کیا کرے۔

قَوْمٌ اِذَا الشَّرُّ اَبْدٰی نَاجِذَیْہِ لَھُمْ   طَارُوْا اِلَیْہِ زُرَافَاتٍ وَّ وُحْدَانًا

جب کسی قوم کے لئے فتنہ اپنی دونوں ڈاڑھیں ظاہر کرے یعنی کوئی قوم مبتلائے فتنہ ہو جاتی تو مازن ایسی قوم ہے کہ اس قوم مبتلائے فتنہ کی طرف مدد کی نظر سے گروہ گروہ اور فرداً فرداً اوڑنے لگتی ہے۔

لَا یَسْئَلُوْنَ اَخَاھُمْ حِیْنَ یَنْدُبُھُمْ   فِی النَّائِبَاتِ عَلٰی مَا قَالَ بُرْھَانًا

بنو مازن ایسے ہیں کہ جب ان کا کوئی بھائی۔ یعنی جب کوئی انھیں مصیبت کے وقت پکارتا ہے تو اس سے بلانے کا سبب نہیں پوچھتے یعنی فوراً بے پوچھ بات کئے کمک کو مستعد ہو جاتے ہیں۔

لٰکِنَّ قَوْمِیْ وَ اِنْ کَانُوْا ذَوِیْ عَدَدٍ   لَیْسُوْا مِنَ الشَّرِّ فِیْ شَیْءٍ وَّ اِنْ ھَانَا

لیکن میری قوم یعنی قوم بلعنبر اگرچہ عدد کے رُو سے بہت افراد سے مرکب ہے لیکن فتنے سے کنارے ہی رہا کرتی ہے گو وہ اس کنارہ کشی میں ذلیل بھی ہو جاتے۔

یَجْزُوْنَ مِنْ ظُلْمِ اَھْلِ الظُّلْمِ مَغْفِرَۃً   وَ مِنْ اِسَاءَۃِ اَھْلِ السُّوْءِ اِحْسَانًا

میری قوم کا یہ انداز ہے کہ ظالموں کے ظلم کا بدلہ درگزر۔ اور بدوں کی برائی کا معاوضہ بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں

ظاہراً اس شعر سے قوم بلعنبر کی مدح پیدا ہوتی ہے مگر شاعر بسبیل استہزا اس قوم کے حق میں اس قول کو کہتا ہے۔ مطلب شاعر یہ ہے کہ یہ قوم کسی وضع کی حمیت۔ یا خودداری نہیں رکھتی ہے محض بیکار اور لاشئی ہے

کَاَنَّ رَبَّکَ لَمْ یَخْلُقْ لِخَشْیَتِہٖ   سِوَاھُمْ مِنْ جَمِیْعِ النَّاسِ اِنْسَانًا

گویا خدا نے اپنے خوف کے لئے سوا ان لوگوں کے تمام نوع انسان میں کسی انسان کو پیدا ہی نہیں کیا ہے یعنی گویا خوف خدا کے لئے سوا قوم بلعنبر کے تمام بنی آدم میں کوئی قوم پیدا ہی نہیں ہوئی ہے ۔

ظاہر ہے کہ شاعر نے اپنی قوم کی اس شعر میں بڑی ہجو ملیح لکھی ہے ۔

فَلَيْتَ لِيْ بِهِمْ قَوْمًا إِذَا رَكِبُوْا   شَنُّوْا الْإِغَارَةَ فُرْسَانًا وَّرُكْبَانًا

اے کاش میرے لئے کوئی ایسی قوم ہوتی کہ جب سوار ہوں تو غارت گری کے لئے تیاری کریں درحالیکہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوں ۔

شاعر اپنی قوم کی ضعف و بیچارگی کو بیان کرکے حسرت کرتا ہے کہ کاش ایسی کمزور اور بے کار قوم کے عوض اس کی قوم مستعد اور بکار آمد ہوتی ۔

واضح ہو کہ قریط بن انیف جس کے اشعار بالا ہیں قبیلہ بلعنبر کا آدمی ہے بلعنبر دراصل بنو العنبر ہے اس قبیلے کے تیس اونٹ بنو اللقیط لوٹ لے گئے تھے قبیلہ مازن نے قبیلہ بلعنبر کی اعانت کی اور تیس اونٹ بنو اللقیط نے چھین کر قبیلہ بلعنبر کو دے دئے شاعر اشعار بالا میں قبیلہ مازن کی مدح اور اپنے قبیلہ بلعنبر کی ہجو کرتا ہے ۔ بہر حال اشعار بالا پر غور کرنے سے چند باتیں پیش نظر ہو جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اہل عرب قومی تقاضوں سے ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں جس کی شریک کمتر اور کوئی قوم نظر آتی ہے ۔ صاف یہ اشعار کہے دیتے ہیں کہ ملک عرب میں کوئی عام گورنمنٹ نہیں ہے جس کے تمام سکنائے عرب پابند ہوں اس ملک کے متوطن قبیلے قبیلے میں تقسیم ہیں اور ہر قبیلہ کا انتظام جداگانہ ہے چنانچہ امر واقعی بھی ایسا ہے ہر قبیلے

کا ایک شیخ ہوتا ہے جو حکمران قبیلہ ہوتا ہے۔ اکثر یہ قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں اور موافقت و ناموافقت کی بنیاد پہ آپس میں دوستانہ یا دشمنانہ برتاؤ رکھتے ہیں جھگڑوں کے سبب بہت ہوتے ہیں کبھی پانی پلاتے میں نزاع پیدا ہوتی ہے کبھی جانوروں کی چری کے لئے جھگڑا اٹھتا ہے اسی طرح بہت سی وجہیں جدال و قتال کے برپا ہونے کی ہوا کرتی ہیں اور آخر کار نوبت تیغ و سناں کی پہنچتی ہے یہاں فتنہ کے برپا ہونے کی وجہ قبیلہ بنو اللقیطہ کی غارت گری تھی پس ان باتوں سے ظاہر ہے کہ اگر ملک عرب میں کوئی عام گورنمنٹ موجود ہوتی تو نہ قبیلہ بلعنبر کے اونٹ بنو اللقیط اس طور پہ لے جاتے اور نہ اس طور پہ قبیلہ مازن قبیلہ بلعنبر کی اعانت کرتا مگر جس ملک میں طوائف الملوکی کی شکل لاحق رہتی ہے وہاں کے قبائل اسی طرح کی خودسرانہ کارروائی کرتے ہیں یہ تو پولٹیکل انداز اہل عرب کا اشعار بالا سے ظاہر ہوتا ہے اسی طرح ان اشعار سے طریقہ معاشرت اور فطرتی مزاج بھی اہل عرب کا عیاں ہوتا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب ایسے لوگ ہیں کہ زمینداری نہیں رکھتے زراعتی پیداوار پہ ان کی اوقات کا مدار نہیں ہے۔ ملک گیری کے خیال سے بری ہیں۔ قوانین حال کے پیچ و پل سے ناواقف ہیں ان میں نہ شائستہ ملکوں کے پیچیدہ قوانین مروج ہیں اور نہ کوئی قانون سزادہی کے اصول پر ان میں جاری ہے سزادہی کے عوض معاوضہ کی کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے اشعار بالا سے تمام تر ان کی قومی بلے زری ہویدا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی کاروبار سے تعلق نہیں رکھتے مگر اس

بے زری کی حالت میں بھی اپنے ملک سے مالوف نظر آتے ہیں اور اپنی موجودہ حالت کو تمام اہل دنیا کی حالتوں سے اچھی سمجھتے ہیں۔ امور بالا کے علاوہ یہ باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں کہ اپنی اوقات گزاری کا مدار اونٹ گھوڑے وغیرہ کی پرورش پر رکھتے ہیں اور جانوروں کی چری کی ضرورتوں سے بیشتر صحرا نشین رہتے ہیں پھر آپس میں لوٹ مار کرتے ہیں اور آپس کے اونٹ گھوڑے جو ان کی مالی کائنات ہیں چراتے ہیں اور تب معاوضے کے خیال سے جدال و قتال اختیار کرتے ہیں اس انداز معاشرت کے سبب سے انھیں تیغ بدست رہنے کی حاجت لاحق ہوتی ہے جس کے باعث ان کی قوم بسبیل عادت بہادرانہ انداز رکھتی ہے اور امر واقعی بھی یہ ہے کہ جب کسی قوم کو اپنی تلوار کے بل پر زندگی بسر کرنی پڑتی ہے تو تقاضائے معاشرت سے وہ قوم دلیر اور جنگجو ہو جاتی ہے اس طریقہ معاشرت کا اثر اہل عرب کے تمام افعال و اقوال میں دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی شاعری بھی وہی تیغ بدست مذاق رکھتی ہے اگر ملک عرب کی شاعری کو بنگالہ کی شاعری سے ملائیں تو آسمان اور زمین کا فرق محسوس ہوگا ظاہر ہے کہ بنگالہ کے کسی شاعر کے دماغ میں اس طور کے جدال و قتال کے مضامین بسبیل عادت ایسی روانی اور آسانی کے ساتھ جگہ نہیں کریں گے شاید یہ روکھا سوکھا اور تیغ بکف انداز شاعری کا اہل بنگالہ کی زبان میں خوش اسلوب معلوم بھی نہ ہوگا اگر وہاں کا کوئی شاعر اس جنگی انداز کو اختیار بھی کرے تو صاف معلوم ہوگا کہ اس کی شاعری تقاضائے

ملکی سے کنارے ہو رہی ہے ہرچند بنگلہ زبان اب کمال خوبی و محبوبی کو پہنچ گئی ہے اور سب طرح کے خیالات کے ادا کرنے پر قادر ہے۔

اس پر بھی ملکی تقاضوں سے کسی حال میں باہر نہیں ہو سکتی ہے لاریب عرب کی یہ رزمی شاعری جسے حماسہ کہتے ہیں اور اہل فرنگ وار سانگ (War song) کے ساتھ موسوم کرتے ہیں ایک خاص انداز رکھتی ہے کہ اہل عرب کی قومی افتاد طبیعت سے پورے طور پر خبر دیتی ہے۔ واقع ہے کہ عرب کی رزمی شاعری ہومر رجل فردوسی ملٹن بیاس بالمکی وغیرہم کی رزمی شاعریوں سے جدا انداز رکھتی ہے ان شعرا کی تصانیف بڑی بڑی مثنویاں ہیں برخلاف اس کے اہل عرب کے اشعار رزمی قطعات و قصائد وغیرہ پر مشتمل دیکھے جاتے ہیں جیسا کہ اشعار حماسہ سے ہویدا ہے اہل عرب کی شاعری میں یہ ایک بڑی منقصت پائی جاتی ہے کہ کوئی تصنیف منظوم مثنوی کے پیرائے میں موجود نہیں ہے یہ ایسا نقصان ہے کہ اگر عربی کی ذاتی خوب صورتی نہ رکھتی تو فارسی کی شاعری سے اس کو کسی طرح کا مقابلہ نہ ہو سکتا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ شعرائے عرب بڑی قوت نطق رکھتے ہیں ادائے خیالات خوب کرتے ہیں بلاغت کی داد کامل طور پر دیتے ہیں اور تعجب فطرت سے خالی کبھی نہیں رہتے اس لئے ان کی شاعری کو فارسی کی شاعری پر مرجح سمجھنا دور از انصاف نہیں ہے جاننا چاہئے کہ خاص کر یہ عہد گیاں حسب مراد بعثت آنحضرت صلعم سے پہلے کی شاعریوں میں پائی جاتی ہیں اس عہد کے شعرا کے کلام بلاشبہ ممتازانہ طور

پسِ نیچرل رنگ رکھتے ہیں یہ شعرائے سابق عہد جہاں داخلی یعنی سبجکٹو (subjective) مضامین کو قلمبند فرماتے ہیں تو وہاں ایسے مضامین کو فطرت کی کامل پیروی کے ساتھ جلوہ دیتے ہیں اور اسی طرح خارجی یعنی آبجکٹو (objective) مضامین کو بھی حوالۂ قلم کرتے ہیں۔ ان عمدگیوں کے اعتبار سے سابق کے اہلِ عرب کی شاعری فارسی کی شاعری پر بہت غلبہ رکھتی ہے۔ البتہ عربی کی شاعری وہی مقدوح نظر آتی ہے جو خلفائے دمشق و بغداد کے زمانوں سے خبر دیتی ہے اہلِ عرب کے ان زمانوں کی شاعری بیّن شکل سے فارسی کی شاعری کا رنگ رکھتی ہے یعنی وہی بدمذاقیاں جو فارسی کی شاعری میں دیکھی جاتی ہیں ان زمانوں کی عربی کی شاعری میں بھی پائی جاتی ہیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ درباری شاعروں نے قربِ سلطانی کے حاصل کرنے کی نظر سے کم حوصلگی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔

قَالَ وَدَّاكُ بْنُ ثُمَيْلٍ الْمَازِنِيُّ

وداک بن ثمیل مازنی کہتا ہے۔

رُوَيْدَ بَنِي شَيْبَانَ بَعْضَ وَعِيدِكُمْ ... تُلَاقُوا غَدًا خَيْلِي عَلَى سَفَوَانِ

باز آؤ بنی شیبان اپنے بعض وعید سے ... ملو گے تم کل میرے سواروں سے سفوان پر

تُلَاقُوا جِيَادًا لَا تَحِيدُ عَنِ الْوَغَى ... إِذَا مَا غَدَتْ فِي الْمَأْزِقِ الْمُتَدَانِي

ملو گے تم ایسے گھوڑوں سے جو لڑائی سے مُنہ نہیں پھیرتے۔

عَلَيْهَا الْكُمَاةُ الْغُرُّ مِنْ آلِ مَازِنٍ ... لُيُوثُ طِعَانٍ عِنْدَ كُلِّ طِعَانِ

ان گھوڑوں پر آل مازن کے وہ چمکتے مُنہ ہوں گے جو ہر ایک جنگ میں جنگی شیر رہیں یعنی ان گھوڑوں پہ آل مازن سوار رہیں گے جن کے مُنہ چمکتے ہیں اور لڑائی میں شیر کے انداز رکھتے ہیں۔

تُلَاقُوْاهُمْ فَتَعْرِفُوْا كَيْفَ صَبْرُهُمْ　　عَلٰى مَا جَنَتْ فِيْهِمْ يَدُ الْحَدَثَانِ

جب ان سے تم دوچار ہوں ہوگے تو پہچان لوگے کہ ان کا صبر حوادث کے وقت میں کیسا ہے۔

مَقَادِيْمُ وَصَّالُوْنَ فِي الرَّوْعِ خَطْوَهُمْ　　بِكُلِّ دَقِيْقِ الشَّفْرَتَيْنِ يَمَانِ

یہ آل مازن آگے بڑھنے والے اور اپنے قدم کو جنگ میں باریک دھار والی یمنی تلوار پر پہنچانے والے ہیں۔

إِذَا اسْتُنْجِدُوْا لَمْ يَسْأَلُوْا مَنْ دَعَاهُمْ　　لِأَيَّةِ حَرْبٍ أَمْ بِأَيِّ مَكَانِ

یہ آل مازن ایسے ہیں کہ جب ان سے نصرت مانگی جاتی ہے تو طالب مدد سے جنگ وموضع جنگ نہیں دریافت کرتے یعنی بیدھڑک اعانت کے واسطے مستعد ہو جاتے ہیں۔

واضح ہو کہ اشعار بالا کا ملکی رنگ وہی ہے جو اور اشعار کتاب حماسہ کا ہے بنظر اختصار راقم نے کتاب مذکورہ سے صرف دو شاعر کے کلاموں کو مندرج ہذا کرنا مناسب سمجھا اس رسالہ عجالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ کسی بیان کو طول دیا جا سکے پس مضمون اختصار کو ملحوظ رکھکر اب راقم ایک قصیدہ متنبی کا درج ہذا کرتا ہے اس قصیدہ سے تمام حضرات عربی دان واقفیت رکھتے ہیں اور واقعی یہ قصیدہ ایسا ہے کہ جس سے متنبی کی اعلیٰ درجہ کی

قابلیت شاعری ظاہر ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ شاعر نادر روزگار گزرا ہے اگر اس کی قابلیت کا استعمال بکار آمد طور پر کیا جاتا تو یہ شاعر دنیا کے بڑے بڑے شعرا میں جیسے کہ ہومیروس ورجل ملٹن فردوسی بالمکی بیاس کالی داس شیکسپیر گوئٹا اور میرانیس میں شمار کیا جاتا مگر افسوس ہے کہ اس شاعر نے ایسا بُرا زمانہ پایا کہ جس وقت شاعری سے نہایت مبتذل کام لیا جاتا تھا یعنی جس وقت شاعری سلاطین و اُمرا کے تقرب حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی ظاہر ہے کہ ایسے وقتوں میں شاعری کی خوبیاں باقی نہیں رہ سکتی ہیں ایسے وقتوں میں شاعر کو جس کا کام یہ ہے کہ آزادی راستی صفائی خلوص سیر چشمی اور دیگر صفات حمیدہ کو اپنے تمام افعال و اقوال میں ملحوظ رکھے ناچار نا محمود امور کو اختیار کرنا پڑتا ہے اس کی شرافت ذاتی اور بزرگی نفس درباری شاعر ہونے کے ساتھ تمام تر رخصت ہو جاتی ہے درباری شاعر کی ایک بڑی مثال متنبیؔ ہے جس کی عمر مدحیہ مضامین کے گڑھنے میں بسر ہو گئی اگر اس کو آزادی حاصل رہتی تو مدح گوئی کے عوض شاعری کے بکار آمد اور مفید طریقوں کو اختیار کرتا ہزار حیف کہ اس شاعر گرامی کو وہ کام کرنا پڑا جو معمولی بھاٹ وغیرہ کیا کرتے ہیں کس واسطے کہ عموماً مدحیہ رنگ کی قصیدہ گوئی بھاٹوں کی مداح سرائیوں سے اعلیٰ یا اشرف پایا نہیں رکھتی ہے معاذ اللہ اگر شاعر کی یہی اوقات قرار دی جائے کہ وہ سلاطین و اُمرا کے لئے طرح طرح کے غیر فطرتی مدحیہ مضامین پیدا کیا کرے تو شاعری سے زیادہ ہیچ ذلیل اور نا مطبوع کوئی دوسرا کام قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے مگر جائے افسوس

ہے کہ متنبی کو اور اس کے ایسے دیگر درباری شعرا کو اس طرح کی خوار زندگی بسر کرنے کی صورت لاحق ہوئی اس سے زیادہ کیا مصیبت خیز کوئی طریقہ زندگانی تصور کیا جا سکتا ہے کہ آدمی ہزار کد و کوشش کے ساتھ ان باتوں کو عمر بھر زبان قلم پر لایا کرے جنہیں خود وہ اپنے دل میں لغو دروغ اور مہمل جانتا ہو۔ شاعری نہ نہار لغو گوئی یا دروغ گوئی نہیں ہے شاعری ایسی عظیم شئے ہے کہ اس سے ہمارے بڑے بڑے اخلاقی تمدنی اور مذہبی اغراض متعلق ہیں شاعری ہرگز اس واسطے نہیں مخلوق ہوتی ہے کہ بدمذاق سلاطین و اُمرا کو خوش کرنے کے لئے ایک نہایت غیر فطرتی رنگ سے برتی جائے مگر ہزار افسوس ہے کہ عربی فارسی اور اردو شاعریوں کا ایک ممتاز حصّہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ جبّارین وقت کی مدح و ثنا پر مشتمل ہے اگر مداحی و ثناخوانی کا رنگ فطرتی بھی ہوتا تو قصائد مدحیہ اس قدر تنفر انگیز نہیں معلوم ہوتے مگر مدح سرائی کا نعوذ باللہ ایسا بُرا پیرایہ نظر آتا ہے کہ طبع فطرت پسند پورے طور پر متاذی ہوتی ہے ارباب انصاف غور فرمائیں کہ قصیدہ گویوں کا یہ کیا طریقۂ مدح سرائی ہے کہ اپنے ممدوح کے صاحب قدرت و ذی اختیار ہونے کو اگر بیان کریں تو اسے مالک قضا و قدر بنا کر چھوڑیں ہوا برق باراں آتش آب جبال بحر سب کو اس کے زیر فرمان بتائیں اور اسی طرح ہزاروں لایعنی مضامین کو قلمبند کر جائیں بہت سے ایسے قصائد عربی فارسی اور اردو میں موجود ہیں کہ ان کے مدحیہ اشعار جو سلاطین و اُمرا کی شان میں ہیں اگر حمد خدا نعت محمد مصطفیٰ اور منقبت علی

مرتضٰیؑ میں پڑھے جائیں تو کوئی مضایقہ معلوم نہ ہو۔ متنبی کے اس قصیدے میں بھی جو ابو علی ہارون بن عبد العزیز الاروا جی کی مدح میں ہے ایسے ایسے مضامین دیکھے جاتے ہیں کہ اگر رسولؐ خدا اور ائمۂ اطہار کی شان میں عرض کئے جاتے تو کسی شخص کو عذر نہ ہوتا بلکہ وہ مضامین ایسے ہی ہیں کہ بزرگان دین کی شان میں عرض کئے جائیں نہ کہ نام آوران دنیا کی۔ یہ قصیدہ تو خیر جیسا ہے ویسا ہے اگر بعض شعرائے فارسی کے مدحیہ قصاید کو دیکھئے تو وہ بے سروپا باتیں ہیں کہ جس کی کوئی حد نظر نہیں آتی ہے اس پہ بھی ایسے قصائد کی قدر دانیاں اپنے اپنے وقت میں سلاطین و امرا کی طرف سے اس درجہ پہ ہوئی ہے کہ ان کے خیال سے تعجب گزرتا ہے خدا جانے ممدوحین کیسے لغو پسند تھے اور مداحین کیسا مذاق بد رکھتے تھے ممدوحین کی تو یہ حالت دیکھی جاتی ہے کہ وہ اپنے شعرائے درباری پر قصائد مدحیہ کی فرمائشیں کرتے تھے اور اگر ان سے بجا آوری خدمت میں کوئی کمی ظہور میں آتی تھی تو ان پہ چشم نمائی عمل میں لائی جاتی تھی چنانچہ متنبی کے ساتھ بھی ایسے معاملے پیش آئے ہیں جیسا کہ خود اس کے بعض کلام سے عیاں ہوتا ہے یوں تو مدح گوئی سے کسی زبان کی شاعری خالی نہیں ہے مگر جو بھرمار مدح گوئی کی عربی فارسی اور اردو میں دیکھی جاتی ہے اس قدر کسی زبان میں نہیں دیکھی جاتی متنبی کی تمام تصنیف قصائد مدحیہ سے مملو ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس شاعر نے سوا مدح گوئی کے کوئی دوسرا کام ہی نہیں کیا ہے حالانکہ اس کی فطرتی قابلیت شاعری ایسی تھی کہ ہر صنف شاعری

ہیں اس کو ممتاز عالم بنا سکتی تھی مگر حیف ہے کہ اس نے اس وقت عالم ہستی میں قدم رکھا کہ جب شاعری شیوۂ مذلت اختیار کر چکی تھی یعنی جب شاعری سلاطین و امرا کی خوشامد کے لئے مختص کی جا چکی تھی ایشیائی درباروں کی بے عنوانیوں سے قابل لحاظ ایک یہ بے عنوانی بھی ہے کہ ہمیشہ شاعری محل کی لونڈی مانی گئی ہے اور شعرا اہل دولت کے غلام سمجھے گئے ہیں تقاضائے ضرورت سے بیچارے شعرا نے بھی ایسے سمجھے جانے کو گوارا رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کی شاعری بدمذاقی کا طومار نظر آتی ہے اس کثرت کے ساتھ عربی فارسی اور اُردو زبانوں میں قصائد مدحیہ کا موجود ہونا شاعری کے بڑی ابتذال سے خبر دیتا ہے قصیدہ گوئی کا زنہار مطلب نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ اس سے بے سروپا طور پر شاہان و امرا کے مناقب و محامد ضبط تحریر میں در آئیں بلکہ قصیدہ وہ صنف شاعری ہے کہ جس میں شاعر اعلیٰ درجے کے مضامین جو معاملات اخلاق تمدن و مذہب و دیگر اہم امور ذہنیہ و خارجیہ وغیرہ وغیرہ پہ مشتمل ہوتے ہیں قلمبند کرتا ہے ایسے قصائد عربی و فارسی میں موجود ہیں اور بوجہ عمدگی مذاق کے بہت قابل توجہ ہیں مگر کمتر شعرائے زمانہ ایسے رنگ میں کہتے رہیں چنانچہ اس زمانے میں جب لفظ قصیدہ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد قصیدۂ مدحیہ ہوتا ہے حالانکہ مدح گوئی جان قصیدہ گوئی نہیں ہے بلکہ مدح گوئی ایک ارذل طریقہ قصیدہ گوئی کا ہے جو قصیدہ مدحیہ ہوتا ہے اس میں آزادی خلوص راستی حق پروری حق شناسی وغیرہ

وغیرہ کے رنگ ہرگز نہیں پائے جا سکتے ہیں پس جو قصیدہ ان خوبیوں سے معرّا ہو اس کی بے حقیقتی رذالت اور کم حوصلگی میں کیا گفتگو کی جا سکتی ہے غرض قصیدہ گوئی یہ ہے کہ عالی درجے کے مضامین جو خواہ عالم ذہن اور خواہ عالم خارج سے متعلق ہوں قلمبند کئے جائیں، مثلاً مسائل توحید وعدل نبوت امامت معاد صدق محبت صبر شکر رضا وغیرہ وغیرہ یا مسائل خلقت ارض سما وما بینہما اور اسی طرح نہیں کو اچھے للہ ہم جو شاعر حکمت مآب کی توجہ کے قابل متصور ہیں مدح … اور وہی قابل پسند ہو سکتے ہیں جو حمد و نعت و منقبت میں لکھے گئے ہیں یا آئندہ لکھے جائیں مثلاً قصیدہ بردہ یا قصیدہ فرزدق جو نعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت امام زین العابدین علیہ التحیہ والثنا پر مشتمل ہیں لیکن ایسے قصائد جو سلاطین و امرا کی مدح میں دیکھے جاتے ہیں زنہار ایسے نہیں ہیں کہ کوئی تعلیم یافتہ دماغ کا آدمی ان سے کسی قسم کا حظ اٹھا سکے عموماً ایسے قصائد معاملات فطرت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے اس لئے نہایت قابل نفرت ہیں جو قصیدہ یا کوئی صنف شاعری کہ نیچرل خوبیوں سے معرّا ہے اس جانب شخص محصل کی طبیعت مائل نہیں ہو سکتی۔ شاعری کے واسطے تبعیت فطرت واجبات سے ہے جو شاعر فطرت کی پیروی سے عاجز ہے اس کو لازم ہے کہ شعر نہ کہے کچھ اور کام کرے بغیر تبعیت فطرت کلام مقبول اہل مذاق نہیں ہو سکتا مجرد تبعیت فطرت کا یہ اثر ہے کہ امرء القیس کی قصیدہ گوئی کو اس قدر حسن قبول نصیب ہے جو صاحب مذاق

اس شاعر کے کلاموں کو پڑھتا ہے ان کی نیچرل خوبیوں کو دیکھ کر آفرین صد آفرین کہتا ہے اور صرف زبانی تعریف نہیں کرتا ہے بلکہ ان کی جذبی تاثیرات کا معترف ہو کر دل سے ان کی محبوبیوں کا اقرار کرتا ہے۔ متنبی قوت شاعری میں امرء القیس یا دیگر شعرائے عرب سے نہ نہار کم نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ اس نے ایسے زمانے میں ظہور کیا کہ جس وقت شاعری اپنی اصلی حالت پہ باقی نہ رہی تھی بے ضرورت وہ شستگی زبان وہ سادگی انداز وہ لطف بے ساختگی وہ ولولہ محبت وہ جوش آزادی وہ قوت خلوص وہ زور استغنا وہ تبعیت فطرت اور بھی دیگر خوبیاں جو امرء القیس یا دیگر شعرائے قبل بعثت کو نصیب تھیں عہد متنبی میں گاؤخورد ہو چکی تھیں پس ایسی صورت میں متنبی سے عالی مذاقی کی امید کیا کی جا سکتی ہے ایسے زمانے میں جہاں شاعر کو بھاٹ کا کام کرنا پڑے وہاں شاعری کیا جوہر دکھلا سکتی ہے ناچار متنبی کو ایسا شاعر بننا پڑا کہ جیسا اس کے عہد کا تقاضا تھا قصیدۂ ذیل جو بسبیل انتخاب درج ہذا کیا جاتا ہے اس سے متنبی کی پوری کیفیت معلوم ہو گی یہ قصیدہ بتلا دیتا ہے کہ عہد متنبی میں عربی کی شستگی زبان رخصت ہو چکی ہے عجمی انداز کلام دخل پا چکا ہے مذاق شاعری میں کچھ ایسا انقلاب پیدا ہو گیا ہے کہ جو شعر نظر سے گذرتا ہے کہیں سے سوا الفاظ عربیہ کے خیالات کے اعتبار سے ملک عرب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے شاعری کو جو ایک وقت میں آزادی کا پایہ حاصل تھا زوال پذیر ہو گیا ہے شاعر کو خلوص جوش محبت صدق صفا استغنا اور تبعیت فطرت سے کوئی رابطہ باقی

نہیں رہا ہے شاعری دریوزہ گری ہو رہی ہے اور شاعر ناکسی بے آبروئی اور ذلت کی تصویر ہو رہا ہے اس قصیدے میں اول بارہ[۱۲] شعر تشبیب کے ہیں اور بقیہ مدحیہ اشعار ہیں گر یہ تیرھویں[۱۳] شعر میں ہے تشبیب کے اشعار غزل کا رنگ رکھتے ہیں اور پُرازہ بلاغت ہیں مگر جذبی تاثیر سے معرا ہیں اس لئے کہ واردات قلبیہ اور تبعیت فطرت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے باقی جو مدحیہ اشعار ہیں مبالغہ پردازی کے طومار ہیں اور انہیں کو اچھے لگ سکتے ہیں جو اغراض شاعری سے خبر نہیں رکھتے۔

قصیدہ در مدح ابو علی ہارون بن عبد العزیز الاوراجی الکاتب

أَمِنَ ازْدِيَارَكِ فِي الدُّجَى الرُّقَبَاءُ ۔۔۔ إِذْ حَيْثُ كُنْتِ مِنَ الظَّلَامِ ضِيَاءُ

معنے:۔ تاریکی میں تیری ملاقات کی طرف سے رقیبوں کو اطمینان ہے کس واسطے کہ اندھیرے میں جس جگہ تو ہوتی ہے روشنی ہوتی ہے یعنی تیرا پرتو حسن ایسا نور افگن ہے کہ جہاں تو رہتی ہے وہاں اندھیرا نہیں ہوتا تیری شمع روئی کے باعث تاریکی نور کے ساتھ مبدل ہو جاتی ہے پس جب یہ کیفیت ہے تو رقیبوں کو اس امر کی طرف سے اطمینان ہے کہ اندھیرے میں تجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہو سکتی متنبی کی خلاقی سخن محتاج بیان نہیں ہے یہ مضمون ہر چند اور زبانوں میں بھی قلمبند پایا جاتا ہے مگر اس شاعر ادیب و بلیغ نے کسی زبان سے سرقہ نہیں کیا ہے یہ مضمون تمام تر اس کے حسن طبیعت کا جلوہ ہے۔ قبل اس کے کہ بقیہ اشعار اس قصیدے کے زبان اردو میں ترجمہ کر کے دکھائے جائیں

ایک امر قابل عرض یہ ہے کہ عربی میں سخن سنجی کا طور ایسا ہے کہ شعرائے عرب جب اشعار عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں تو اپنے مخاطب کو ہمیشہ مونث قرار دیتے ہیں یعنی عربی کی عاشقانہ شاعری مرد کی طرف سے عورت کی جانب ہوا کرتی ہے بلاشبہ یہ ایک فطرتی طریقہ سخن سنجی کا ہے اور زبان عربی میں بہت اچھا بھی معلوم ہوتا ہے اسی طرح یورپین زبانوں میں عاشقانہ خطاب کا یہی طور ہوا کرتا ہے مگر فارسی اُردو اور ہندی میں اس کے برعکس طریقہ برتا جاتا ہے بعض نئی روشنی والے حضرات فارسی اور اردو کے اس انداز کلام پر مُنہ آتے ہیں اور غایت نافہمی سے اظہار رائے فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ اب سے متروک کیا جائے اپنی اس رائے کی تائید یہ حضرات اس دلیل کے ساتھ کرتے ہیں کہ فطرتی طریقہ عاشقانہ سخن سنجی کا یہ ہے کہ خطاب عاشقانہ مرد کی طرف سے عورت کی جانب ہونا چاہیے مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ قوانین فطرت میں کیا نقصانات لاحق ہو جا سکتے ہیں اگر وہی خطاب عاشقانہ عورت کی طرف سے مرد کی جانب کیا جائے۔ اس امر کی طرف راقم عنقریب رجوع لائے گا کس واسطے کہ یہ امر ہندی گیت دوہرا وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے مگر فارسی اور اُردو کے انداز سخن سنجی پر جو اعتراض حضرات مسبوق الذکر کا ہے اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ فارسی میں تو نہ اسما نہ ضمائر قید تانیث و تذکیر رکھتے ہیں بس یہ اعتراض عام طور پر کیونکر عائد ہو سکتا ہے چنانچہ اشعار ذیل میں معشوق کے مذکر ہونے کی کوئی تخصیص نہیں نظر آتی ہے۔

غزل حافظ

گل بے رخ یار خوش نہ باشد — بے بادہ بہار خوش نہ باشد

طرف چمن و ہوائے بستان — بے لالہ عذار خوش نہ باشد

رقصیدن سرو و حالت گل — بے صوت ہزار خوش نہ باشد

باغ و گل و مل خوش ست لیکن — بے صحبت یار خوش نہ باشد

ہر نقش کہ دست عقل بندد — بے نقش و نگار خوش نہ باشد

با یار شکر لب و گل اندام — بے بوس و کنار خوش نہ باشد

جان نقد محقر ست حافظ

از بہر نثار خوش نہ باشد

ایضاً

گفتم غم تو دارم گفتا غمت سر آید — گفتم کہ ماہ من شو گفتا اگر بر آید

گفتم مہر وفا بیاموز — گفتا ز ماہرویاں این کار کمتر آید

گفتم کہ بوئے زلفت گمرہ عالمم کرد — گفتا اگر بدانی ہم اوت رہبر آید

گفتم دل رحیمت کے عزم صلح دارد — گفتا بکش جفا را تا وقت آن بر آید

گفتم کہ بر خیالت راہ نظر بہ بندم — گفتا کہ شب رو است این از راہ دیگر آید

گفتم خوش آں ہوائے کز باغ خلد خیزد — گفتا خنک نسیمے کز کوے دلبر آید

گفتم کہ نوش لعلت ما را بآرزو کشت — گفتا تو بندگی کن کاں بندہ پرور آید

گفتم زمان عشرت دیدی کہ چوں سر آید — گفتا خموش حافظ کیں غصہ ہم سر آید

واضح ہو کہ ایسے بہت کلام دکھلائے جا سکتے ہیں کہ جن میں مخاطب کے مذکر ہونے کی تخصیص نہیں ثابت ہوتی ہے. نئی روشنی والے ایسے اشعار کے مخاطب کو اپنی تقلید پرستی کے مذاق کے مطابق مونث قیاس فرمائیں گویہ اشعار ایسے ہیں کہ عورت اپنے اس معشوق کے حق میں جو فطرت کے مطابق سوا مذکر کے مونث نہیں ہو سکتا ہے زور شوق میں پڑھ سکتی ہے لیکن کچھ اشعار ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ ان کا مخاطب ایسا ہی ہے کہ سوا مذکر کے مونث نہیں ہو سکتا تو اس کی صورت یا یہ ہے کہ وہاں مخاطب معشوق حقیقی ہے جو کسی زبان میں مونث قرار نہیں دیا جا سکتا ہے جیسا کہ اشعار ذیل سے معلوم ہوگا.

حسن خود در روے خوباں آشکارا کردۂ　　پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردۂ

پر تو حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　در حریم سینۂ حیرانم کہ چوں جا کردۂ

لمؤلفہ

اے روے ابد رنگ گرفتہ ز بہارت　　در گلشن حسن تو گزر نیست خزاں را

یا یہ کہ وہاں مخاطب ایک ایسا مرد جوان رعنا ہے کہ جس کی شان میں عورت کی طرف سے شاعر کلام عاشقانہ قلمبند کرتا ہے.

حسن سبز ے بخط سبز مرا کرد اسیر　　دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم

زنہار اس شعر سے غرض شاعر اظہار امرد پرستی نہیں ہے جیسا کہ کج فہم معترضوں نے سمجھا ہے. اب رہی اردو کی عاشقانہ سخن گوئی تو اس کی حالت یہ ہے کہ زبان اردو میں ہر لفظ مذکر ہے یا مونث خود لفظ معشوق مذکر

ہے اور جتنے الفاظ معشوق کے معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں مذکر ہیں جیسے یار جانان بُت صنم وغیرہ وغیرہ پس ضرورت زبان کی وجہ سے جب کوئی کلام عاشقانہ رنگ میں قلمبند ہوتا ہے تو اس کا مخاطب بھی ضرور مذکر قرار پاتا ہے ورنہ درحقیقت مراد شاعر کبھی امرد پرستی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ غزل گوئی ایک ایسی صنف شاعری ہے کہ جو فارسی اور اردو کے سوا کسی زبان میں اس وضع خاص سے نہیں دیکھی جاتی ہے اور اگر اس کے تقاضوں پر غور کیجئے تو معلوم ہو کہ اس سے تمجید باری تعالیٰ وانکشاف حقائق عشق وغیرہ مراد ہے لیکن عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں عاشقانہ مضامین قلمبند ہوتے ہیں اور اکثر مرکوز شاعر کوئی معشوق مجازی ہوتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے اس صنف شاعری کو زیادہ تعلق معشوق حقیقی سے ہے بالفرض اگر کہیں۔ معشوق مجازی بھی مرکوز شاعر ہوتا ہے تو اس خوبی کے ساتھ ذکر پاتا ہے کہ شان کلام میں کسی طرح ابتذال نہیں لاحق ہوتا ہے پس جب غزل گوئی سے مراد شاعر یہ ہے کہ عاشقانہ پیرایہ سخن میں تمجید باری تعالیٰ کی شکل پیدا ہو یا دیگر معاملات عشقیہ و امور ذہنیہ احاطۂ تحریر میں در آئیں تو عظمت مضامین کے خیال سے شاعر اپنے مخاطب کلام کو پیرائے مذکر میں دکھلاتا ہے اگر معشوق کو بہ ترکیب موئنث خطاب کرتا تو احاطۂ خیال تنگ ہو جانے کے باعث وہ وسعت کلام جس کی بدولت ذہن سامع فوراً معشوق حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے بالکل رخصت ہو جاتی اس وقت تو یہ وسعت حاصل ہے کہ جب کسی شعر میں شاعر معشوق کا ذکر

کرتا ہے یا معشوق کی طرف خطاب کرتا ہے تو معشوق حقیقی کا تصور
بلے اختیار دل میں آجاتا ہے ایسی حالت میں یہ قصد اصلاح نئی روشنی
والوں کی جانب سے کہ اب سے جتنے اشعار کہے جائیں ان میں جہاں ذکر
معشوق کا کیا جائے تو نحوی ترکیب صیغہ و ضمائر کی مونث ہوا کرے خالی
از نقصان نہیں ہے واقعی یہ عجب پوچ فرمائش ان حضرات کی ہے اس
سے تو بالکل غرض غزل گوئی فوت ہو جاتی ہے علاوہ توجیہ بالا کے یہ امر بھی
قابل لحاظ ہے کہ اہل اسلام میں عورتیں پردہ نشیں مانی جاتی ہیں اسی لئے انہیں
مستورات کہتے ہیں رواج مذہبی و ملکی بھی ہے اور اس قدر رسم پردہ
داخل معاشرت ہو گئی ہے کہ سوسائٹی میں بے دھڑک ایک غزل میں بیس
جگہ مستورات کا ذکر بہ سبیل صیغہ و ضمیر مونث نہایت مکروہ معلوم ہو گا جب تک
اس رسم پردہ کو حضرات نئی روشنی والے متروک نہ فرمالیں اس ترکیب سے
اصلاح غزل گوئی میں کوشاں نہ ہوں پروفیسر پامر (Prof Palmer)
بھی فارسی اور اردو میں معشوق کے مذکر یاد کیئے جانے کی توجیہ اسی رنگ سے
بیان فرماتے ہیں جیسا کہ راقم نے ابھی بالا میں عرض کیا بلا شبہ غزل گوئی میں
معشوق کو بار بار بصیغہ و ضمیر مونث ذکر کرنا عظمت غزل گوئی کو ضائع کرنے
والا ہو گا البتہ مثنوی ڈراما مراثی وغیرہ میں جو طور دنیا میں صیغہ و ضمیر کے استعمال
کا ہے اس کی پابندی شعرائے اردو کو بھی کرنی پڑے گی اور اس وقت بھی
کرتے ہیں میر حسن نے اپنی مثنوی سحر البیان میں بدر منیر کو مذکر نہیں لکھا
ہے اور نہ اور کوئی مثنوی گو اس طریقہ بیان سے انحراف کرے گا ظاہر اتنی

روشنی والوں کو تبعیت نیچر کی پابندی کا بڑا خیال معلوم ہوتا ہے تبعیت فطرت اللہ ایک ایسی شئی ہے کہ اس کا التزام انسان کے لئے واجبات سے ہے مگر بد لحاظی کے ساتھ کسی امر کا پابند ہونا قباحت سے خالی نہیں ہوتا اہل انصاف غور فرمائیں کہ اردو کی ترکیب ایک خاص وضع کی ہے ہر لفظ کے مذکر یا مونث ہونے سے یہ زبان نہ صرف دشوار ہو رہی ہے بلکہ اس کا انداز بھی نرالا ہو رہا ہے یہ اعتراض کہ معشوق کو فطرت اللہ کی رُو سے مونث ہونا چاہئے عجب اعتراض ہے فطرت کی رُو سے تو معشوق مذکر اور مونث دونوں ہو سکتا ہے مرد کا معشوق جب کوئی ہوگا تو عورت ہوگی عورت کا جب کوئی معشوق ہوگا تو مرد ہوگا اگر فطرت کی رُو سے ہمیشہ معشوق کو مونث ہونا چاہئے تو کوئی عورت شاعرہ اور بھی عاشق ہو تو اس کے معشوق کو بھی مونث ہونا چاہئے واقعی نئی روشنی والوں کی پابندی فطرت کا یہ عجیب نتیجہ نکلے گا خدا جانے ان حضرات نے کیوں مذکر و مونث کا یہ بکھیڑا پھیلایا ہے ہر قدم پر یورپ کی تقلید کرنا چہ معنی دارد تبعیت فطرت کے معنی تقلید یورپ نہیں ۔ اگر یہی پابندی فطرت اور یورپ تقلید ہے تو ارباب نیچراب سے شمس کو مذکر اور قمر کو مونث زبان عربی میں قرار دیں گے اس لئے کہ انگریزی زبان میں شمس مذکر ہے اور قمر مونث اس طرح کی اصلاح پر اصرار کرنے والے اکثر وہی حضرات ہوتے ہیں کہ انھیں یورپین زبانوں میں یا دستگاہ نہیں ہوتی یا یورپین زبانوں کو ٹوٹی پھوٹی طرح جانتے ہیں ایسے حضرات کو کمال نادیدگی

سے تمام یورپین چیزیں نہایت عجب انگیز معلوم ہوتی ہیں اور لاعلمیوں کے باعث ایسی غلطیاں کرتے ہیں جن سے قومی فائدہ ہونے کے عوض قومی ضرر مترتب ہوتا ہے دوسرے اور ہندی گیتوں وغیرہ میں بھی معشوق اکثر مذکر دیکھا جاتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ معشوق وہاں ترکیب زبان کے رو سے مذکر واقع ہے بلکہ ہندی کی شاعریاں جو عاشقانہ رنگ میں ہوتی ہیں عورت کی طرف سے مرد کی طرف ہوتی ہیں یہ ایک عجیب امر ہے کہ ہندوستان کی عورتوں کی افتاد مزاج سے خبر دیتا ہے ہندوستان کی عورتیں اپنے مردوں کو اس قدر چاہتی ہیں کہ روے زمین پر ان کا سا عشق کہیں نہیں دیکھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں ایک شوہر کے بعد پھر دوسرے شوہر کے پانے کی کسی حالت میں توقع نہیں رہتی ہے اسی لئے ہندی کا عاشقانہ کلام ایسا پُر از سوز ہوتا ہے کہ کسی ملک کی عاشقانہ شاعری اس کو نہیں پہنچتی ہے ہندی گیت ایسے پُر تاثیر ہوتے ہیں کہ ان کو سُن کر دل ہاتھ سے جانے لگتا ہے اکثر گیتوں میں عورت اپنے شوہر سے بچھڑ جانے کے مضمون کو بیان کرتی ہے یا اشتیاقیہ کلام از قسم انتظار و یاس وغیرہ کو زبان پر لاتی ہے علاوہ اس کے قومی معشوق ہندوؤں کے شام یعنی کاندہ جی ہیں اکثر گیت جو تصنیف ہوتے ہیں ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں پس ایسی حالتوں میں ہندی گیتوں اور دہروں وغیرہ میں معشوق مخاطب مذکر ہوا کرتا ہے۔

واضح ہو کہ متنبی اپنے قصیدے کے مطلع بالا میں معشوق کو خطاب

کہتا ہے اور یہ تمام تر عربی شاعری کے دستور کے مطابق ہے کہ علا بجفلی

تَلُوحُ الْمَلِيحَةُ وَهِيَ مِسْكٌ هَتْكُهَا ✿ وَمَسِيرُهَا فِي اللَّيْلِ وَهِيَ ذُكَاءُ

معنی:۔ چونکہ معشوقہ میں مشک کی بو پائی ہے اور آفتاب کی ضیا ہے تو جب وہ حرکت میں آتی ہے یا رات کو چلتی ہے تو یہ دونوں امر اس کی پردہ دری کے سبب ہوتے ہیں۔

أَسَفِي عَلَى أَسَفِي الَّذِي دَلَّهْتَنِي ✿ عَنْ عِلْمِهِ فَبِهِ عَلَيَّ خَفَاءُ

معنی:۔ مجھے افسوس ہے تو اپنے اس غم پہ ہے کہ تیرے پریشان کرنے سے میری عقل اس قدر جاتی رہی ہے کہ مجھے اب غم کے محسوس کرنے کی بھی تمیز باقی نہیں رہی ہے۔

وَشَكِيَّتِي فَقْدُ السَّقَامِ لِأَنَّهُ ✿ قَدْ كَانَ لَمَّا كَانَ لِي أَعْضَاءُ

معنی:۔ مجھے جو شکایت ہے وہ اپنے مرض کے جاتے رہنے سے ہے جب تک مرض تھا میرے اعضا بھی باقی تھے اب جو مرض جاتا رہا ہے تو اعضا بھی معدوم ہو گئے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سب اشعار بالا تمام تر عجمی مذاق رکھتے ہیں فطرت سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے واردات قلبیہ سے نام کو علاقہ نہیں رکھتے۔ بالکل مصنوعی شاعری کے نمونے ہیں یہی مذاق اکثر عجمی غزل گویوں کا ہے مبالغہ پردازی سے لطف غزل گوئی جاتا رہتا ہے ناممکن ہے کہ مبالغے کے ساتھ کوئی کلام پُرتاثیر ہو سکے۔ اگر متنبی نے ان اشعار تشبیب میں حافظ کی سچی شاعری کا رنگ اختیار کیا ہوتا تو یہ اشعار دل پہ کوئی معقول

اثر پیدا کرتے مگر چونکہ متنبی کی شاعری روٹی کی شاعری تھی اسے حافظ کا رنگ اختیار کرنا ناممکنات سے تھا روٹی کی شاعری واردات قلبیہ سے ہمیشہ معرّا ہوتی ہے روٹی کا متلاشی شاعر مدام مبالغہ استعارہ تشبیہ وغیرہ کے نامطبوع پہلوؤں کا برتنے والا ہوتا ہے جیسا کہ مرزا حبیب قاآنی و ذوق دہلوی وغیرہ دیکھے جاتے ہیں. ظاہر ہے کہ یہ انداز سخن قبل بعثت آنحضرت صلعم کے شعرا میں کہاں تھا اس عہد کے شعرا نہایت فطرتی انداز غم و خوشی اور اور دیگر واردات قلبیہ کے اظہار کرنے کا رکھتے تھے جو طریقہ شاعری اس جگہ متنبی نے اختیار کیا ہے اسکو فطرت کی نسبت سے کوئی علاقہ نہیں معلوم ہوتا ہے اور اہل مذاق کی پسند سے بمراحل دور ہے البتہ جو اغراض شاعری سے ناواقف ہیں اس مبالغہ پردازیوں کی بھرمار سے عاجز آکر صدائے تحسین و آفریں بلند کریں تو خلاف از توقع نہیں ہے.

مَثَّلْتِ عَيْنَكِ فِي حَشَايَ جِرَاحَةً　　فَتَشَابَهَا كِلْتَاهُمَا نَجْلَاءُ

معنی :- میرے دل میں تو نے اپنی نگاہ سے زخم لگا کر اپنی آنکھ کی تصویر بنا دی ہے کہ وہ دونوں آپس میں فراخی کے اعتبار سے مشابہ ہو گئے ہیں. یعنی چونکہ تیری آنکھ بڑی ہے اور جب تیری نگاہ نے میرے دل پر ایسا زخم لگایا ہے کہ جو تیری آنکھ کی تصویر کا حکم رکھتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ زخم تیری آنکھ کی طرح بڑا بھی ہو پس میرا زخم دل تیری آنکھ کے ساتھ از روے فراخی کے مشابہت رکھتا ہے یعنی جس قدر بڑی آنکھیں تیری ہیں اسی قدر میرا زخم دل بھی بڑا ہے.

یہ شعر بھی مصنوعی شاعری کا نمونہ ہے ظاہر ہے کہ باوجود بلیغ ہونے کے کوئی لطف معاملہ قلبی کا نہیں رکھتا ہے۔

نَفَذَتْ عَلَیَّ السَّابِرِیَّ وَرُبَّمَا ۔ تَنْدَقُّ فِیْہِ الصَّعْدَۃُ السَّمْرَاءُ

معنی :- تیری نظر میری زرہ کے پار ہو گئی ہے حالانکہ وہ زرہ ایسی ہے اکثر اس میں سیدھے گندم رنگ نیزے ٹوٹ جاتے ہیں۔ یعنی جس زرہ سے نیزہ نہیں پار ہوتا ہے تیری نگاہ اس سے پار ہو جاتی ہے۔

اَنَا صَخْرَۃُ الْوَادِیْ اِذَا مَا زُوْحِمَتْ ۔ وَاِذَا نَطَقْتُ فَاِنَّنِیْ الْجَوْزَاءُ

معنی :- میں استقلال میں نالے کا پتھر ہوں جب کہ وہ دھکیلا جائے اور جب میں بولتا ہوں تو جوزا ہوں۔

واضح ہو کہ جوزا وہ برج ہے کہ مقام عطارد ہے عطارد کو دبیر فلک بھی کہتے ہیں چونکہ اس سیارے کی طرف علم و ہنر کی نسبت کی جاتی ہے اس لئے شاعر اپنے کو جوزا کہتا ہے یعنی اپنے کو مقام عطارد قرار دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں صاحب نطق کامل ہوں

وَاِذَا خَفِیْتُ عَلَی الْغَبِیِّ فَعَاذِرٌ ۔ اَنْ لَّا تَرَانِیْ مُقْلَۃٌ عَمْیَاءُ

معنی :- اگر میں نادان سے پوشیدہ ہوں تو وہ معذور ہے کیونکہ اندھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ یعنی اگر میرے کمال کو نادان نہیں درک کر سکتا ہے تو وہ معذور ہے کیونکہ اندھے کو کچھ نظر نہیں آتا

لمؤلفہ

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے ۔ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

شَیِمُ اللَّیالِیِ اَنْ تُشکِکَ نَاقَتِیْ ‏ ‏ صَدْرِیْ بِهَا اَفْضٰی اَمُ الْبَیْدَاءُ

معنی:۔ حوادثِ زمانہ میری اونٹنی کو شک میں ڈالتے ہیں کہ میرا سینہ ان حوادث سے زیادہ تر وسیع ہے یا وہ جنگل جس میں وہ اونٹنی رواں ہے۔

شاعر یہاں اپنے مبتلائے حوادث روزگار ہونے کو بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس قدر ہم مبتلائے حوادث ہوئے ہیں کہ ان سے میرا سینہ ایسا وسیع ہو رہا ہے کہ میری سواری کی اونٹنی کو شک ہو رہا ہے کہ آیا میرا سینہ زیادہ وسیع ہے یا وہ جنگل جس میں وہ چل رہی ہے۔

فَتَبِیْتُ تُسْئِدُ مُسْئِدًا فِیْ نَیِّهَا ‏ ‏ اِسْادَهَا فِی الْمَهْمَهِ الْاِنْضَاءُ

معنی:۔ پس اس ناقہ کی شب گزاری کا یہ حال ہو رہا ہے کہ اس کی چربی میں لاغری یوں سرایت کر رہی ہے کہ جس طرح وہ خود جنگل میں دوڑتی ہے

اَنْسَاعُهَا مَمْعُوْطَةٌ وَخِفَافُهَا ‏ ‏ مَنْکُوْحَةٌ وَطَرِیْقُهَا عَذْرَاءُ

معنی:۔ اس کے تنگ کے تسمے کھنچتے کھنچتے دراز اور کھُرنا ہموار راہوں میں چلتے چلتے سوراخ دار ہو گئے ہیں اور اس کا چلنا ایسی راہ سے ہوتا ہے کہ جس راہ پر کوئی پہلے نہیں گیا ہے۔

یَتَلَوَّنُ الْخِرِّیْتُ مِنْ خَوْفِ التَّوٰی ‏ ‏ فِیْهَا کَمَا یَتَلَوَّنُ الْحِرْبَاءُ

:۔ وہ راہ ایسی ہے کہ جس میں خوف ہلاکت سے رہبر ایسا رنگ بدلتا ہے جیسے گرگٹ۔ یعنی راہ نہایت پُر خطر ہے رہبر کا رنگ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔

گرگٹ ایک معروف جانور ہے اہلِ عجم اسے بوقلموں کہتے ہیں یہ

جانور ایک گھنٹے میں چند رنگ بدلتا ہے اس لئے شخص متلون کو حربا سے تشبیہ دیتے ہیں یہ ایک خاص قسم کا گرگٹ ہوتا ہے ہر گرگٹ کو اس طور پر رنگ بدلنے کی قدرت حاصل نہیں رہتی ہے حربا کا خاصہ ہے کہ آفتاب میں دھوپ کھانے کی غرض سے دیر تک رہتا ہے اور رنگ بدلا کرتا ہے۔ مؤلف نے اپنے شعر ذیل میں اس مضمون کو باندھا ہے ؎

جز تلون صنما نیست بذاتت عیبے — آفتابی و لے خاصیت حربا داری

بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَبِیْ عَلِیٍّ مِثْلُہٗ — شُمُّ الْجِبَالِ وَمِثْلُھُنَّ رَجَاءُ

معنی:۔ میرے اور میرے ممدوح ابی علی کے درمیان بھی ایسے ہی بلند اور سخت پہاڑ ہیں اور انہیں پہاڑوں کی سی میری آرزو ہے۔

یہاں سے گریز قصیدہ ہے تشبیب کے بعد شاعر گریز اختیار کر کے مدح ممدوح شروع کرتا ہے اکثر مدحیہ قصیدوں کا یہی انداز ہوتا ہے

وَعِقَابُ لُبْنَانٍ وَکَیْفَ بِقَطْعِھَا — وَھُوَ الشِّتَاءُ وَصَیْفُھُنَّ شِتَاءُ

معنی:۔ اور درمیان میرے اور ممدوح کے کوہ لبنان کی گھاٹیاں ہیں ان کی مسافت موسم سرما میں کس طرح قطع ہو کہ ان کا موسم تابستان بھی زمستان کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی وہ گھاٹیاں نہایت سرد ہیں۔

لَبِسَ الثُّلُوْجُ بِھَا عَلَیَّ مَسَالِکِیْ — فَکَاَنَّھَا بِبَیَاضِھَا سَوْدَاءُ

معنی:۔ اس پہاڑ میں کثرت برف سے مجھے راہ نہیں ملتی گویا وہ برف باوجود سفید رنگ ہونے کے سیاہ ہے یعنی اس پہاڑ پر برف کے گرنے سے

راہ چھپ گئی ہے اور اس لئے مجھے راہ نہیں کہ آگے چلیں اور ہر چند رنگ برف کا سفید ہے مگر اس کی سفیدی حکم سیاہی کا رکھتی ہے ظاہر ہے کہ تاریکی میں آدمی چلنے سے عاجز آجاتا ہے اور یہاں بھی کثرت برف سے چلنا دشوار ہے پس ہر چند برف سفید رنگ رکھتی ہے مگر اس کی سفیدی کچھ سیاہی سے کم نہیں جب اس کے سبب سے کوئی چل نہیں سکتا۔

وَکَذَا الْکَرِیْمُ اِذَا قَامَ بِبَلْدَۃٍ　　سَالَ النُّضَارُ بِھَا وَ قَامَ الْمَاءُ

معنی :۔ اور ممدوح ایسا ہی کریم ہے کہ جب کسی شہر میں قیام کرتا ہے تو اس کی سخا کے باعث سونا بہہ چلتا ہے اور پانی حیران ہو کر ٹھہر جاتا ہے۔

یہ شعر ایشیائی شاعری کا پورا نمونہ ہے اور فارسی اور اردو کے شعرا کو مبالغہ پردازی کی راہ بتانے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے حقیقت یہ ہے کہ متنبی اور اسی کے سے قصیدہ گویوں نے فارسی کے شعرا کو غیر فطرتی رنگ پر مدح سرائی کے طریقے سکھلائے ہیں اور فارسی کی شاعری کے داغی ہونے کے باعث ہوئے ہیں۔

جُمِدَتْ قِطَارٌ وَ لَوْ رَأَتْہُ کَمَا تَرَیٰ　　بُھِتَتْ فَلَمْ تَتَبَجَّسِ الْاَنْوَاءُ

معنی:۔ اس کے جود کو دیکھ کر قطرات باراں جم گئے ہیں اور اگر اس کو جیسے قطرہائے باراں دیکھتے ہیں انواء دیکھتے تو وہ بھی فرط حیرت سے اپنی رفتار میں ٹھہر جاتے۔

واضح ہو کہ انواء ستارے ہیں کہ جن کی طرف امور بارش وغیرہ کی نسبت اہل عرب کرتے ہیں پس مراد شاعر یہ ہے کہ قطرات بارش اسے دیکھ کر جم جاتے ہیں اگر انواء بھی اسے قطرہائے باراں کی طرح دیکھ لیتے تو

رفتار سے باز آتے یہ شعر بھی غیر فطرتی رنگ رکھتا ہے کما لا یخفی
خدا جانے ایسی مدح سرائیاں کس طرح ممدوحین کو پسند آتی تھیں
عہد متنبی شاعری کی بڑی بدحالی سے خبر دیتا ہے۔

فِی خَطِّہٖ مِنْ کُلِّ قَلْبٍ شَہْوَۃٌ ۔ حَتّٰی کَاَنَّ مِدَادَہُ الْاَھْوَاءُ

معنی:۔ ہر دل میں اس کی تحریر کی خواہش ہے گویا دلوں کی خواہشیں اس کے لکھنے کی سیاہی بن گئی ہیں۔

واضح ہو کہ ممدوح کاتب تھا اس لئے یہ شعر اس کی کتابت کی تعریف میں کہا گیا ہے یہ تعریف یا اس کی خوش خطی کی ہے یا اس کی سخاوت کی ہے کہ وہ فرامین عطیات لکھ دیتا ہے یہ شعر کم غیر فطرتی رنگ رکھتا ہے اور ایسا ہے کہ اگر اس طور پہ مدح ممدوح کی جائے تو ایسی مدح سرائی چنداں خلاف مذاق صحیح نہیں ہوگی۔

وَلِکُلِّ عَیْنٍ قُرَّۃٌ فِیْ قُرْبِہٖ ۔ حَتّٰی کَاَنَّ مَغِیْبَہُ الْاَقْذَاءُ

معنی:۔ اس کے قرب میں سب کی آنکھوں کو ٹھنڈک ہے یہاں تک کہ اس کا نظر سے دور ہونا آنکھوں کی کھٹک کا باعث ہوتا ہے۔

اس شعر کی شاعری نہایت پیاری ہے کما لا یخفی

مَنْ یَّھْتَدِیْ فِی الْفِعْلِ مَا لَا یَھْتَدِیْ ۔ فِی الْقَوْلِ حَتّٰی یَفْعَلَ الشُّعَرَاءُ

معنی:۔ ممدوح ایسا ہے کہ عمل میں اس بات کو پہنچ جاتا ہے جسے شعرا اپنے قول میں نہیں پہنچتے جب تک ممدوح اس کا عامل نہیں ہو لیتا یعنی ممدوح کا ایسا عمل ہوتا ہے کہ شاعر کے خیال میں نہیں آتا جب تک ممدوح سے

دیکھ نہ لے۔

یہ مدح اچھا شاعرانہ رنگ رکھتی ہے اور قصائد مدحیہ میں ایسی مدح کا پہلو نامطبوع نہیں معلوم ہوتا ہے۔

فِی کُلِّ یَوْمٍ لِلْقَوَافِی جَوْلَۃٌ فِی قَلْبِہٖ وَلِاُذْنِہٖ اِصْغَاءُ

معنی :- ہر روز اس کے دل میں شعرا کے اشعار مدحیہ کی گردش ہے اور وہ انھیں، دل سے سُنتا ہے یعنی ہر روز شعرا اشعار مدحیہ کہہ کر اس کے پاس لے جاتے اور وہ انھیں جی لگا کر سنتا ہے۔

مؤلف کی دانست میں کوئی شخص عام اس سے کہ سلطان یا امیر جب تک مبتلائے بدمذاقی نہ ہوگا ہر روز شاعروں کی مدح سرائیوں کی تکلیف گوارا نہیں کر سکے گا ظاہر ہے کہ شفاف اور صحیح خیال کا آدمی لایعنی تعریفوں سے کیوں محظوظ ہونے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے اہل ثروت بے حد مبتلائے بدمذاقی تھے اور شعرا بھی اپنی ضرورتوں کے باعث بے حد بدمذاق ہو رہے تھے زمانۂ موجودہ بھی مدح طلب اہل ثروت اور مدح گو شعرا سے خالی نہیں ہے ابھی تک ایشیائی درباروں کا یہی رنگ دیکھا جاتا ہے اور اصلاح مذاق کی صورت نظر نہیں آتی ہے۔

وَاِغَارَۃٌ فِیْمَا احْتَوَاہُ کَاَنَّمَا فِی کُلِّ بَیْتٍ فَیْلَقٌ شَہْبَاءُ

معنی :- اور جو کچھ اس نے جمع کیا ہے اس میں لوٹ مچی ہوئی ہے گویا ہر شعر ایک لشکر جرار ہے یعنی ممدوح کا خزانہ وقف شعرا ہو رہا ہے ہر شعر مدحیہ

لشکر جرار کی طرح اس کی دولت تخزدنہ کو لوٹ رہا ہے۔

یہ شعر واقعات تاریخی کے خلاف نہیں ہے عہد خلفائے بنی عباس میں درباری شعرا کے ساتھ ایسے ایسے سلوک ہوتے گئے ہیں کہ مرد مجمل کو اس کے خیال سے تعجب گزرتا ہے ایک ایک شعر پر شعرا کو لاکھ لاکھ روپے ملے ہیں۔ یہ اسراف ایشیائی درباروں کے معاملات تمدن و مذہب و اخلاق کی خرابیوں سے پورے طور پر خبر دیتا ہے۔

مِنْ يَظْلِمِ اللُّؤَمَاءَ فِي تَكْلِيفِهِمْ　　　أَنْ يُصْبِحُوا وَهُمْ لَهُ أَكْفَاءُ

معنی :۔ ممدوح ایسا ہے کہ لئیموں کو اس امر کی تکلیف دیتا ہے کہ وہ اس کے ہمسر ہو جائیں یعنی ممدوح چاہتا ہے کہ لئیم اس کے سے جواد ہو جائیں۔ یہ خواہش لئیموں کے لئے تکلیف ہے کس واسطے کہ وہ کبھی جواد نہیں ہوسکتے چہ جائے کہ اس کے برابر امر جود میں ہو جائیں۔

وَنَذِيمُهُمْ وَبِهِمْ عَرَفْنَا فَضْلَهُ　　　وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ

معنی :۔ اور ممدوح ان کو برا کہتا ہے حالانکہ انہیں، کی بدولت ہم نے اس کی بزرگی پہچانی ہے کس واسطے کہ اضداد ہی سے اشیا کی شناخت ہے یہ شعر اچھا مدحیہ رنگ رکھتا ہے۔

مَنْ نَفْعُهُ فِي أَنْ يُهَاجَ وَضُرُّهُ　　　فِي تَرْكِهِ لَوْ تَفْطَنُ الْأَعْدَاءُ

معنی :۔ ممدوح ایسا شخص ہے کہ جیسے نفع لڑائی کے برانگیختہ کئے جانے میں اور ضرر جنگ کے ترک میں ہے اگر دشمنوں کو یہ بات معلوم ہو تو کبھی نہ لڑیں اس شعر کا بھی اچھا مدحیہ رنگ ہے۔

اَلسِّلْمُ یُکْسِرُ مِنْ جَنَاحَیْ مَالِہٖ ۔ بِنَوَالِہٖ مَا تَجْبُرُ الْھَیْجَاءُ

معنی :- پس صلح اس کے جود کے سبب اس کے مال کے دونوں بازو توڑ دیتی ہے مگر اس کی تلافی پھر جنگ کر لیتی ہے یعنی حالت صلح میں وہ اپنا سب مال لٹا دیتا ہے مگر جب پھر لڑائی ہوتی ہے تو مال غنیمت کے دستیاب ہونے سے جو کچھ وہ حالت صلح میں خرچ کر ڈالتا ہے اسے پھر مل جاتا ہے۔

یُعْطِیْ فَتُعْطٰی مِنْ لُھَی یَدِہِ اللُّھٰی ۔ وَتُرٰی بِرُؤْیَۃِ رَایِہِ الْاٰرَاءُ

معنی :- ممدوح ایسی بخشش کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ کی بخشش سے اور لوگ بخشش کرتے ہیں اور اس کی جودت نظر دوسروں کو صواب رائیں سجھاتی ہے

مُتَفَرِّقُ الطَّعْمَیْنِ مُجْتَمِعُ الْقُوٰی ۔ فَکَاَنَّہٗ السَّرَّاءُ وَالضَّرَّاءُ

معنی :- ممدوح ذات واحد ہو کر دو متفرق مزے رکھتا ہے یعنی دشمنوں کے حق میں تلخ اور دوستوں کے حق میں شیریں ہے اور مجتمع القوی ہے یعنی قوائے جسمانیہ اور قوائے روحانیہ میں اعتدال رکھتا ہے پس گویا ممدوح خود مسرت و مضرت ہو رہا ہے۔

وَکَاَنَّہٗ مَا لَا تَشَاءُ عُدَاتُہٗ ۔ مُتَمَثِّلًا لِوُفُوْدِہٖ مَا شَاؤُا

معنی :- اور گویا کہ ممدوح اپنے دشمنوں کی خواہش کے تمام تر مخالف ہے حالانکہ اپنے پاس آنے والوں کے لئے وہی صورت بنا رکھی ہے کہ جیسی ان کی خواہش ہے۔

یَا اَیُّھَا الْمُجْدٰی عَلَیْہِ رُوْحُہٗ ۔ اِذْ لَیْسَ یَاْتِیْہِ لَھَا اسْتِجْدَاءُ

معنی :۔ اے وہ شخص کہ تجھ پہ تیری روح معاف کی گئی ہے اس سبب سے کہ اس کی کوئی مانگ نہیں آئی ہے. یعنی ممدوح ایسا شخص ہے کہ اس سے کوئی روح کا طالب نہیں ہوتا ہے ورنہ وہ اپنی روح کو بھی دریغ نہیں رکھتا

اِحْمَدْ عُفَاتَكَ لَا فُجِعْتَ بِفَقْدِهِمْ ۔ فَلَتَرْكُ مَا لَمْ يَأْخُذُوا إِعْطَاءُ

معنی :۔ اپنے سائلوں کی مدح کر تجھے ان کے گم ہونے سے دکھ نہ ہو ۔ کیونکہ ان کا اس چیز کو نہ لینا جس کے لینے کے وہ طالب نہ ہوئے برائے خود بخشش ہے۔

واضح ہو کہ تجھے ان کے گم ہونے سے دکھ نہ ہو ۔ جملہ معترضہ دعائیہ ہے. مطلب شعر یہ ہے کہ اگر تجھ سے مانگنے والے تیری روح بھی مانگتے تو دے دیتا مگر چونکہ انھوں نے ایسا نہ کیا تو اپنے ایسے سائلوں کی مدح کر جنھوں نے تجھ سے ایسا مطالبہ نہیں کیا پس ان کا غیر طالب ہونا بھی ان کے واسطے بخشش کا حکم رکھتا ہے یعنی تیری جان ان کی بخشی ہوئی ہے ورنہ تو تو ایسا جواد ہے کہ ان کی طلب پہ جان کو بھی عطا کر دیتا اس لئے تجھ کو ان کی مدح کرنا چاہئے کہ تو ان کا ممنون ہو رہا ہے۔

لَا تَكْثُرُ الْأَمْوَاتُ كَثْرَةَ قِلَّةٍ ۔ إِلَّا إِذَا شَقِيَتْ بِكَ الْأَحْيَاءُ

معنی :۔ مقتولوں کی کثرت تیرے عہد میں ایسی نہیں ہوتی کہ جس سے زندوں میں کمی ہو جائے لیکن البتہ اس وقت میں کہ زندوں کو تیری نافرمانی کے باعث شامت آجائے. یعنی تیرے وقت میں بلا ضرورت خونریزی

نہیں ہوتی ہے وہی مارے جاتے ہیں جو اپنی شامت سے تیری مخالفت اختیار کرتے ہیں۔

وَالْقَلْبُ لَا یَنْشَقُّ عَمَّا تَحْتَہٗ   حَتّٰی تَحُلَّ بِہٖ لَکَ الشَّحْنَاءُ

معنی:۔ اور کوئی قلب شق نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں تیری دشمنی جگہ نہ کرے واضح ہو کہ یہ سب اشعار بالا خوب صورت انداز مدح رکھتے ہیں اور متنبی کے کمال خلاقی سخن سے خبر دیتے ہیں۔

لَمْ تُسْمَ یَا ھٰرُوْنُ اِلَّا بَعْدَ مَا   اِقْتَرَعَتْ وَنَازَعَتْ اِسْمَکَ الْاَسْمَاءُ

معنی:۔ اے ہارون تیرا نام ہارون نہ رکھا گیا الا یہ کہ ناموں میں منازعت واقع ہونے کے بعد قرعہ ڈالا گیا۔ یعنی اے ہارون تیرا یہ نام تب تجویز پایا جب اور ناموں میں رشک واقع ہونے کے سبب سے لڑائی واقع ہوئی اور اس کا فیصلہ اس طور پر ظہور میں آیا کہ اور ناموں نے قرعہ ڈالا بس از روئے قرعہ اندازی کے تیرا نام ہارون قرار پایا۔

فَغَدَوْتَ وَاسْمُکَ فِیْکَ غَیْرُ مُشَارَکٍ   وَالنَّاسُ فِیْمَا فِیْ یَدَیْکَ سَوَاءُ

معنی:۔ اب تو ایسا ہو گیا ہے کہ اب تیری شہرت کا کوئی شریک نہیں ہے اور جو شے تیرے ہاتھ میں ہے اس میں سب لوگ برابر ہیں یعنی تیری بخشش عام میں سب مساوی ہیں۔

نَعَمْتَ حَتّٰی الْمُدُنُ مِنْکَ مِلَاءٌ   وَلَعَفْتَ حَتّٰی ذَا الثَّنَاءِ لَفَاءُ

معنی:۔ تو نے وہ بخشش عام کی کہ تمام شہر تیری انعام دہی سے پر ہو رہا ہے اور تو اس قدر فائق ہو رہا ہے کہ یہ تعریف بے قدر ہے۔ یعنی تیری

عظمت کے آگے یہ تعریف لاشئ ہے۔

وَلِجُودِکَ حَتّٰی کِدْتَ تَبْخَلُ حَالَۃٌ لِلْمُنْتَہٰی وَمِنَ السُّرُوْرِ بُکَاءٌ

معنی :- تونے اس قدر جود کو راہ دی ہے کہ تیرا جود انتہا کو پہنچ گیا ہے جس سے بخل لگا ہوا ہے اور انتہا کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے جیساکہ سرور کی حالت بکا ہوتی ہے یعنی تیری بخشش حد کو پہنچی ہوئی ہے۔

فَالْفَخْرُ عَنْ تَقْصِیْرِہٖ بِکَ نَاکِبٌ وَالْمَجْدُ مِنْ اَنْ یُسْتَزَادَ بَرَاءٌ

معنی :- اب فخر تیرے مرتبے تک پہنچنے سے قاصر ہے اور بزرگی تیرا درجہ بڑھانے سے بری ہے۔ یعنی تیرا مرتبہ ایسا بلند ہو گیا ہے کہ فخر و عظمت کو وہاں تک رسائی ممکن نہیں ہے۔

فَاِذَا سُئِلْتَ فَلَا لِاَنَّکَ مُحْوِجٌ وَاِذَا کُتِمْتَ وَشَتْ بِکَ الْاٰلَاءُ

معنی :- اور جب تو سوال کیا جاتا ہے تو اس سبب سے نہیں کہ تو نے لوگوں کو سوال کا محتاج کر دیا ہے۔ اور جب تو چھپ رہتا ہے تو تیری بخشش تجھے ظاہر کر دیتی ہے۔

وَاِذَا مُدِحْتَ فَلَا لِتَکْسِبَ رِفْعَۃً لِلشَّاکِرِیْنَ عَلَی الْاِلٰہِ ثَنَاءُ

معنی :- اور جب تو مدح کیا جاتا ہے تو اس واسطے نہیں کہ مدح سے تجھے رفعت حاصل ہو شکر گزار دل پر خدا کی ثنا واجب ہے یعنی لوگ جو تیری مدح کرتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ مدح گوئی سے تجھے رفعت حاصل ہوتی ہے بلکہ مداحین کا فرض منصبی ہے کہ تیری مدح کریں اسی طرح جیساکہ شاکروں کی شکر گزاری سے خداے تعالیٰ کو کوئی کمال حاصل نہیں

بلکہ یہ شاکرین کے لئے ایک امر واجب ہے کہ شکر خداوندی بجا لائیں۔

وَاِذَا مُطِرَتْ فَلَا لِاَنَّكَ مُجْدِبٌ   يُسَقَّى الخَصِيبُ وَتُمْطَرُ الدَّاْمَاءُ

معنی :- اور جب تجھ پر بارش ہوتی ہے تو اس سبب سے نہیں تو خشک سالی لانے والا ہے بلکہ شاداب زمین سیراب کی جاتی ہے اور دریا پر مینہ برسایا جاتا ہے

لَمْ تَحْكِ نَائِلَكَ السَّحَابُ وَاِنَّمَا   حُمَّتْ بِهِ فَصَبِيبُهَا الرُّحَضَاءُ

معنی :- تیری بخشش کو سحاب پہنچ نہیں سکتا مگر بات یہ ہے کہ اسے گرمی رشک سے بخار آگیا ہے اور یہ ریزش اسی بخار کا پسینہ ہے۔

واضح ہو کہ ہر چند ہر دو شعر بالا سے متنبی کی خلاقی سخن ہویدا ہے مگر ایسے شعروں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ اس شاعر نے ایسا برا زمانہ پایا تھا کہ جس وقت اس وضع کی مبالغہ پردازیوں سے جبابرہ وقت خوش ہوتے تھے معیوب سمجھے جانے کے عوض ایسی شاعری مقدر جانی جاتی تھی ان اشعار کا رنگ جیسا غیر فطرتی ہے محتاج بیان نہیں ہے طبیعت کو تنفر ہوتا ہے اور متنبی کی قابلیت کے استعمال بد پر افسوس آتا ہے۔

لَمْ تَلْقَ هٰذَا الْوَجْهَ شَمْسُ نَهَارِنَا   اِلَّا بِوَجْهٍ لَيْسَ فِيهِ حَيَاءُ

معنی :- آفتاب ممدوح کے روئے روشن کے سامنے نہیں ہوتا ہے الا ایک ایسے منہ کو لے کر جس میں کچھ حیا نہیں ہے۔

یہ ایک معمولی رنگ مبالغہ پردازی کا ہے اس میں کوئی بڑی جدت نہیں ہے

فَبِاَيِّمَا قَدَمٍ سَعَيْتَ اِلَى الْعُلَى   اُدُمُ الْهِلَالِ لِاَخْمَصَيْكَ حِذَاءُ

معنی:- اے ممدوح تو کن قدموں سے رفعت کو پہنچا ہے ماہ نو کی کھال تیرے تلوں کی جوتی ہو رہی ہے۔

وَلَكَ الزَّمَانُ مِنَ الزَّمَانِ وِقَايَةٌ   وَلَكَ الْحِمَامُ مِنَ الْحِمَامِ فِدَاءُ

معنی:- زمانہ ہی حوادث زمانہ سے تیری سپر ہو۔ اور موت ہی تیری موت کا فدیہ یعنی تو جمیع حوادث زمانہ سے مامون رہے اور تجھے کبھی موت نہ آئے

لَو لَمْ تَكُنْ مِنْ ذَا الْوَرَىٰ الَّذْ مِنْكَ هُوَ   عَقِمَتْ بِمَوْلِدِ نَسْلِهَا حَوَّاءُ

معنی:- اگر تیری خلقت بنی آدم میں نہ ہوتی تو حوّا بانجھ ہوتی اور اس سے کوئی نسل ظہور میں نہ آتی۔

یہاں متنبی نے مبالغہ پردازی کا خاتمہ کر دیا ہے اپنے ممدوح کی نسبت وہ کہتا ہے کہ اس کا ممدوح ہی اجرائے نسل آدمؑ کا سبب ہوا ہے اگر اس کی خلقت نہ ہوئی تو حوّاؑ کے بطن سے نہ کوئی پیدا ہوتا اور نہ نسل آدم جاری ہوتی۔ مختصر یہ ہے کہ متنبی کے باعث ہوا ہے یعنی اگر منشی ہارون پیدا نہ ہوتے تو نوحؑ شیثؑ ادریسؑ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ یعقوبؑ یوسفؑ موسیٰؑ زکریاؑ یحییٰؑ عیسیٰؑ محمدؐ علیؑ حضرات ائمہؑ و جمیع انبیا و اولیا و جمیع اہل کمال اور جس کے تو کر ممدوح متنبی تھے وغیرہ وغیرہ پیدا نہ ہوتے اگر یہ شعر محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی شاعر کہتا تو حسب عقیدہ ہم غلامان محمدؐ کے نہایت مناسب تھا مگر کاتب ہارون کے لئے یہ شعر جس قدر نازیبا ہے محتاج بیان نہیں ہے ملا کاشی نے اپنے ہفت بند میں مولائے دو عالم کی شان میں اسی مضمون کا شعر لکھا

ہے اور وہ یہ شعر ہے

گر نبودے ذات پاکت آفرینش را سبب تا ابد حوا استرون بودی و آدم عذب

مولا کی شان میں یہ شعر نازیبا نہیں ہے کس واسطے کہ بقول پاک حضرت رسول مقبولؐ مولا کو درجۂ عینیت حاصل ہے چنانچہ لحمک لحمی ودمک دمی و نفسک نفسی ورُوحک روحی وانا وعلی من نور واحد یہ سب ایسے اقوال ہیں جنسے عینیت بخوبی ثابت ہوتی ہے پس جب ایسی مدح سرور کائناتؐ کو زیبا ہے تو مولائے دو عالم کو بھی ایسی مدح کا استحقاق حاصل ہے حضرات ناظرین اس شعر سے تجویز فرمائیں کہ کسقدر شعرائے درباری نے روٹی کے لئے اپنے فن شریف کو ذلیل کر رکھا تھا اپنے ممدوحین کی ستائشیں ایسی بیباکی سے کرتے ہیں کہ ان کو خدا و رسولؐ کسی کی عظمت کا خیال باقی نہیں رہتا ہے۔ متنبی کے سے شعرا کے کلاموں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ممدوحین ان کے اقوال کے رو سے بلا شبہ خدا اور رسولؐ کے ہم پایہ تھے ان کے ممدوحین آفتاب ماہتاب کواکب بروج ہوا ابر برق باراں قضا و قدر سب پہ اختیار رکھتے تھے ایسی مدح سرائیوں سے مادح اور ممدوح دونوں کی بدمذاقیاں آشکارا ہیں بلا شبہ ایسی شاعروں سے فن شاعری نے بڑا داغ پایا ہے جن سلاطین و امرا نے ایسی شاعریوں کی اعانت کی ہے وہ درحقیقت فن شاعری کے بڑے دشمن تھے۔

افسوس ہے کہ عربی فارسی اور اردو زبان کی شاعریاں انھیں مدح سرائیوں کی بدولت نہایت ذلیل و حقیر ہو رہی ہیں جس طرح متنبی اور دیگر درباری

شعرائے عرب کی بدولت عربی کی شاعری بدنما ہو رہی ہے اسی طرح فارسی کی شاعری قاآنی وغیرہ اور اردو کی شاعری ذوق وغیرہ کے باعث خراب وخستہ ہو رہی ہے لیکن اگر چشم انصاف سے دیکھئے تو یہ سب شعرا خود ان سب زبانوں کی شاعریوں کے مخرّب نہیں ہوتے ہیں بلکہ سلاطین کی بدمذاقیاں ان کے مخرب فن شاعری ہونے کی وجہ پڑی ہیں واضح ہو کہ منتخبات یالالبعثت آنحضرت صلعم کے قبل اور بعد کی شاعریوں کے نمونے ہیں راقم دونوں کا فرق بیان کرچکا ہے اب اس کے اعادے کی حاجت نہیں مگر ظہور اسلام کے ساتھ جو تہذیب اور تعلیمی مذاق کی شاعری نے جادہ گری دکھلائی اس کی مثال میں کچھ اشعار جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کے درج کئے جاتے ہیں ان اشعار کے انداز سے معلوم ہوگا کہ اسلامی شاعری کیا ہے اور معاملات بنی آدم کی اصلاح ایسے اشعار سے کس قدر ہوسکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کا کلام کلام الامیر امیرالکلام کا مصداق ہے ہر طالب حق کا فرض منصبی ہے کہ آپ کے منظوم وغیر منظوم کلاموں کو بالاستیعاب ملاحظہ کرے اور کچھ نہ ہو تو دیوان حضرت کو ضرور پڑھ ڈالے ظاہرا یہ دیوان بہت کچھ قومی توجہ کے قابل معلوم ہوتا ہے مگر تعجب ہے کہ ہندوستان کے بہتیرے مسلمان ایسے ہیں کہ یا اس سے ناواقف ہیں یا اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ یہ دیوان ایک بڑے شخص کا ہے وہ شخص نہ صرف مذہبی پہلو سے بڑا مانا جاتا ہے بلکہ ہر ملت و مذہب کا غیر

متعصب آدمی اسے نظر عظمت سے دیکھتا ہے قبل اس کے کہ کچھ اشعار دیوان پاک سے حضرت کے اندراج ہذا کئے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بلحوائے ذِکرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ حضرت کے ذکر خیر سے راقم اور ناظرین ثواب اندوز عقبیٰ ہوں

علیؑ بن ابی طالب - نام پاک آپ کا علیؑ ہے اور کنیت ابو الحسن اور بھی ابو تراب ہے آپ کے والد بزرگوار کا نام حضرت ابو طالبؓ ہے اس لئے آپ کو علی بن ابی طالب کہتے ہیں۔ ابو طالبؓ پیغمبر خدا کے حقیقی چچا تھے پیدائش آپ کی ۲۳ برس ہجرت کے قبل ظہور میں آئی اور شہادت ۴۰ھ ہجری میں بمقام کوفہ بدست عبد الرحمٰن بن ملجم واقع ہوئی وقت شہادت سن شریف آپ کا ۶۳ برس کا تھا آپ باپ اور ماں دونوں طرف سے بنی ہاشم تھے کس واسطے کہ ماں آپ کی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں آپ کے فضائل و محامد ذیل میں محض مختصر طور پر حصول سعادت کی نظر سے عرض کئے جاتے ہیں۔

۱۔ آپ پیغمبر خدا صلعم کے محسن زادے ہیں اس لئے کہ حضرت رسولؐ خدا یتیم تھے حضرت ابو طالبؓ نے حضرت صلعم کو پالا اور بے پدری کے غم کو آپ کے دل مبارک میں آنے نہ دیا جب تک زندہ رہے حضرت صلعم کے جان و دل سے معین و مددگار رہے اور کفار قریش مکہ کے دلوں کو روکتے رہے (دیکھو کتب تاریخ) اور اپنے عرصہ حیات تک

پیغمبر خدا صلعم پر کسی طرح کا آسیب آنے نہ دیا۔

۲۔ حسب و نسب میں رسول خدا کے ہمسر تھے آپس کا رشتہ منخون محتاج بیان نہیں ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلعم آپ کو اپنا جان و تن سمجھتے تھے جیسا کہ فرمودہ آں حضرت صلعم کا ہے لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي وَنَفْسُكَ نَفْسِي وَرُوحُكَ رُوحِي ہے۔

گر لحمک لحمی پیر حدیث نبوی ہے — بے وصل علیؑ نام علیؑ بے ادبی ہے

۴۔ حسب ارشاد نبوی یعنی اَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ رسول اللہ صلعم کی خلقت اور آپ کی خلقت نور واحد سے تھی۔

۵۔ آپ داماد پیغمبر صلعم کے تھے اور داماد بھی کیسے کہ حضرت خیر النسا جناب فاطمۃ الزہراؑ کے شوہر۔

۶۔ آپ داخل آل عبا ہیں یعنی ان سے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے کمل میں حکم رسول اللہ صلعم سے در آئے تھے اور رسول صلعم نے ان کو کمل میں لے کر آیت تطہیر یعنی اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا پڑھی تھی۔

۷۔ آپ یکے از اہلبیت نبوی صلعم ہیں خدائے تعالیٰ آپ کو اور آپ کی بی بی کو اور آپ کے دونوں بیٹوں کو لفظ اہلبیت کے ساتھ خطاب کرتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ میں واقع ہے۔

۸۔ آپ یکے از پنجتن پاک ہیں پنجتن پاک عبارت ہے حضرت رسول

اللہ صلعم جناب علی مرتضیٰ ع فاطمۃ الزہرا رض اور حسن و حسین علیہم الصلوٰۃ
السلام سے پنجتن پاک کا مضمون خود آیت تطہیر سے ثابت ہوتا ہے
۹۔ آپ یکے از چہاردہ معصوم ہیں چہاردہ معصوم عبارت جناب پیغمبر
خدا و خاتون جنت یعنی جناب فاطمۃ الزہرا رض اور دوازدہ امام سے
معصوم عبارت ہے ایسے شخص سے کہ گناہ کبیرہ و صغیرہ سب سے
پاک ہو۔ پس جس طرح پیغمبر خدا صلعم معصوم ہیں اسی طرح حضرت خاتون
جنت اور بقیہ حضرات ائمہ اثنا عشر معصوم ہیں۔ راقم کا مذہب یہی ہے
یہ چہاردہ تن صغائر کبائر سے تمام تر پاک ہیں لیکن غیر امامیہ سوا رسول
اللہ صلعم کے کسی کو معصوم نہیں جانتے۔
۱۰۔ آپ اول خیل ائمہ ہیں۔ واضح ہو کہ خاندان پیغمبر ص کے امام بارہ حضرات
ہیں اول ان سے امام علی مرتضیٰ ع دوم امام حسن مجتبیٰ سوم امام
حسین رض شہید کربلا چہارم امام سید الساجدین زین العابدین
حضرت سجاد رض پنجم امام باقر رض ششم امام جعفر صادق رض ہفتم
امام موسیٰ کاظم رض ہشتم امام علی رضا نہم امام محمد تقی رض دہم امام
نقی یازدہم امام حسن عسکری دوازدہم امام مہدی صاحب الزمان
علیہم الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام یہ ائمہ معصومین جانشین رسول
اللہ ہیں اور بسبب وفور علم اور وہبی کمالات کے دین محمدی کے فروغ
دینے والے گزرے ہیں جتنے سادات ہیں انھیں حضرات سے تعلق
نسبی رکھتے ہیں اور بقول قطبیہ ایک وقت میں سادات انھیں حضرات

ان جگر گوشگان رسولؐ اللہ کے فضائل شمار
کے طریقے کے پابند تھے
سنت داران خاندان محمدؐ ان پر درود سلام بھیجیں،
سے بیرون ہیں وہ
درود درج ذیل کیا جاتا ہے جو ان حضرات ائمہ کے ذکر پر
یہاں پر ایک
مشتمل ہے اور وہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّسِبْطِ سِبْطِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ الَّذِیْ کَانَ
عَلِیًّا فِیْ دَرَجَاتِہٖ حَسَنًا فِیْ صِفَاتِہٖ شَہِیْدًا فِیْ تَجَلِّیَاتِہٖ
زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ بَاقِرُ عِلْمِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ صَادِقًا فِیْ اَقْوَالِہٖ
مُتَّقِیًا فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ مُتَمَکِّنًا فِیْ مَقَامِ الرِّضَا جَوَادًا بِکَفِّہٖ عِنْدَ
لِعَطَاھَا دِیًّا اِلٰی سَبِیْلِ النَّجَاتِ عَسْکَرِیًّا مَعَ الْغُزَاۃِ مَھْدِیًّا
اِلٰی طَرِیْقِ الْیَقِیْنِ صَلَوٰتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

۱۔ آپ آیت مباہلہ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ کے رو سے بھی داخل
اہلبیت ہیں مسلم سعد ابن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ جب
آیت مباہلہ نازل ہوئی تب رسولؐ اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و
حسینؑ کو بلایا اور فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِ بَیْتِیْ۔
۲۔ آپ رسول اللہ صلعم کے نزدیک سب لوگوں سے احب
تھے جیسا کہ حدیث طیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور
حاکم نے روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ایک روز
جب رسول خدا صلعم کے آگے ایک مرغ بریان رکھا ہوا تھا اور

آپ دعا مانگ رہے تھے کہ الٰہی اس شخص کو بھیج دے کہ ساری خلقت
سے جو تیرا زیادہ محبوب ہے تاکہ وہ میرے ساتھ اس طیر کو تناول کرے۔
انس بن مالک جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں خدا سے
دعا مانگتا تھا کہ ایسا شخص میری قوم انصار سے ہو مگر کچھ دیر نہ گزری تھی
کہ حضرت علیؑ آئے اور آپ نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس طیر کو
تناول فرمایا۔

۱۳۔ آپ رسول اللہ صلعم کے لئے مثل ہارون کے تھے جیسا کہ
حدیث اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ہَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اس پر دال ہے۔

۱۴۔ آپ رسول اللہ صلعم کے بھائی دین و دنیا میں ہیں کَمَا قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

۱۵۔ آپ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ در جزئیت حاصل ہے چنانچہ
رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اِنَّ عَلِیًّا مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ
مُؤْمِنٍ اس حدیث کو عمران بن حصین سے ترمذی نے روایت کیا
ہے علاوہ اس کے حدیث نور و حدیث لحمک لحمی وغیرہ سے بھی آپ کی جزئیت
رسول اللہ صلعم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

۱۶۔ آپ جمیع مومنین کے ولی و مولیٰ یعنی آقا ہیں اس قول کی
مثبت حدیث بالا اور حدیث خم غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ
ہیں ضرورت نہیں ہے جن صاحبوں نے ولی و مولیٰ کا معنی دوست
محب اور ناصر قرار دیا ہیں اور علی مرتضیٰ کے آقائے جمیع مومنین ہو

سے چشم پوشی کی ہے ان لوگوں نے در حقیقت رسول اللہ صلعم کے
آقائے مومنین ہونے سے درپردہ انکار کیا ہے کس واسطے کہ ان حدیثوں
سے جو نسبت علی کو ساتھ رسول خدا صلعم کے پیدا ہے وہ ایسی ہے
کہ محض یگانگی سے خبر دیتی ہے ایسی صورت میں ضرور ہے کہ جو مرتبہ
رسول اللہ صلعم کا جمیع مومنین و مسلمین بلحاظ اپنے مقابلے میں وہی مرتبہ
علی مرتضیٰ علیہ السلام کا بھی مانیں ان حدیثوں کی بنیاد پر کبھی ایسا قیاس نہیں کیا
جا سکتا ہے کہ پیغمبر خدا کا آقائے مومنین ہونا تو مانا جائے مگر علی مجرد
دوست محب اور ناصر سمجھے جائیں نہ بہ نہار ان حدیثوں میں لفظ مولیٰ
یا ولی اس طور پر نہیں استعمال کیا گیا ہے۔ کہ پیغمبر صاحب کی نسبت
کے ساتھ تو آقائے مومنین کے معنی پیدا کرے اور حضرت علی کی طرف
جب منسوب کیا جائے تو اس کے معنی ناصر محب اور دوست سمجھے
جائیں۔ ان دونوں حدیثوں کے الفاظ نہ مغلق ہیں اور نہ ترکیب دشوار
ہے فہم معمولی کے خلاف بھی کوئی امر نہیں ہے اس پر بھی اگر ناحق کے
جھگڑے پیدا کئے جائیں تو یہ مقدرات کی بات ہے واقعی محبت علی
بھی ایک امر منجانب اللہ ہے جس کو چاہے خدائے تعالیٰ عطا فرمائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۷۔ آپ رسول اللہ صلعم کی جانب سے ادائے حق کرنے کے تمام
تر سزاوار تھے اس قول کی مثبت یہ حدیث یعنی عَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ
عَلِیٍّ وَلَا یُؤَدِّیْ عَنِّیْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِیٌّ راوی اس حدیث کے حبش بن

جنا وہ ہیں معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور نہیں کوئی حق ادا کرے گا میری طرف سے مگر میں۔ یا علیؑ اس حدیث کا قصہ نقض عہد مشرکین مکہ سے متعلق ہے یہاں اس کے عادے کی گنجائش نہیں ہے شائقین تحقیق خود دریافت حقیقت فرما کر اسے قائم کر لیں۔

۱۸۔ آپ کی پیدائش کعبے میں ہوئی اور شہادت مسجد میں۔

کعبے میں حیات اور مسجد میں ممات　　جو کچھ پایا خدا کے گھر سے پایا

۱۹۔ آپ بہ اسباب ظاہر سب سے اوّل اسلام قبول کرنے والے ہیں اس لئے ارشاد فرماتے ہیں سَبَقْتُکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ طُرًّا ؛ غُلَامًا مَابَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِیْ ؛ لفظ طُرًّا قابل لحاظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول فرمایا تھا۔ یہ تو عالم اسباب کی بات ہے ورنہ حقیقت حال یہ ہے کہ جب آپ اور رسول خدا صلعم نور واحد سے ہیں تو کسی وقت میں آپ کی طرف شرک و کفر کی نسبت نہیں کی جاتی ہے۔

۲۰۔ آپ بڑے صاحب علم و حکمت تھے اس قول کی مثبت حدیث اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ہے راوی اس کے ترمذی ہیں یہ حدیث اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ کے لفظوں کے ساتھ بھی مشہور ہے آپ کے اقوال خطبات اشعار اجتہادات وغیرہ وغیرہ بڑی علمی حیثیت سے خبر دیتے ہیں۔

۲۱۔ آپ بڑے عالم قرآن تھے جیسا کہ امام کو ہونا چاہیئے۔

۲۲۔ آپ کو اور قرآن کو رسول اللہ صلعم نے ساتھ ساتھ یاد فرمایا ہے جیسا کہ فرمودہ آنحضرتؐ کا ہے اَلْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ وَ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰن

۲۳۔ آپ قرآن ناطق تھے جیسا کہ خود فرمودہ امیرالمومنین علیہ السلام کا ہے آپ کو غیر صادق القول وہی سمجھے گا جو گمراہ ازلی ہوگا۔

۲۴۔ آپ عترت رسول اللہ صلعم میں داخل ہونے کے باعث عظمت میں کتاب اللہ کے برابر ہیں رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی واھل بیتی عترتی اور اہل بیتی شئی واحد ہے اور مراد اس سے علیؑ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ ہیں جن صاحب نے عترتی اور اہل بیتی سے اخذ سنت مراد لیا ہے عجب حیرت انگیز بات ہے اس قدر عترت اور اہلبیت مصطفیٰ سے فرار کیا یعنی

۲۵۔ آپ حیرت انگیز قوت قضا رکھتے تھے جیسا کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اقضاکم علیؑ اور واقعی آپ کے فیصلے ایسے ہوتے تھے کہ اہل عرب تعجب کی آنکھ سے دیکھتے تھے آپ کے بعد لوگ یہ کہا کرتے تھے قَضِیَّۃٌ وَّلَا اَبَا حَسَن لَّھَا یعنی کہ مقدمہ ہے مگر علی نہیں جو فیصلہ کریں۔

۲۶۔ آپ نہایت حلیم کریم رحیم متعبد نفس کش حیادار باذل سخی ذکی جواد شجاع سیر چشم قانع پاکباز منکسر حق گو حق جو خدا ترس مردم شناس علم دان علم پرور علم دوست صابر شاکر جفاکش صاحب ریاضت خوش جمال خوش خصال خوش خیال صادق المقال باستقلال فہیم ذکی متین

اور آخرہ میں تھے محامد اور مناقب آپ کے ایسے نہیں کہ احاطۂ تحریر میں آسکیں
ع کس راچہ زور و زہرہ کہ وصف علیؑ کند ۔ اس ناچیز نے مجرد عبادت
سمجھ کر اس قدر قلم فرسائی کی ہے ورنہ اس سے شمار اوصاف گرامی مقصود
نہیں ہے ۔

۲۷۔ آپ کی محبت مومنین پر فرض ہے آپ کا مخالف مومن نہیں ہو
سکتا رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ
اس حدیث کو ام سلمہ سے ترمذی روایت کرتی ہیں جاننا چاہئے کہ محبت
علیؑ عین ایمان ہے مگر اس حدیث کی تعمیل کس قدر مفقود نظر آتی ہے ۔

۲۸۔ آپ کی شان میں آیات قرآنی بہت ہیں بعض ان میں سے ذیل
میں زیب رقم ہوتی ہیں ۔

(۱) اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ ۔ یہ آیت جناب علیؑ مرتضٰی کے تصدق
خاتم سے متعلق ہے ۔ ناسخ فرماتے ہیں ؎

انگشتر اپنی دے کے سلیمان کر دیا طاعت میں بھی سوال سنا گر فقیر کا

(۲) یاایھاالذین اٰمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصّادقین مراد صادقین
سے علی مرتضٰی علیہ السلام ہیں بسند تفسیر امام ثعلبی وغیرہ ۔

(۳) والذین اٰمنوا باللہ ورسولہ اولٰئک ھم الصدیقون الخ
یہ آیت حضرت علی علیہ السلام و جعفر طیار و حضرت امیر حمزہ علیہما السلام
کے حق میں نازل ہوئی ہے اس آیت میں خدا نے تعالیٰ ان حضرات
کو صدیق اور شہید کے خطابوں سے یاد فرماتا ہے (دیکھو مسند امام حنبل رح

وتفسیر ثعلبی وغیرہ)

(۴) ویتلوہ شاہد منہ الخ . یہ آیت جناب علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے جمیع علما اس کے شان نزول میں موافق ہیں ملا محتشم کاشی فرماتے ہیں ۔ ؎

مقصد تنزیل بلغ مظہر اسرار غیب مطلع یتلوہ شاہد مقطع حبل المتین

(۵) ولکل قوم ہاد ۔ حافظ ابو نعیم حضرت عبداللہ ابن عباس امام ثعلبی وغیرہ اس آیت کی شان نزول کو بالاتفاق جناب علی مرتضیٰؑ کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

علاوہ آیات بالا کے مشہور آیات آیت تطہیر و آیت مباہلہ و آیت یا ایہا الرسول بلغ ما نزل الیک من ربک الخ و آیت الیوم اکملت لکم دینکم و آیت یوفون بالنذر ہیں ملا محتشم فرماتے ہیں ۔

صاحب یوفون بالنذر آفتاب انما قرۃ العین لعمرک نازش روح الامین ۔

۲۹ ۔ آپ حدود اللہ میں نفسانیت کو دخل نہیں دیتے تھے بلکہ جہاں نفسانیت کا خوف دیکھتے تھے وہاں ایسی کارروائی فرما جاتے تھے کہ جس میں نفس کی شرکت کی صورت باقی نہیں رہتی تھی چنانچہ ایک بار کا یہ ماجرا ہے کہ حضرت ایک کافر قوی پنجہ سے مقابل ہوئے اور اسے بڑی زور آزمائی کے بعد زیر کیا جب چاہا کہ اسے فی النار کریں اس نے روئے مبارک پر تھوک دیا حضرت فوراً اس کے سینے سے اتر پڑے اس عجب خیز کارروائی کو دیکھ کر اس کافر نے پوچھا کہ یا علیؑ اس محنت و مشقت

سے آپ نے ہم کو زیر کیا اور جب وقت میرے مار ڈالنے کا آیا تو مجھے چھوڑ کر کیوں علیحدہ ہو گئے حضرت نے فرمایا کہ میں تجھے خدا کے حکم کے مطابق مارنا چاہتا تھا کچھ اپنے نفس کی خاطر نہیں مگر تو نے جو مجھ پر تھوک دیا تو اب میرا تجھے مار ڈالنا شرکت نفس کے ساتھ ہوتا اس لئے میں علیحدہ ہو گیا اور تجھے قتل نہیں کیا وہ کافر اس تقریر پُر تاثیر کو سن کر ایمان لایا۔ مولانا روم اسی قصے کے متعلق فرماتے ہیں ؎

او خیو انداخت بر روے علیؑ افتخار ہر نبی و ہر ولی

۳۰۔ آپ کو درجہ شہادت بھی حاصل ہوا برائے خود یہ بڑا درجہ ہے۔ آپ کی شہادت شہر کوفہ میں واقع ہوئی عبدالرحمٰن بن ملجم شوہر قطامہ آپ کا قاتل ہے آپ کی رحیمی اور کریمی ایسی تھی کہ آپ نے اپنے قاتل سے بھی اپنے خلقی رحم و کرم کو بازنہ رکھا۔

۳۱۔ آپ کسب حلال کی نظر سے مزدوری کرتے تھے اجرت پر کنوئیں سے پانی نکالتے تھے۔

۳۲۔ آپ کی غذا محض سادی تھی بیشتر جو کی روٹی کھاتے تھے اور وہ بھی اسی قدر کہ تن میں جان باقی رہے لباس کا بھی یہی طور تھا کہ تکلف سے تمام تر بری تھا۔

۳۳۔ آپ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم جانتے تھے۔ اور کبھی رد سوال نہیں فرماتے تھے چنانچہ ایک بار آپ نے نذر کے تین روزے رکھے شریک روزہ داری اپنے ہی گھر والے تھے۔ یعنی حضرت

بی بی دونوں صاحبزادے اور فضہ کنیز۔ نقد وجنس سے پاس میں کچھ نہ تھا
اس لئے سامان افطار کے خیال سے امیر المومنین کچھ گیہوں شمعون یہودی
کے پاس سے قرض لے آئے روزہ داروں نے کوٹ پیس کر روٹیاں
پکائیں شام کو جب حضرت روزہ داروں کے ساتھ افطار کو بیٹھے افطار
فرمایا بھی نہ تھا کہ ایک سائل نمودار ہوا اور اس نے سوال کیا حضرت نے
جو کائنات افطاری کی شکل میں آ گئے موجود تھی سائل کو دے ڈالی اور
خود اور گھر والے سب کے سب پانی سے افطار کر کے سو رہے دوسرے
اور تیسرے دن پھر یہی صورتیں ہوتی گئیں اللہ اکبر یہ سخاوت یہ جود یہ
بذل یہ کرم کہیں دنیا میں دیکھا جاتا ہے اسی روزہ نذر کی نسبت خدانے
تعالیٰ نے قرآن میں آیت یوفون بالنذر کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔

۳۴۔ آپ صاحب عرفان کامل تھے اور خدا کا یقین ایسا رکھتے تھے
کہ اس سے زیادہ یقین کا امکان دشوار ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ
کشِفَ الغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ یقیناً یعنی اگر اٹھ جاتا پردہ تو میرا یقین نہ
بڑھتا۔ آپ کی خداشناسی کا کیا درجہ تھا کیا کوئی بتا سکتا ہے؟

۳۵۔ آپ دنیا کو محض بے حقیقت جانتے تھے یہ بات آپ کے ہر قول
وفعل سے ظاہر ہوتی تھی اسباب دنیا سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ
نان جویں کھاتے تھے اور موٹے کپڑے پہنتے تھے اور اکثر زمین پر بیٹھے
یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے اس لئے آپ کو لوگ ابو تراب کہتے تھے
آپ کا زہد و فقر بہت دشوار رنگ کا تھا باتیں بھی جو کرتے تھے نمائے

دینوی سے بے لگاؤ ہوتی تھیں ۔ ایک نقل اس جگہ لکھ دی جاتی ہے جس
سے آپ کی اوقات بسری کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے آپ کی ایک
دن کی سرگزشت یہ ہے کہ آپ مسجد مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور
صوم سے تھے ایک مسافر آگیا وقت افطار آپ نے اسے اپنی جو کی
روٹی سے جو آدھی تھی نصف اس کا اسے دیا اس نے دیکھا کہ اتنی
روٹی سے بھوک نہ جائے گی اس جگہ چلا گیا جہاں امام حسن اور امام حسین
علیہما السلام مسکینوں کو طعام تقسیم فرما رہے تھے صاحبزادوں نے اسے
ایک آدمی کا حصہ مرحمت فرمایا وہ ایک حصہ لے کر دوسرے حصے کا بھی
طالب ہوا شاہزادوں نے فرمایا تو ایک آدمی ہے دو آدمی کے حصے
لے کر کیا کرے گا اس نے کہا ایک مسکین اور بھی مسجد میں اترا ہوا ہے
جس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے اس کے پاس صرف آدھی نان
جو میں تھی کہ اس میں سے اس نے آدھی ہمیں دے ڈالی ہے میں اسی
کے واسطے ایک حصہ لنگر خانے سے لے جانا چاہتا تھا شہزادوں نے پوچھا
اس شخص کی صورت بتا جب اس نے حسب ارشاد صاحبزادگان صورت
بتائی تو صاحبزادوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ وہ شخص کوئی مسکین نہیں
ہے وہ ہمارا باپ علیؑ ہے جو مولائے کونین ہے اللہ اکبر یہ عجیب قصہ
ہے واقعی شان مرتضویؑ دہم و قیاس سے بہت باہر ہے اللھم صل
علی محمد و آل محمد ۔

۳۶۔ آپ اپنے حق کے رو سے ویسے ہی سید ہیں جیسے پیغمبر خدا صلعم

سید ہیں اسی لئے آپ کی اولاد جو بطن حضرت سیدہ علیہا السلام سے نہیں ہے وہ بھی سید کہلاتی ہے وہ سادات جو غیر بنی فاطمہ ہیں انہیں سادات علوی کہتے ہیں واضح ہو کہ خلعت سیادت دربار خداوندی سے پنجتن پاک کو مرحمت ہوا ہے حضرت سیدہؓ سید زادی ہونے کے سبب سے سیدہ نہیں ہیں بلکہ اپنے حق کے رو سے سیدہ ہیں اسی طرح حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام اپنے اپنے حق کے رو سے سید ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ سیادت بڑی نعمت ہے اس سے بڑھ کر دینی نعمت دوسری کوئی نہیں ہے حضرات سادات جو اس زمانے میں موجود ہیں ان پر فرض ہے کہ اس نعمت کی قدر کریں اپنے آبائی طریق کے پابند رہیں اپنے اجداد کرام یعنی ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پورے پیرو رہیں اپنے نسب ناموں کو ضائع ہونے سے بچائیں طمع دنیاوی میں مبتلا ہو کر اپنی نسل پاک کو خراب نہ کر ڈالیں۔ راقم کو اپنی ایک جواری قوم پر نہایت افسوس آتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان سیادت کے شرف کو کمال نادانی سے ضائع کر ڈالا ہے یہ قوم اس دیار میں ملک کہاتی ہے اس قوم کے بزرگان شاہی زمانے میں بڑے اہل حکم و رقم تھے چنانچہ ان میں سے ایک صاحب معروف بہ سید ابراہیم بڑے صاحب ثروت تھے یہ صاحب قصبہ بہار میں آسودہ ہیں ان کو ملک کا خطاب بادشاہ وقت کے حضور سے ملا تھا اسی لئے ملک بیوؒ کے نام سے آج تک

مشہورہ دیار وامصار ہیں ان کی اولاد خطاب مورث کے سبب سے ملک کہلاتی ہے اور اس ملک کے سکننا ناواقفیت کے باعث ملکوں کو ایک مجہول قوم سمجھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ سادات سے ہیں۔ علم الاقوام کے رو سے بھی یہ قوم بہت کچھ بنی ہاشم کے انداز رکھتی ہے یہ لوگ نہایت مہمان نواز شجاع اور خوش خلق ہیں اور ان کی وجاہت ظاہری ان کے علو قومیت سے خبر دیتی ہے۔

۳۷- آپ نہایت مہمان نواز تھے اور مہمان نوازی آپ پر ختم تھی۔ آج تک سادات کرام میں مہمان نوازی کی صفت ممیز طور پر پائی جاتی ہے

۳۸- آپ کا قاتل اور مقتول دونوں اہل دوزخ سے ہیں۔

۳۹- آپ کا حارب رسول اللہ کا حارب ہے۔ جابر روایت کرتے کہ رسول اللہ صلعم نے علیؑ و فاطمہؓ و حسنؑ و حسینؑ کے حق میں فرمایا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ یعنی کہ ہمکو جنگ ہے شخص سے کہ جو جنگ کرے ان لوگوں سے اور ہمکو صلح ہے اس شخص سے کہ جو صلح رکھے ان لوگوں سے۔

لمؤلف

دشمن ہے جو علیؑ کا وہ دشمن نبیؐ کا ہے　　دشمن نبیؐ کا دشمن اللہ پاک ہے
پس دشمن علیؑ و نبیؐ و خدا جو ہو　　وہ عاقبت خراب جہنم کی خاک ہے

۴۰- آپ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کو بڑا تعلق دلی پیدا تھا- جیسا کہ روایت عطیہ سے جو صحابیہ تھیں معلوم ہوتا ہے- کہ وہ کہتی ہیں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیشاً فیھم علی فسمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم وھو رافع یدیہ یقول اللھم لا تُمِتْنِیْ حتّٰی تُرینی علیاً۔ راوی اس حدیث کے ترمذی ہیں اور ترجمہ یہ ہے کہ روانہ کیا پیغمبر خدا نے ایک فوج کو کہ جس میں علیؑ تھے پس ہم نے رسول اللہ صلعم کو دونوں ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ میرے مت مار مجھ کو جب تک کہ تو علیؑ کو مجھے دکھلا نہ لے واقعی جگہ جگہ اور دگر دگر ہوتا ہے۔

۴۱۔ آپ نے جس طرح بیٹی رسولؐ اللہ سے اسی طرح ذوالفقار خدا سے پائی۔ بقول ملا کاشی علیہ الرحمتہ **مصرع**

وز خدو مصطفےٰ شمشیر و دختر یافتہ

۴۲۔ آپ نے صغر سنی میں رسولؐ اللہ کے پاس پرورش پائی اور لعاب دہن رسولؐ اللہ کا وقت پیدائش چوسا اور غسل پیدائش رسولؐ خدا کے ہاتھ سے پایا سب سے پہلے رسولؐ اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔

۴۳۔ آپ بروز ہجرت جان پر کھیل کر بستر رسولؐ اللہ پر سوئے۔

۴۴۔ آپ بُت شکنی کی غرض سے دوش رسولؐ اللہ پر سوار ہوئے یہ شرف کسی کو حاصل نہ ہُوا۔

۴۵۔ آپ علم میں حضرت آدم علیہ السلام سے مشابہ تھے درجہ خلت حضرت ابراہیم کا رکھتے تھے۔ ہیبت آپ کی موسیٰؑ کی ہیبت کے مانند تھی اور عبادت عیسیٰؑ کی عبادت سے

۴۶۔ آپ رسول اللہ صلعم کے غسل و کفن کے متکفل ہوئے اور خود آپ کو غسل و کفن ملائکہ نے دیا

۴۷۔ آپ حسب حکم رسول اللہ بحالت جنابت مسجد میں جانے کے ماذون تھے یہ اجازت سوائے اہلبیت علیہم السلام کے کسی کو نہ ہوئی

۴۸۔ آپ کا اور آپ کے جگر گوشگان ائمہ معصومین علیہم السلام کا ذکر کتب سماویہ میں آیا ہے

۴۹۔ آپ مفتی ہر چار دفتر تھے اسی طرح بقیہ ائمہ معصومین علیہم السلام بھی تھے۔

۵۰۔ آپ نے کسی کا حق غصب نہیں کیا۔

۵۱۔ آپ نے ناجائز رنگ پر ایک قطرہ خون کبھی نہ بہایا حریف کے ساتھ مکر وحیلہ کو راہ نہ دی حریف پر بلا ضرورت سختی کبھی نہ کی اسیران جنگ کو یا کسی کو گالی نہ دی اسیران جنگ کے قتل کو کبھی پسند نہ فرمایا اور نہ ان کے قتل کی رسول اللہ صلعم کو صلاح دی کبھی فتنہ و فساد کے گرد نہ پھرے اور جب کوئی فتنہ برپا ہوا تو اس کے فرد کرنے میں دل سے کوشاں ہوئے۔

۵۲۔ آپ بہت حاضر طبیعت اور حاضر جواب تھے انفصال قضایا میں بھی آپ کا یہی انداز تھا تطویل کلام کے خوف سے راقم مثالیں آپ کی ان صفتوں کی نہیں لکھ سکتا ورنہ مثالیں بہت ہیں

۵۳۔ آپ کے زور بازو شجاعت استقلال اور ہمت سے اسلام

قائم ہو سکا یہ علیؑ ہی کی تلوار تھی جس نے اسلام کو مدینہ میں مضبوط کر دیا مکہ کو ماتحت مدینہ کر دیا اور جتنے بدخواہ اسلام تھے ان کو زیر و زبر کر ڈالا بلاشبہ رسول اللہؐ کے عہد کا اسلام سو حصے میں نو حصے تیغ علیؑ بن ابی طالب کا ممنون ہے سوائے ناسپاس اور ناحق شناس کے کوئی مسلمان واقفیت کی حالت میں اس سے انکار نہیں کر سکتا ہے عہد محمدیؐ میں کوئی شخص علیؑ سے زیادہ مددگار اسلام موجود نہ تھا اور سچی شجاعت اور سچی بہادری کے رو سے علی کا نظیر کوئی شخص امت محمدیؐ میں نظر نہیں آتا ہے لاریب علی اسلام کے ہیرو آف ہیروز Heroes of heroes) یعنی شجاع شجاعان تھے اس ہیروازم (Heroism یعنی شجاعت کے ساتھ ان صفات حمیدہ سے بھی متصف تھے جو انبیاء اوصیا و اولیا کے لئے درکار ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس عہد کے کسی مسلمان سیرت نگار نے علیؑ کا لائف (Life) نہ لکھا راقم کو اس وقت کوئی شکایت نہ ہوتی اگر شد و مد کے ساتھ سیرت نگاری کی طرف بعض ارباب تحقیق مائل نہ ہوتے خدا کا غضب ہے کہ سیرتیں مشاہیر اسلام کی لکھی جائیں پھر ایک فاسق شرابخوار خونی بدکردار عیاش نفس پرور خودغرض بنی عباس کا خلیفہ ہیروز آف اسلام (Heroes of Islam) یعنی شجاعان اسلام میں ٹھونسا جائے اور اس کی سیرت نگاری میں زور شور کے ساتھ دفتر کے دفتر سیاہ کئے جائیں مگر علی بن ابی طالب کی دو صفحہ کی سیرت بھی حوالہ قلم نہیں کی

جائے مسلمانو! یہی انصاف ہے کہ عہد محمد کا اسلام جس شخص کا ممنون در ممنون ہو وہ ہیروز آف اسلام میں شمار بھی نہ ہو، اور اس کے احوال میں دو سطریں بھی اشاعت نہ پائیں اگر یہی اسلامی ارباب تحقیق کا انداز ہے تو اسلام کو ایسے مصنفین سے فائدہ پہنچ چکا خلق اللہ کو فائدہ رسانی کے لئے پابندی انصاف شرط ہے اتلاف حق ایک بری شئے ہے خاص کر اتلاف حق اہلبیت اسی سے اسلام کو ضرر پہنچ چکا ہے اور آئندہ بھی ضرر پہنچا کرے گا اب بھی ہی خواہان اسلام ادائے حقوق اہل بیت کی طرف کوشش فرمائیں ورنہ ان کی جلتی کوششیں ترقی اسلام کے لئے ہوں گی رائیگاں جائیں گی خدا کی خدائی انصاف پر چل رہی ہے یہ ممکن نہیں کہ بے انصافی کی بنیاد پر کسی قسم کی ترقی کی عمارت قائم ہو سکے خدائے تعالیٰ دوستداران اسلام کو حق بینی اور حق جوئی کی توفیق اور حق و باطل کی تمیز عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

خیر راقم اب علی ابن ابی طالب کے وہ احوال رقم کرتا ہے جن سے ظاہر ہو گا کہ اس جناب کے زور بازو شجاعت، استقلال اور ہمت نے کس طرح دشمنان اسلام کے مقابلے میں اسلام کو غلبہ بخشا اور اسلام کو تباہ و خراب ہونے سے محفوظ رکھا تحریر ذیل پر حضرات ناظرین با انصاف کی توجہ درکار ہے۔

واضح ہو کہ جب کفار مکہ کے ظلموں سے رسول اللہ صلعم کو مکہ سے

ہجرت اختیار کرنی پڑی تو حضرت صلعم مدینہ کو تشریف لائے اور اہل مدینہ نے آپ کے دین کو قبول فرمایا۔ اہل مدینہ کے اسلام قبول کرنے سے مدینہ ایک اسلامی شہر ہو گیا جب کفار مکہ نے دیکھا کہ محمد صلعم نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں اپنے دین کو استحکام بخشا تو کفار مکہ اس معاملے کو بڑے حسد اور عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اور اس فکر میں ہوئے کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اسلام کی حکومت کو درہم برہم کر ڈالیں اس قصد سے سرداران مکہ کوشش پر آمادہ ہو کر مدینہ کی طرف بڑھے ان کی پہلی لڑائی مسلمانوں کے ساتھ چشمہ بدر پر واقع ہوئی اگر یہ لڑائی اہل اسلام ہار جاتے تو حضرت محمد مصطفیٰ کے دین کا خاتمہ ایک امر یقینی تھا۔

جنگ بدر ماہران علم تاریخ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ پولیٹیکل پہلو سے جنگ بدر کو قسطنطن (constantine) کے زمانے کی پل والی لڑائی (Battle of the bridge) کی حیثیت حاصل ہے یہ لڑائی مسیح علیہ السلام کے ایک سو برس کے بعد درمیان عیسائین اور کفار کے واقع ہوئی تھی اگر قسطنطن کو اس لڑائی میں ناکامیابی منتج ہوتی تو دین مسیحی کو عروج دشوار ہوتا اسی طرح اگر جنگ بدر خلاف میں اسلام کے انجام پاتی تو اسلام بالکل ٹھنڈا ہو جاتا۔ جاننا چاہئے کہ بے جدال و قتال کوئی دین قائم نہیں ہو سکتا ہے قیام و فروغ دین کے لئے جدال و قتال ایک امر ناگزیر ہے ہر چند مسیح علیہ السلام نے خود کوئی جدال و قتال نہیں فرمایا مگر حقیقت یہ ہے کہ دین اس معصوم اور برحق ہادی کا بے تیغ

دشمنان دنیا میں شائع نہیں ہوا ہے جسقدر غزوات رسول اللہ میں
خون بنی آدم کا حکم خدائے قدیر سے زمین پر بہا ہے اس سے چندر چند مرتبہ
زیادہ حامیان دین مسیحی کی تلواروں سے میدان ہائے دنیا لالہ زار ہو گئے
ہیں یہ بھی اہل انصاف سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جتنے غزوات رسول اللہ
صلعم کے ظہور میں آئے ہیں وہ زبردستی کا پہلو نہیں رکھتے ہیں ان کے
وقوع کے اسباب ایسے ہی نظر آتے ہیں۔ بلے جنگ کے اختیار کئے کوئی
چارہ نہ تھا اسی جنگ بدر کو دیکھئے کہ کفار مکہ نے خود لشکر کشی کی۔ کیا آنحضرت صلعم
ان کو مدینہ میں داخل ہو کر اسلام کو درہم برہم کرنے کی اجازت دیتے ان
دشمنان اسلام سے حضرت اگر نہ لڑتے تو کیا کرتے یہ لڑائی تو تمام تر تقاضائے
فطرت کے قرین تھی اگر آج بھی دنیا کی کسی شائستہ ترین قوم پر ایسی چڑھائی
کی جائے تو باوجود حاصل رہنے ہر طرح کی شائستگی کے اسے اپنے دشمن
سے مقابلہ کرنا ایک امر مجبوری ہوگا کفاران مکہ کی تعدی ایک امر قابل لحاظ
ہے پہلے تو یہ دشمنان اسلام پیغمبر صاحب کو مکہ میں طرح طرح کی ایذائیں
پہنچاتے رہے جب آپ نے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا اور ایک غیر شہر
میں جاکر امن پکڑا تو وہاں بھی ان کو قتل کرنے اور ان کے دین کو برباد کرنے
کی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی حملے پر حملے ہوتے رہے سبحان اللہ اس پر بھی
دشمنان اسلام کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ نے تلوار کھینچی اور
خون بنی آدم بہایا۔ خیر اب ناظرین با انصاف جنگ بدر کے معاملے پر توجہ
فرمائیں اور دیکھیں کہ یہ لڑائی کہ جس پر قیام استحکام اسلام موقوف تھا

کس طرح بڑھی گئی اور اس لڑائی میں علی ابن ابی طالبؓ کی تلوار نے کیا جوہر دکھلائے۔ کتب تاریخ میں مندرج ہے کہ جب کفار قریش بمقابلہ لشکر اسلام کے صف آرا ہوئے تو ان کفار سے تین شخص میدان جنگ میں مبارز طلب ہوئے اس وقت مہاجرین سے کوئی بھی ان کے مقابلے کو نہ نکلا الا حضرت علیؑ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب یہ تینوں حضرات بنی ہاشم تھے اور تینوں نے خوب ہاشمیت کی داد دی پھر جب لڑائی عام ہو گئی تو اور بھی حضرات بنی ہاشم نے بہادریاں دکھلائیں اور انصار بھی دلیری کے ساتھ نبرد آزما ہوئے حسب تحریر ارباب سیر ستر آدمی لشکر کفار سے اس لڑائی میں مارے گئے اور ستر آدمی اسیر ہوئے منجملہ ستر کشتگان کفار کے ۳۵ نفر حضرت علیؑ کے دست خاص سے فی النار ہوئے اور بقیہ مقتولین کا زیادہ حصہ حضرت حمزہ کی تلوار سے طعمۂ دوزخ ہوا کشتگان کی فہرست نام بنام مندرج کتب تواریخ و سیر میں ہیں اہل واقفیت سے کوئی امر پوشیدہ نہیں ہے المختصر یہ بدر کی لڑائی وہ ہے کہ اسلام کی آئندہ کی سرسبزی تمام تر اس کی فتح پر موقوف تھی اگر اس لڑائی میں اسلام کو شکست ہو جاتی تو اسلام کا کام تمام ہو چکا تھا پھر نہ دین اسلام جاری ہوتا نہ بعد رسول اللہ کے خلافت راشدہ قائم ہوتی نہ پھر خلافت بنو امیہ کو پہنچتی نہ بنو عباس مالک خلافت ہو سکتے اور نہ دنیا میں کوئی اسلامی سلطنت کا وجود ہوتا یہ تلوار علی ہی کی تھی جس نے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور یہ وہی تلوار تھی کہ عہد رسولؐ اللہ میں اسلام کی جڑ کو مضبوطی بخشتی رہی حتیٰ کہ اسلام ایک

ایسا قوی و سخت ہو گیا کہ جس کی بیخ کنی قیصر روم اور کسرائے فارس بھی نہ کر سکے

جنگ اُحُد

واضح ہو کہ جب قریش مکہ نے ہزیمت سخت بدر کی لڑائی میں اٹھائی اور ان کے بہادران مثل ابوجہل وغیرہ کے مارے گئے تو ان کے دلوں میں اس کے معاوضے کی سخت خواہش پیدا ہوئی چنانچہ بدر کے دوسرے ہی سال مشرکین قریش بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے ادھر سے رسول اللہؐ بھی مہاجرین و انصار کو لے کر ان کے مقابلے کے واسطے مدینہ سے نکلے۔ کوہ احد کے متصل لشکر اسلام اور کفار قریش سے سامنا ہوا کفاران مکہ کا سردار ابوسفیان تھا چونکہ اس کے بیٹے اور رشتہ دار جنگ بدر میں طعمۂ ذوالفقار حیدری ہو چکے تھے اس نے لشکر آرائی میں بڑی کد کی زنان قریش بھی لشکر کے ساتھ آئیں یہ عورتیں جلاجل بجا بجا کر اور اشعار پڑھ پڑھ کر مبارزان قریش کو تہوّر دلاتی تھیں اور کشتگان بدر کے معاوضے پر انہیں آمادہ کرتی تھیں ان نسوان حبائل شیطان کی سردار ہندہ تھی یہ وہی ہندہ ہے جو ابوسفیان کی زوجہ تھی اور جس کی نسبت حکیم سنائی لکھتے ہیں۔

داستان پسر ہند مگر نشنیدی الخ۔

خیر جب لڑائی شروع ہوئی تو پہلے لشکر اسلام کو فتح نمایاں ہوئی پھر شکست کا سبب یہ ہوا کہ اسلامی لشکری مال غنائم کے حاصل کرنے کی فکر میں مشغول ہو گئے اور رسول اللہؐ نے جو ارشاد فرمایا تھا اسے بھول بیٹھے یعنی رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ پچاس شخص تیر انداز پہاڑ کی ایک گھاٹی پر موجود رہیں مگر جب فتح کی شکل نمایاں ہونے لگی اور قریش

ملہ گریزاں نظر آنے لگے تو ان تیر اندازوں نے اپنی جگہیں چھوڑ دیں اور لوٹ میں مشغول ہو گئے قریش نے یہ طور دیکھکر اپنے منتشر شدہ لشکر کو سمیٹا اور پھر قاعدے سے لشکر اسلام کے مقابل ہوتے تب تو مال غنیمت کے طلبگار دل پر سخت آبنی لشکر اسلام کو مقاومت کی تاب نہیں رہی عوام مہاجرین ایسے بھاگ نکلے کہ نشان بھی نہ ملا کہ کدھر غایب ہو گئے صرف مہاجرین بنی ہاشم جو قرابت داران رسولؐ تھے استوار و گرم پیکار رہے اسی طرح انصار بھی شریک جانبازی رہے صاحب مدارج النبوۃ جناب محدث شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو حضرت رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے اس وقت آنحضرتؐ غضب میں ہوتے اور پیشانی مبارک سے پسینا گرنے لگا پھر دیکھا تو علیؑ کو اپنے پہلو پر ایستادہ پایا آنحضرتؐ نے علیؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم نے اپنے بھائیوں کا ساتھ نہ دیا اور ان سے نہیں جاملے اس پر علیؑ نے عرض کی أَكْفُرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ إِنَّ لِي بِكَ أُسْوَةً یعنی بعد ایمان کے بھی ہم کفر اختیار کریں گے بتحقیق کہ مجھے آپ کے ساتھ الفت ہے اس وقت میں ایک جماعت کفار کی پیغمبر خدا صلعم کی طرف متوجہ ہوئی آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ اے علیؑ مجھے اس جماعت سے محفوظ رکھو اور حق خدمت ونصرت بجالاؤ کہ یہ وقت مددگاری کا ہے حسب الارشاد نبوی حضرت علی مرتضیٰ اس قوم کی طرف متوجہ ہوتے اور انھیں بدحال کرکے متفرق کر ڈالا اور ایک جماعت کثیر کو دوزخ میں پہنچا دیا اس کے بعد محدث ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ جب علیؑ سے یہ نصرت ظہور میں آئی وہ پیغمبر خدا نے بحق علی مرتضیٰ انہ منی و

دَاَنَامِنۡهُ فرمایا اور جبرئیلؑ بولے انا منکما پھر محدث ممدوح فرماتے ہیں کہ یہ آواز سنائی دی کہ کوئی گوئندہ غیبی کہتا تھا۔ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار، یہ بھی محدث ممدوح لکھتے ہیں نادعلیا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ہم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی کا نزول اسی معرکہ احد میں ہوا ہے سبحان اللہ کیا ذات پاک حضرت علی مرتضیٰؑ کی تھی اور آپ کیسے معاون اسلام اور جان نثار تھے کہ بدر میں کس طرح اسلام کو بربادی سے بچایا اور احد میں کس طرح رسول صلعم کی جان کے محافظ رہ کر دشمنان رسولؐ اللہ کو زیر و زبر کر ڈالا۔ واضح ہو کہ کتب تاریخ و سیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد کی لڑائی میں لشکر اسلام سے ۶۵ یا ستر حضرات شہید ہوئے ان میں سے حسب روایت ثانی ۶۶ و بر تقدیر روایت اول ۶۱ انصار شہید ہوئے۔ مہاجرین میں سے شہیدوں کے عدد تین یا چار نظر آتے ہیں اور یہ شہدا عزیزان پیغمبر صلعم سے تھے عوام مہاجرین سے نہ کوئی شہید اور نہ کوئی زخمی ہوا اس سے عوام مہاجرین کی عقیدت و وفاداری کو سمجھنا چاہیے ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوائے رسولؐ اللہ بنی ہاشم اور انصار کے کوئی غزوات رسولؐ خدا میں لڑنا پڑتا نہ تھا یہ تو جنگ بدر و جنگ اُحد کی سرگذشت ہے آئندہ اور غزوات میں بھی یہی کیفیت ظاہر ہوگی اس جنگ سے متعلق جو نہایت حسرت انگیز اور الم خیز معاملہ ہے وہ حضرت امیر حمزہؓ کی شہادت ہے آپ کی شہادت حضرت رسول خدا کے لئے ایک غم کی بات ہوئی۔ آپ لشکر خدا کے بڑے معین و مددگار تھے اور بڑی بہادری

سے جان نذر اسلام فرمائی انا للہ وانا الیہ راجعون اس واقعۂ جانگزا سے ایک عجیب نقل تاریخی متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندہ زوجہ ابوسفیان نے کمال شقاوت سے اس جناب کے جگر کو دانتوں سے چبایا اور آپ کے گوش اور بینی مبارک کو جسم اطہر سے علٰحدہ کر کے اور ان کا ہار بنا کر اپنی گردن ناپاک میں ڈالا اس شقاوت کو یاد کر کے حکیم سنائی فرماتے ہیں ع

مادر او جگر عم پیمبر بمکید۔

ہندہ کے اس فعل قبیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی عورت تھی اور اور جس قبیلے کی وہ عورت تھی اس قبیلے کے اخلاق کس قدر تنزل کو پہنچے ہوئے تھے یہ عورت بنی امیہ سے تھی بنی امیہ قریش کا ایک ایسا قبیلہ تھا کہ جو مکاری و دغابازی زناکاری خونریزی شراب خوری وغیرہ وغیرہ میں فرد تھا پیغمبر خدا کو اس قبیلے سے تمام تر نفرت تھی اور تا رحلت یہ نفرت آپ کی قائم رہی چنانچہ عمران بن حصین سے مروی ہے مات النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وھو یکرہ ثلثہ احیاء ثقیف و بنی حنفۃ و بنی امیہ راوی اس حدیث کے ترمذی ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم درحالیکہ وہ حضرت کراہت رکھتے تھے تین ۳ قبیلوں سے یعنی ثقیف بنی حنیفہ اور بنی امیہ سے شاہ صاحب اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے خواب میں دیکھا کہ بندر آپ کے منبر شریف پر کھیل رہے ہیں اور آپ نے تعبیر ان بندروں کی بنی امیہ سے فرمائی اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ آپ کی رحلت کے ساتھ بنی امیہ اپنی حرفتوں سے صاحب

اقتدار ہو گئے ملک شام ان کے زیر حکومت ہو گیا یہاں تک کہ تمام بلاد
اسلام کے مالک بن گئے اور پھر بیٹ منبر رسولؐ پر مشغول بازی رہے
نہایت جائے افسوس ہے کہ جس قبیلے کو رسولؐ اللہ اپنے عہد میں
نہایت کمزور اور بدحال کر گئے تھے حضرت کی رحلت کے ساتھ اس قبیلے کی
قوت نہ صرف عود کر آئی بلکہ ہزار درجہ ترقی کر گئی کاش اس قبیلے کو ذی
اختیار ہونے کا موقع نہیں دیا جاتا اگر یہ قبیلہ مرضی رسولؐ خدا کے مطابق
حالت ابتدال میں چھوڑ دیا جاتا تو نہ علی مرتضیٰؑ کی عمر تلخی میں بسر ہوتی نہ بنی ہاشم
مبتلائے تکالیف جسمانی و روحانی ہوتے نہ حضرت مقداد اور دیگر دوستداران
علیؑ ذلتیں اٹھاتے نہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ شکست بیعت فرماتے نہ حضرت
عائشہؓ جمل کی لڑائی لڑتیں نہ حضرت عائشہؓ کنوئیں میں گرائی جاتیں نہ امام
حسنؑ کو زہر دیا جاتا نہ امام حسینؑ شہید دشت کربلا ہوتے نہ امامؑ زادے
صعوبتوں کے ساتھ مارے جاتے اور نہ اہل حرمؑ اسیر ہو کر دمشق کی گلیوں
میں پھرائے جاتے۔ لاریب قبیلہ بنی امیہ کے صاحب اقتدار ہو جانے
سے آل محمد کو بڑا نقصان لاحق ہوا اور ان سے خوب خوب کشتگانِ
بدر کے بدلے لئے گئے۔ اس جگہ سائل سوال کر سکتا ہے کہ پھر کس
نے قبیلہ بنی امیہ کو سر نو سے قوی کر دیا اس کا جواب تاریخ کی کتابیں دے
سکتی ہیں راقم اس جگہ اسی قدر عرض کر دینا کافی سمجھتا ہے کہ بنی امیہ کو علی نے نہیں
سر چڑھایا رسولؐ اللہ جس قبیلے سے نفرت رکھتے تھے اس کو علیؑ سر نہیں
چڑھا سکتے تھے اگر سر چڑھائے ہوتے تو واقعہ کربلا کا الزام حقاً علیؑ ہی پر عائد

ہوتا کس واسطے کہ یہ واقعہ جانگزا محرر قبیلہ بنی امیہ کے سر پڑنے کا نتیجہ ہے
اس جنگ میں لشکر کفار سے صرف تیس آدمی مارے گئے ان میں سے
۹ لوا بردار لشکر کفار تھے یہ نو یکے بعد دیگرے طعمۂ ذوالفقار حیدری ہوتے گئے
پھر ۱۲ اور بھی حضرت علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ سے مارے گئے باقی رہے وہاں میں
چند شخص کو حضرت حمزہ علیہ السلام نے مارا اور بقیہ انصار کے ہاتھ سے فی النار
ہوئے مہاجرین غیر بنی ہاشم سے کسی کافر کا مارا جانا ثابت نہیں ہوتا ہے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہاجرین نہایت دور اندیش حضرات تھے نہ مارتے تھے
اور نہ مارے جاتے تھے مگر جاننا چاہیے کہ شجاعت ایک ایسی صفت
ہے کہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے اور سی کے برخلاف بزدلی ہے اور واقعی
شجاعت ایک ایسی صفت ہے کہ انسان کو بہت کچھ ذریعۂ عزت ہوا کرتی
ہے جیسا کہ خود اس لڑائی میں رسولؐ اللہ کے ایک صحابی نے یہ شعر پڑھا تھا

اِنَّ الْجُبْنَ عَارٌ وَفِی الْاِقْبَالِ مَکْرُمَۃٌ ۔ وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُوْ مِنَ الْقَدَرِ

یعنی نامردی میں ننگ ہے اور دشمن سے سامنا کرنے میں بزرگی ہے اور مرد
نامردی کے ذریعے سے مقدر سے نہیں بچ سکتا ۔

احد کی لڑائی کے بعد چند غزوات اور سرایا پے در پے ظہور میں آتے گئے مگر
وہ مشہور نہیں ہیں ۔ کتب تاریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غزوات
و سرایا میں بھی علیؑ کی تلوار نیام میں بیکار نہیں پڑی رہی شاہ مردان نصرت
حضرت رسولؐ اور اعانت اسلام سے غافل نہیں رہے چنانچہ غزوہ بنی
نضیر میں جو انھیں غزوات غیر مشہور سے ہے شیر خدا نے ایک بڑے کافر

جری کو مارا یہ شخص بنی نضیر سے تھا اور ایسا تھا کہ جس کا سامنا مہاجرین غیر بنی ہاشم نہیں کر سکتے تھے یہ شخص رات کو رسول اللہ پہ حملہ آور ہونے کو تھا اور اسی قصد سے اپنے قلعے سے نکلا تھا حضرت امیرؑ اس کے انداز کو سمجھ کر شب کو اس کی طرف بے فرمائش رسول اللہ کے تشریف لے گئے وہ عاقبت بر باد قصد بالا سے خیمۂ رسول اللہ کی طرف چلا آتا تھا کہ راہ میں شاہ مردان سے سامنا ہو گیا اور حضرت نے اسے جہنم واصل فرمایا اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیرؑ نے رسول اللہ کی فرمائش کے بغیر بھی نصرت رسول اللہ اور اعانت اسلام فرمایا کرتے تھے سبحان اللہ کیا حضرت کی شجاعت شعاری اور قوت ایمان تھی واقعی اگر علیؑ کو خدائے تعالیٰ نہیں پیدا کئے ہوتا تب اسلام کے زور پکڑتے اور استحکام حاصل کرنے کے واسطے خدائے تعالیٰ کو اور کوئی سامان تقویت پیدا کرنا پڑتا ظاہرا تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کو جو کچھ زور اور استحکام حاصل ہوا اس میں حضرت علیؑ کی ذات کو بڑا دخل تھا غیر ان غزوات و سرایا کے بعد وہ لڑائی وقوع میں آئی جو جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔ اسے جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ لڑائی بھی جنگ

جنگ خندق

بدر و جنگ احد کی شہرت رکھتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جنگ ہجرت کے پانچویں سال میں واقع ہوئی قریش مکہ اور چند قبائل دیگر جن میں یہودی بھی شامل تھے حضرت ابو سفیان پدر حضرت معاویہؓ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور اس کا محاصرہ کچھ روزوں تک کئے رہے ان کے حملوں سے شہر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے

پیغمبرِ خدا نے شہر کے گردِ خندق کھدوائی تھی اس خندق کی وجہ سے اس جنگ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں کفار محاصرین نے چند بار اس خندق پر حملے کیے مگر اندر شہر کے نہیں داخل ہو سکے اس وقت بھی علیؑ اعانت اسلام سے غافل نہ تھے اور ان کی شجاعت، شعاری حملہ آوروں کی خبر لیتی رہی لیکن جب آخر کار لڑائی میدان کی ٹھہری تو اس وقت لشکرِ کفار سے ایک شخص عمرو ابن عبدود نام مبارز طلب ہوا لشکرِ اسلام سے کسی کو تاب نہ پڑی کہ ایسے دیوزاد کا سامنا کرے یہ کافر ہزار سوار کے برابر تنِ تنہا سمجھا جاتا تھا خیر جب کوئی بھی لشکرِ اسلام سے نہ نکلا تو حضرت اس سے مقابلے کے واسطے نکلے مگر آنحضرت صلعم نے روکا اور لشکرِ اسلام کی طرف متوجہ ہو کر تین بار فرمایا کہ کوئی تم میں سے ہے جو اس کافر کے ساتھ نبرد آزما ہو مگر کسی نے بھی لڑنے کی طرف رخ نہیں کیا تب کچھ اور گفتگو کے بعد جس کی تحریر کی یہاں حاجت نہیں ہے حضرت رسولؐ نے حضرت علیؑ کو عمرو ابن عبدود سے جنگ کی اجازت بخشی شاہ مرداں تو اسی کے منتظر تھے اور اس کے پہلے بھی حضرت رسول کی فرمائش کے بغیر آمادۂ جنگ ہو چکے تھے اس دیو ناپاک کا فوراً مقابلہ کیا وہ کافر بڑا ہی ہیلکتن قوی ہیکل اور نبرد آزما تھا دیر تک شاہ مردان کا سامنا کرتا رہا آخر کار ضربت حیدری سے فی النار والسقر ہوا۔

واضح ہو کہ اس غزوے میں بھی علیؑ کی تلوار نے ویسی ہی حمایت کی جیسا کہ غزوات سابقہ میں کرتی گئی تھی اگر شاہ مردان عوام مسلمانوں کی طرح عمرو ابن عبدود کے مقابلے سے انکار فرما جاتے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار مکہ غالب آتے

اور مدینہ والوں کو چہ مہاجرین وچہ انصار زیروزبر کر ڈالتے اور اسلام جو بحالت صغر سنی میں تھا آغوش عالم سے رخصت ہو جاتا مگر قتل عمر بن عبدود سے اسلام کے بازو قوی ہو گئے اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی اس ملعون کے قتل ہوتے ہی اہل مکہ بے دل ہوئے اور جو قبائل بسرداری ابوسفیان مدینہ پر چڑھ آئے تھے ان میں پھوٹ مچ گئی اور وہ سب کے سب بھاگ نکلے جاننا چاہیئے کہ جناب امیرؑ کی اس خدمت اسلام کی نسبت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ علیؑ کی خندق کے دن کی لڑائی میری تمام امت کے اعمال سے کہ وہ قیامت تک کرے گی افضل ہے یہ حدیث کتاب مدارج النبوۃ ومعارج النبوۃ وکشف الغمہ میں مندرج ہے اور اس کی صحت میں کسی کو انکار نہیں ہے۔

واضح ہو کہ اس غزوے میں بھی غزوۂ بدر وغزوۂ احد کی طرح کسی مہاجر غیر بنی ہاشم نے نہ کسی کافر کو مارا اور نہ مارا گیا مارا جانا تو درکنار کسی کو خراش بھی نہیں لگی صرف چھ شخص انصار شہید ہوئے اور کفار سے بھی صرف تین نفر مارے گئے یہ فتح مسلمانوں کو بغیر بہت کشت وخون کے نصیب ہوئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ شاہ مردان نے قتل عمر بن عبدود سے لشکر کفار میں ایک بڑا تہلکہ ڈال دیا جس کے باعث مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے اور تاب مقاومت نہ لا سکے۔

جنگ خیبر سن ہفتم ہجری میں جنگ خیبر واقع ہوئی خریق مخالف اس میں یہودیان خیبر تھے خیبر یہودیوں کا ایک قلعہ مرتب اس کا

سردار اور اس کا بھائی حارث بھی اسی کی طرح ایک مشہور پہلوان مرد میدان تھا الغرض دونوں بھائی بڑے مشہور شجاع تھے اور ظاہرا ان کا کوئی ہم نبرد دکھائی نہیں دیتا تھا زمانۂ جنگ میں رسول اللہؐ مبتلائے درد شقیقہ تھے اس لئے خیمے میں تشریف رکھتے تھے مگر لشکر اسلام میدان جنگ میں تین روز پے در پے جایا کیا اور ہر بار شکست کھا کھا کر واپس آیا کیا تینوں روز لشکر اسلام پر یہ گزرا کیا کہ جو مجاہد اسلامی لشکر یہود سے مقابلہ کرنے کے واسطے جاتا حارث اسے شہید کر ڈالتا جب اس طرح دو آدمی شہید ہو جاتے پھر کوئی مسلمان مقابلے کا قصد نہیں کرتا یہ بلے اہر وئی لشکر اسلام کو تین روز سے نصیب ہو رہی تھی روز لشکر اسلام یہودیوں کے حق پلے کر جاتا اور کمال ذلت کے ساتھ خیمہ گاہ کو بھاگ آتا حضرت امیرؑ وقت انگی لشکر اسلام مدینہ میں جوش چشم کے باعث رہ گئے تھے اور باسباب ظاہر جنگ و پیکار کے قابل نہ تھے مگر غضب سے باوجود لاحق رہنے اس شکایت کے بہ تقاضائے حمایت رسول اللہؐ و بخیال نصرت اسلام لشکر خدا میں حاضر آئے واقعی ایمان اور حمیت اسلام اسے کہتے ہیں سبحان اللہ حالت مرض میں بھی مفارقت رسول اللہؐ گوارا نہ فرما سکے نصرت دین خدا کی نظر سے مدینہ سے خیمہ گاہ رسول اللہؐ تک چلے ہی آئے مگر ان تینوں دنوں میں کسی دن شریک کارزار نہ ہو سکے جب تیسرے دن بھی لشکر اسلام شکست کھا کر بھاگ آیا تب رسول خداؐ نے فرمایا کہ کل صبح کو ہم علم لشکر اسلام اس شخص کو دیں گے جو کرار غیر فرار ہے۔

یعنی جو سخت بہادر ہے اور بھاگنا نہیں جانتا اور جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں نہیں لوٹے گا وہ جب تک کہ خدا اس کے ہاتھ پر فتح نہ دے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ حدیث نبوی یہ ہے لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یَرْجِعُ اَلَّا یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ اس ارشاد رسولؐ اللہ کو سن کر بہت لوگ امیدوار علم ہوئے مگر حضرتؐ نے وہ علم اس شخص کو بخشا جس کی شجاعت کا امتحان جنگ بدر و احد و خندق وغیرہ میں ہو چکا تھا اور جو اس وقت تک دین خدا کو نباہی سے برابر بچاتا چلا آیا تھا غرض صبح کو حضرت رسول صلعم نے حضرت علیؑ کی جوش کہ وہ آنکھوں پر لب مبارک لگایا جس سے جوش کی تکلیف جاتی رہی اور علم موعود مرحمت فرما کر اجازت جنگ بخشی اس کے بعد بحکم خدائے عزوجل یہ رباعی پڑھی نادِ علیاً مظہر العجائب الخ شاہ مردان نے میدان جنگ میں پہنچ کر مرحب اور حارث دونوں کافروں کو بڑی شجاعت شعاری کے ساتھ واصل جہنم فرمایا در خیبر کو اکھاڑ ڈالا اور قلعہ خیبر کو آن کی آن میں فتح کر لیا غلامان شاہ مردان اس بات پر غور فرمائیں کہ بلا تائید ایزدی ایسے ایسے اہم کام انسان ضعیف البنیان سے انجام نہیں پا سکتے بلاشبہ شاہ مردان مؤید من اللہ تھے اگر تائید غیبی شامل حال بالکمال نہ ہوتی ایک فاقہ کش روزہ دار نفس کش شخص سے ایسے ایسے حیرت انگیز قوت اور شجاعت کے کام ظہور میں نہ آتے۔ وہ شخص جو جو کی روٹی کھاتے عبادت خدا میں جسم کو گھلائے وہ میدان جنگ میں ہر بار لشکر کفار کو تہ و بالا کر ڈالے عمر ابن عبدود ایسے دیو پیکر کافر کو

کشتی میں دے مارے مرحب اور حارث ایسے پہلوانان نامی کو دم کے دم میں فی النار کرے اور اس پر تماشا یہ کہ سات سو من کے دروازے کو اکھاڑ ڈالے اور پھر ایسی وزنی شے سے کہ جس کے اٹھانے کے واسطے ستر آدمی درکار ہوں ہاتھ میں لے کر سپر کا کام لے۔ اے اہل انصاف بتایئے کہ کیا ایسے ایسے کام تائید ایزدی کے بغیر انجام پا سکتے ہیں اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شاہ مردان کا درِ خیبر کو اکھاڑنا جس کے صدمے سے خود قلعہ خیبر کو لغزش ہوئی تھی ایک امر تاریخی ہے لیلیٰ مجنوں کی کہانی نہیں ہے زنہار زنہار یہ افسانہ نہیں ہے یہ محض واقعہ ہے وہ مورخین بھی جو مخالفین اسلام سے ہیں اس عجب انگیز معاملے کو بہ حیثیت مورخ درج تصنیف کرتے ہیں چنانچہ واشنگٹن ایرونگ (Washington Irwing) اپنی کتاب تاریخ میں اس واقعے کا ذکر مورخانہ طور پر کرتا ہے پس تعجب ہے اگر نئی روشنی والے حضرات اس حیرت خیز کارروائی کو قصے اور فسانے پر محمول کریں یا اشخاص متعصب اس سے چشم پوشی کریں راقم کی دانست میں اس معاملے کے حق ہونے میں وہی گفتگو کرے گا جو پیغمبر خدا پر ایمان نہیں لایا ہو کا ہے واسطے کہ حضرت رسولؐ نے جب حسب وہی خدا شاہ مردان کو مظہر العجائب والغرائب فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور پھر اس قول نبویؐ پر یقین نہیں رکھتا تو وہ داخل اسلام شمار نہیں کیا جا سکتا ہے اب حضرات ناظرین غزوہ حنین کے معاملے پر نظر توجہ فرمائیں یہ آخری لڑائی تھی جو درمیان لشکر اسلام اور کفار قریش کے واقع ہوئی اس

جنگ حنین جنگ کی حقیقت یہ ہے کہ بعد فتح مکہ اکثر قبائل عرب نے رسول اللہ کی اطاعت اختیار کی الا قبیلہ ہائے ہوازن و ثقیف جنہوں نے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ میدان حنین میں رسول اللہ سے مقابلہ کیا ہر چند مسلمانوں کے افراد کم نہ تھے مگر چونکہ دشمنوں نے دھوکے سے ان پر حملہ کیا تھا مہاجرین و انصار دونوں رسول اللہ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے میدان جنگ میں قائم رہ جانے والے ایک قول کے مطابق کل نو شخص اور دوسرے کے مطابق صرف چار تھے یہ چار شخص حضرات علی مرتضیٰ عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو سفیانؓ اور عبداللہؓ تھے ان چار شخصوں کے نام ان نو شخصوں کی روایت میں بھی دیکھے جاتے ہیں خیر جس وقت مہاجرین و انصار بھاگے جاتے تھے پیغمبر خدا نے فرارین کو غیرت دلانے کی نظر سے یا اصحاب السمرہ کہ کر پکارا اس کے سننے سے سو آدمی کے قریب انصار وغیرہ سے لوٹے اور پھر جنگ گاہ میں حاضر آئے فرارین کے اصحاب السمرہ کے لقب سے پکارے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اکثر لوگ بیعت الرضوان میں شامل تھے بیعت الرضوان کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بیعت اس وقت میں ہوئی تھی کہ جب رسول اللہ عمرہ کے ارادے سے بطرف مکہ تشریف لے گئے تھے اور مطلب اس بیعت کا یہ تھا کہ اہل اسلام جہاد میں پوری کوشش کریں گے جہاد سے کبھی منہ نہ موڑیں گے اور تمام تر رسول اللہ کے مطیع رہیں گے اور چونکہ یہ بیعت الرضوان ایک درخت کے نیچے وقوع میں آئی تھی اس واسطے اسے بیعت تحت الشجرہ بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ نے اسی لئے مفرورین کو غیرت دلانے کے واسطے اصحاب السمرہ کے

لقب سے پکارا یعنی اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو. جاننا چاہیئے کہ سُمرہ ایک قسم کا درخت ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ درخت جس کے نیچے یہ بیعت ظہور میں آئی درخت سُمرہ تھا. الغرض جب کچھ بھاگے ہوئے لوگ میدان جنگ میں مجتمع ہو آئے تو لڑائی شروع ہو گئی ہنگام جنگ ابو جرول نامی ایک پہلوان لشکر کفار سے رجز خوانی کرتا ہوا نکلا اور مبارز طلب ہوا لشکر اسلام سے کسی نے بھی اس کے مقابلے کا قصد نہیں کیا اس کی تنومندی اور بہادری کے رعب میں سب کے سب گرفتار ہو گئے. مگر ذو الفقار شاہ لافتیٰ نے اس دشمن خدا کو سیدھے وہاں روانہ کر دیا. جہاں اس کے پہلے عمرابن عبدود مرحب اور حارث اور دیگر سرکشان کفار پہنچائے جا چکے تھے اس لڑائی میں کفار نے شکست فاش اٹھائی. اور ان کے مقتولین کا عدد ستر ہے ان میں سے چالیس نفر دست خاص شاہ مردان سے فی النار ہوئے اور بقیہ کو انصار وغیرہ نے مارا کسی مہاجر غیر بنی ہاشم کے ہاتھ سے ایک کافر کا قتل ہونا بھی کتب تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا ہے. واضح ہو کہ اس لڑائی میں خلاف عادت انصار بھی فرار ہو گئے اور جو شریک جنگ ہوئے وہ وہی اشخاص تھے جو رسولؐ اللہ کے غیرت دلانے سے لوٹ آئے حضرات مہاجرین غیر بنی ہاشم کا فرار تو ایک معمولی امر تھا مگر ان کے فرار سے زیادہ توجہ طلب خاندان بنی امیہ کی حاضری جنگ ہے قبیلہ بنی امیہ کے بیشتر حضرات جو نئے مسلمان ہوئے تھے میدان جنگ میں حاضر تھے مگر لشکر اسلام سے الگ کھڑے ہو کر لڑائی کے تماشے دیکھ

رہے تھے اور مسلمانوں کی مصیبتوں پر ٹھٹھا کے لگا رہے تھے جیسا کہ بالا میں رقم ہوا ہے اس لڑائی میں بنی امیہ کے سردار حضرت ابو سفیانؓ بھی حاضر تھے مگر خس برابر بھی ان حضرت نے رسولؐ اللہ کی اعانت نہیں فرمائی الگ سے اپنے عزیزوں کی طرح تماشائے جنگ دیکھتے اور قہقہے مارتے رہے حضرت نئے مسلمان ہوئے تھے اور یہ پہلا امتحان آپ کے اسلام قبول کرنے کا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص فتح مکہ کے وقت مجبوراً مسلمان بنا تھا مصرع ؎

کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو

اس نے جب دیکھا کہ اسلام غالب آگیا اور دین خدا سے اب مقاومت کی تاب نہیں رہی ناچار دین اسلام کو قبول کر لیا اگر یہ شخص دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو اس جنگ میں صرف لڑائی کے تماشے نہیں دیکھا کرتا اور یوں قہقہے نہیں لگاتا رہتا اگر دل سے مسلمان ہوا ہوتا تو مجاہدین مومنین کی طرح اعانت دین خدا کرتا اور رسولؐ اللہ کا ساتھ دیتا اس کے اس انداز سے خواہاں تھا اور اسلام ہزیمت کا منتظر تھا مگر چشم بد اندیش کو دباد فتح نصیب اسلام ہوئی اگر اس برعکس کوئی معاملہ ظہور میں آتا تو یہ طلیبیسی مسلمان مبارکباد کے لئے قبیلہ ہائے ہوازن وثقیف کی طرف دوڑ لگاتا واقعی بنی امیہ کا مسلمان کہلانا یک طرفہ معاملہ ہے، حقیقت حال یہ ہے کہ ابو سفیان اور اس کے لوگ خاصے منافق تھے ظاہراً مغلوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے یہ قبیلہ ہر پہلو سے قابل نفرت نظر آتا ہے اگر یہ قبیلہ نہ ہوتا تو بدر و احد اور خندق کی لڑائیاں زنہار وقوع میں نہ آتیں چین سے مذہب اسلام اشاعت پاتا اور اس قدر

بہادران اسلام کی جانیں بے سبب تلف نہ ہوتیں ابوسفیان اور اس کے والوں نے اسلام کی بیخ کنی کا کوئی درجہ اٹھا نہیں رکھا ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو خدائے تعالیٰ معین اسلام نہ بنائے ہوتا تو ظاہرا اسلام کی حفاظت اور اشاعت کی کوئی صورت پیدا نہ تھی علاوہ فتنہ انگیزیوں کے اس قبیلے کے اخلاقی مذہبی اور تمدنی امور بہت کچھ پایۂ تنزل کو پہنچے ہوئے تھے ایسے قبیلے سے ہر راست باز آدمی کو کراہت کا پیدا ہونا تمام تر مقتضائے فطرت ہے پس پیغمبر خدا صلعم کو اس قبیلے کے ساتھ کراہت بے سبب نہ تھی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام بھی رسول اللہ کی اس کراہت سے تمام تر واقف تھے اور چونکہ آپ رسول مقبول صلعم کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے بعد وفات آنحضرت صلعم کے بھی قبیلہ بنی امیہ سے کبھی مرابطت پیدا نہیں کی چنانچہ جب حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی اور خلافت کا انتظام ہو گیا تب حضرت ابوسفیانؓ غرض خاص سے جناب امیر کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ اے علیؑ تم چپ رہ گئے اور معاملہ خلافت طے پا گیا اگر تم کہو تو ہم صحرائے مدینہ کو سواران مکہ سے بھر دیں اور انتظام خلافت کو درہم برہم کر دیں اس جناب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیانؓ تم ایام جاہلیت میں فتنہ انگیزی کیا کرتے تھے اور اب مسلمان ہو کر بھی اپنی عادت فتنہ انگیزی سے باز نہیں آتے یہ جواب پا کر حضرت ابوسفیانؓ نے اپنی راہ لی اور جس طرف بہبود کی صورت نظر آئی اس طرف کو سدھارے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت امیرؑ کا یہ جواب بڑی مصلحت اور دور اندیشی سے خبر دیتا ہے

اس واسطے کہ ارباب واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضؓ قبیلہ بنی امیہ کے سردار تھے یہ قبیلہ رسول اللہ کے عہد میں برابر ناکامیابیاں اٹھاتا رہا تھا اور اس قبیلے کو بڑی مضرتیں خود حضرت علی کی تلوار سے پہنچا کی تھیں جیساکہ غزوات بدر احد اور خندق کے معاملات سے آشکارا ہے ایسی حالت میں یہ قبیلہ نہ رسولؐ خدا اور نہ آل رسولؐ خدا کا کسی طرح دوست ہو سکتا تھا اگر رسولؐ اللہ کی دوست داری اس قبیلے کو مدنظر ہوتی تو جنگ حنین میں ابوسفیان صاحب اپنے عزیزوں کے ساتھ مسلمانوں کی مصیبتوں کے تماشے دیکھتے اور ٹھٹھا کے لگاتے؟ پس حضرت ابوسفیان نے جو جناب امیرؑ کے انتظام خلافت کو درہم برہم کر دینے میں مستعدی دکھلائی ہرگز یہ بات خوش نیتی پر مبنیٰ نہ تھی الغرض جناب امیر فوراً سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارے ذریعے سے مجرد اپنے کو اور اپنے قبیلے کو نفع پہنچانا چاہتا ہے اسے مطلق ہماری اور ہمارے قبیلہ بنی ہاشم کی منفعت مدنظر نہیں ہے اس لئے اسے جناب مرتضیٰؑ نے اس طرح کا جواب دیا جس سے اس کا ایک مفسد شخص ہونا ظاہر ہوتا ہے. ظاہر ہے کہ ابوسفیانؓ کو شخص مفسد سمجھ کر جناب امیرؑ نہ اس کے مشورے پر عمل کر سکتے اور نہ اس کی اعانت کو جائز رکھ سکتے تھے پس اسے ایسے جواب کے سوا کیا دوسرا جواب دیتے علاوہ اس کے حضرت علیؑ خوب جانتے تھے کہ حضرت رسول مقبولؐ قبیلہ بنی امیہ سے کراہت رکھتے تھے پس آپ ابوسفیان رضؓ سے کیونکہ میل جول پیدا کر سکتے تھے اگر حضرت امیرؑ ابوسفیان رضؓ سے لطف مرابطت پیدا کر لیتے

تو حضرت کا یہ برتاؤ حضرت رسولؐ خدا کے برتاؤ سے خلاف پڑتا بلکہ رسولؐ اللہ کی پالیسی کے مغایر واقع ہونا پوشیدہ نہیں ہے کہ رسولؐ اللہ کی یہ ایک بڑی عمدہ پالیسی تھی کہ قبیلہ بنی امیہ جو ایک سرکش اور مفسد قبیلہ تھا ہمیشہ مغلوب رہے چنانچہ بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ ایک مدت دراز میں یہ قبیلہ مغلوب کیا گیا تھا اگر حضرت امیرؑ ابو سفیانؓ کے مشورے کو سن لیتے تو یقیناً مرضی رسولؐ اللہ کے خلاف آپ کی یہ کارروائی ہوتی مگر جناب امیرؑ جو ہمیشہ تبعیت رسولؐ اللہ کو فرض سمجھتے تھے اور مرضی آنحضرت صلعم کے خلاف عمل کرنے کو کفر جانتے تھے کیونکر ایسا کام کر سکتے تھے جس میں بنی امیہ کی قوتوں کے عود کرنے کا گمان قوی لاحق تھا فی الواقع اگر ابو سفیانؓ کے مغالطے میں حضرت امیرؑ آجاتے تو آپ پر دو سخت الزام عائد ہوتے اوّل تو یہ کہ جس قبیلے سے رسولؐ اللہ کو کراہت تھی اس کے سردار سے آپ نے موافقت اور مرابطت پیدا کی دوئم یہ کہ جس قبیلے کو رسولؐ اللہ ضعیف اور کمزور کر چکے تھے اسے سرِ نو سے آپ نے قوی اور پُر زور کر دیا ظاہر ہے کہ جب جناب امیرؑ ابو سفیانؓ سے اعانت قبول فرماتے تو اس کے معاوضے میں ابو سفیانؓ کو بلاد اسلام کی کچھ نہ کچھ حکومت عطا فرمانے ایسی صورت میں ابو سفیانؓ سے بر سر احتراز رہ کر جناب امیرؑ نے نہ صرف اپنے کو ان دونوں الزاموں سے بچایا بلکہ اس الزام سے بھی اپنے کو محفوظ رکھا جو ابو سفیانؓ اور قبیلہ بنی امیہ کی حکومتوں کے حاصل کرنے کی بنیاد یہ صورت پذیر ہوتا ہے الحق ابو سفیانؓ اور اس کے قبیلے کا سرِ نو سے قوی ہو جانا خاص کر خاندانِ

پیغمبرؐ کے واسطے کچھ بھی اچھا نہ ہوا اس قبیلے کے سر نو سے قوت حاصل کرنے کے تاریخی حالات قابل ذکر ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ جب حضرت علیؑ نے اعانت ابوسفیانؓ کے قبول کرنے سے انکار فرمایا تو ابوسفیانؓ حضرت علیؑ سے دست بردار ہو کر اپنے طور پر حصول حکومت کی فکریں کرنے لگے اور اپنی کارستانیوں سے ملک شام کی حکومت حاصل کر لی اور یہ بھی حق حاصل کر لیا کہ جس قدر ملک اطراف شام میں مسلمان فتح کریں ان کا چہارم حصہ ان کو ملا کرے الغرض جب ابوسفیان صاحب نے حکومت شام حاصل کر لی تب انھوں نے فرمایا کہ میں پیر ہو گیا ہوں میں مکہ سے باہر جانا پسند نہیں کرتا شام کی حکومت پر ان کا بڑا صاحبزادہ یزید ابن ابوسفیان بھیجا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا صاحبزادے کے حاکم شام ہوتے ہی مردمان بنی امیہ جو پریشان حال ہو رہے تھے شام کو روانہ ہو گئے اور تھوڑے عرصے میں اپنی سابق قومی قوتوں کے اعتبار سے بھی وہ چند زیادہ قوی ہو گئے شام کا سارا ملک زیر حکومت بنی امیہ ہو گیا شام میں چھوٹے سے بڑے عہدے پر بنی امیہ ہی سرفراز دکھائی دیتے تھے کہیں بنی ہاشم کی صورت پر نظر بھی نہیں پڑتی تھی بنی ہاشم کا شام میں کسی عہدے پر بحال ہونا تو محض خلاف توقع تھا جب دارالخلافت مدینہ میں ایک کس بنی ہاشم پانچ روپے کی نوکری کا بھی نظر نہ آتا تھا الغرض جو کچھ تاوان قبیلہ بنی امیہ عہد رسول اللہ میں اٹھاتا گیا تھا اس کی بھاری تلافی اس قبیلے کے لئے فوراً رسولؐ اللہ کی رحلت کے بعد ہو گئی لہٰذا جاننا چاہیئے کہ شام کی حکومت پر صرف چار برس یزید ابن ابی سفیان

قائم رہ کر مر گئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت معاویہؓ ان کے جانشین بنائے گئے آپ اپنے برادر متوفی سے بمراحل قابل تر تھے آپ کے عہد حکومت میں قبیلہ بنی امیہ کی قوت حشمت شوکت وغیرہ وغیرہ احاطہ بیان سے باہر معلوم ہوتی ہے آپ بہت عرصے تک حاکم شام رہے اور اس قدر صاحب قوت و ثروت ہو گئے کہ جب اپنے عہد خلافت میں حضرت علی بن ابی طالب نے آپ کو معزول کرنا چاہا تو آپ معزول نہ ہو سکے اور خلیفۂ وقت سے برابر مقابلہ فرماتے رہے بلکہ خلیفۂ وقت کو کثرت جنگ سے اتنی فرصت نہ دی کہ وہ خلافت کے اور کسی کام کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کر سکیں خلافت حضرت علی بن ابی طالب کا زمانہ صرف چار برس اور چند ماہ تھا اس کے بعد امام حسنؓ خلیفہ ہوئے چھ مہینے کے اندر حضرت امامؓ کو خلع خلافت کی نوبت آئی اس عجیب معاملے کے بعد مدینہ کی جگہ دمشق ہی دار الخلافت ہو گیا واضح ہو کہ بعد رسول اللہؐ کے بنی ہاشم ضعیف تو ہوتے ہی چلے گئے تھے مگر اس خلع خلافت سے ان کی رہی سہی وجاہت میں پورا زوال آ گیا اور بنی امیہ ہر طرح سے منتہائے ثروت دینوی کو پہنچ گئے کیا تعجب ہے کہ وہ قبیلہ جس سے رسولؐ خدا صلعم کو کراہت تھی اور جس کو بڑی کوششوں سے آنحضرتؐ اپنے عہد میں مغلوب و مجبور فرما گئے تھے آپ کی رحلت کے ساتھ زور پکڑنے لگا اور رفتہ رفتہ تمام تر مالک اور حاکم تمام بلاد اسلام کا ہو گیا اور بنی ہاشم جو رسولؐ اللہ کا قبیلہ تھا اور جس کی عظمت مسلمانوں پر فرض تھی مغلوب و مجبور ہو گیا

خیر جب حضرت معاویہؓ خلع خلافت کے بعد خلیفہ وقت قرار پائے حضرت اپنی قوت کے برقرار رکھنے میں برابر کوشاں رہے بلکہ اس کی بھی حضرت نے بڑی کوششیں فرمائیں کہ خلافت حضرت ہی کی نسل میں رہ جائے چنانچہ اس خیال سے حضرت نے استخلاف فرمایا اور اپنے صاحبزادے کی بیعت کے معاملے میں کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا بنی ہاشم تو ضعیف ہو ہی چکے تھے مگر اس قبیلے کے دو سردار یعنی امام حسنؓ اور امام حسینؓ ابھی تک زندہ تھے جن کی طرف سے حضرت کو اطمینان حاصل نہ تھا تھوڑے عرصے میں امام حسنؓ کی طرف سے تو اطمینان حاصل ہو گیا۔ یعنی امام حسن علیہ السلام زہر پاکر شہید ہو گئے یہ حادثہ خود حضرت معاویہؓ کے عہد میں واقع ہوا اور اس واقعے کی نسبت ابوالفدا شاہ حمات اپنی تاریخ المختصر فی احوال البشر میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ کے مسموم کئے جانے کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے زہر دلوایا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت کے صاحبزادے یزید ابن معاویہؓ نے زہر دلوایا خیر جو امر صحیح ہو آپ کے مسموم کئے جانے سے دو سرداران بنی ہاشم میں سے ایک کی طرف سے تو خرخشے کا احتمال جاتا رہا اور حضرت کی اس اطمینان یابی کی نسبت صاحب تاریخ الخمیس لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؓ کی شہادت کی خبر دمشق میں حضرت کے پاس پہنچی تو حضرت نے اظہار خوشی فرمایا تب حضرت کی بہن فاختہ نے کہا کہ اے معاویہؓ تو سبط رسول اللہؐ کی موت پر خوش ہوتا ہے تب حضرت نے فرمایا کہ میں سبط رسول اللہؐ کے مرنے پر اظہار فرح نہیں کرتا

مگر اس خبر سے میرے دل کو راحت نصیب ہوئی لاریب امام حسنؓ کی رحلت
حضرت کے واسطے بڑی طمانیت کی صورت ہوئی مگر اب کلبی ایک کس
سردار بنی ہاشم یعنی امام حسینؓ علیہ السلام رہ گئے تھے اور چونکہ یہ امامؓ تمام
اپنے باپ حضرت علی شیر خدا کی طرح صاحب شجاعت تھے ان کی جانب سے
دغدغہ لگا ہوا تھا مگر اس امامؓ عالی مقام کا خاتمہ عہد حضرت معاویہؓ میں مقدر
نہ ہوا تھا اس لئے آپ کی شہادت حضرت کے صاحبزادے کے وقت میں
واقع ہوئی۔ المختصر خاندان رسول اللہ کے گرفتار مصائب ہونے کا سبب
قبیلہ بنی امیہ کا سر نو سے نشو و نما پانا واقع ہوا ہے اگر اس کو سر نو سے
قوت حاصل کرنے کا موقع نہ ملتا تو خاندان رسول اللہ اور بنی ہاشم کو اس
قدر مصیبتیں لاحق نہ ہوتیں واقعی حضرت علیؓ نے بڑی دور اندیشی کی راہ اختیار
کی تھی جو حضرت ابوسفیانؓ کی مستعدی اعانت اور ترغیب دہی کی طرف
توجہ نہ فرمائی ورنہ خاندان رسولؐ مقبول اور بنی ہاشم کی مضرت یابیوں کا
الزام خود حضرت علیؓ پر عائد ہوتا یہ بات روشن اور ہویدا ہے کہ اگر حضرت علیؓ بن
ابی طالب حضرت ابوسفیانؓ کی امداد اور اعانت کو قبول فرما لیتے تو اس
کے صلے میں حضرت علیؓ کو حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرنا
پڑتا ضرور تھا کہ منصب وزارت حضرت ابوسفیان کو تفویض فرماتے جس کے
ذریعے سے پھر قبیلہ بنی امیہ کو ثروت کی صورت پیدا ہو جاتی صاحب اختیار
ہو کر حضرت ابوسفیانؓ اور قبیلہ بنی امیہ وہی سب کام کرتے جو صاحب
ثروت اور صاحب اختیار ہو کر بر ابر کرتے گئے البتہ خاندان رسولؐ مقبول

اور بنی ہاشم کو حضرت ابو سفیانؓ اور قبیلہ بنی امیہ کے صاحب ثروت اور صاحب اختیار ہونے سے اس حالت میں کوئی ضرر نہ پہنچتا کہ جب یہ لوگ خاندان رسولؐ اور بنی ہاشم کے سچے دوست دار ہوتے جیسے رسولؐ آلِ رسول اور بنی ہاشم کے یہ لوگ دوست دار تھے اس کی حقیقت جنگ حنین میں ظاہر ہو چکی تھی امر حق یہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ اور ان کے قبیلے والے ہمیشہ سے دشمن رسولؐ خدا و جمیع بنی ہاشم چلے آئے تھے۔ حضرت ابو سفیان نے حضرت علیؑ بن ابی طالب کو امداد و اعانت کی مستعدی خلوص و اتحاد کی بنیاد پر نہیں دکھلائی تھی اس اظہار ہمدردی میں تمام تر ذاتی غرض پنہاں تھی جس کو حضرت علیؑ خوب سمجھتے تھے اس لئے حضرت نے ایسا جواب دیا کہ حضرت ابو سفیانؓ نے مایوس ہو کر نیل مرام .... کی نظر سے دوسری جانب رخ فرمایا اور پورے طور پر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ بڑے مدبر آدمی تھے حضرت نے یہ سوچا تھا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب کو ساتھ لے لینے میں ایک بڑی ظاہر داری رہ جاتی ہے مگر حضرت امیرؑ نے تمام تر بے رخی دکھلائی جس سے وہ جناب رسولؐ اللہ کی اس کراہت کے شریک رہے جو آنحضرتؐ کو قبیلہ بنی امیہ کے ساتھ تھی اور ان الزامات کے عائد ہونے سے بھی محفوظ و مامون رہے جو قبیلہ بنی امیہ کے سر نو سے اختیار و قوت حاصل کرنے کے نتائج صریح نظر آتے تھے

۴۔ ۵۔ آپ کے لئے آفتاب نے رجعت کی جیسا کہ حضرت یوشعؑ کی دعا پر آفتاب ٹھہر گیا تھا آفتاب کا دعائے حضرت یوشعؑ پر ٹھہر جانا توریت میں مندرج

ہے اسی طرح رجعت آفتاب بہ روایت صحیح ثابت ہے طحاوی کی کتاب کتاب مشکلات الحدیث میں بہ روایت اسماء بنت عمیس اور بھی کتاب منتقی میں یہ حدیث مندرج ہے اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب ازالۃ الخفا کے مقصد دوم میں شرح وبسط کے ساتھ درج کیا ہے صاحب تاریخ الخمیس حسن ابن محمد ابن حسن دیار بکری نے بھی اسے داخل کتاب تاریخ مذکور کیا ہے اس حدیث کا منکر صرف ابن جوزی نظر آتا ہے ابن جوزی دوست دار شاہ ولایت مآب نہ تھا اس کا انکار قابل اعتبار نہیں ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر معجزہ رجعت خورشید علیؑ کے لگاؤ سے نہ ہوتا تو یہ شخص اس حدیث کو موضوع قرار نہیں دیتا مگر دشمنان حضرت علیؑ یا نیجریوں کے انکار سے شان مرتضوی میں کچھ دھبا نہیں لگ سکتا ع چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند ؛ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب ؛؛

بہر حال رجعت خورشید کا یہ معاملہ ہے کہ ایک دن رسول اللہؐ پر وحی آرہی تھی اور سر مبارک رسول اللہؐ کا حضرت علیؑ کی گود میں تھا اور اتنی دیر تک رہا کہ غروب آفتاب ہو گیا اور حضرت علیؑ کی نماز عصر قضا ہو گئی جب نزول وحی ہو چکا تب جناب رسولِ خدا صلعم نے پوچھا کہ اے علیؑ تم نے نماز عصر پڑھی ؟ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ نہیں پس آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے میرے خدا علیؑ تھا تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں پس پھیر دے تو آفتاب کو اسماء بنت عمیس جو راویہ ہیں اور یہ وہ راویہ ہیں جو بقول آنحضرت صلعم قطعی جنتی ہیں کہتی ہیں کہ ہم نے آفتاب

کو غروب ہو جاتے دیکھا تھا اور پھر ہم نے اسے طلوع ہوتے دیکھا اور
اس کی روشنی زمین اور پہاڑ پر پھیلتی دکھائی دی حضرات ناظرین اس حدیث
سے حضرت علیؑ بن ابی طالب کا بڑا درجہ معلوم ہوتا ہے اوّل تو وقت نزول وحی
سر مبارک آنحضرت صلعم کا حضرت علیؑ کی گود میں تھا دوّم یہ کہ جب آنحضرت صلعم
نے رجعت خورشید کی دعا فرمائی تو یہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے خدا علیؑ
تھا تیری اور تیرے رسولؐ کی طاعت میں سوّم یہ کہ حضرت علیؑ کی نماز ایک ایسی اہم
شے متصور تھی کہ اس کے واسطے رجعت خورشید ظہور میں آئی اس جگہ پر
حضرات مسلمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ حدیث بالا سے نماز کی بڑی
ضرورت ظاہر ہوتی ہے جو حضرات مسلمان ہو کہ نماز کو ایک غیر قابل توجہ امر
سمجھتے ہیں وہ اس حدیث پر نظر غور ڈالیں تب ان کو معلوم ہوگا کہ نماز
کیا ضروری شے ہے اگر نماز کوئی ضروری شے نہ ہوتی تو پیغمبر خدا صلعم ایک
غیر ضروری شئے کے لئے رجعت خورشید کی دعا نہیں فرماتے۔ واضح ہو کہ
اس وقت میں کچھ ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں
ترکہ وغیرہ مسلمانوں کی طرح بانٹتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ معاشرت
رکھتے ہیں اس کے ساتھ یہی نہیں ہے کہ نماز کاہلی سے نہیں پڑھتے بلکہ نماز
کو ایک شے حقیر اور قابل نفرت جانتے ہیں ایسے حضرات کو لازم ہے کہ
حدیث کو بغور ملاحظہ فرمائیں تب ان کو از روے اسلام کے پابندی
نماز کی حاجت معلوم ہوگی اپنے کو مسلمان کہنا اور ترک نماز پر اصرار
عجب مضمون ہے یہ امر بات ہے کہ کوئی مسلمان نماز کا پابند نہیں ہے

مگر جو بالقصد تارک صلوٰۃ ہے وہ صلوٰۃ کو ایک بے حقیقت شے سمجھتا ہے وہ کیونکہ دعویٰ اسلام کر سکتا ہے بلاشبہ نماز کا مکلف ہر ایسا مسلمان ہے جو اس قدر حواس رکھتا ہے کہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتا ہے اگر کوئی شخص دیوانہ ہے یا منکر اسلام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو نماز کی فرمائش نہیں کی جا سکتی ہے مگر جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے اور اس اقرار کے ساتھ روٹی مکھن پلاؤ قلیہ سماع رقص نیل عطر پان حال قال عرس مولود مجرا ناچ شال دوشالہ کوٹ پتلون گاڑی گھوڑے بنگلہ کوٹھی تجارت معاش اجارہ ٹھیکہ مدعی مدعا علیہ اور تمام دنیا کے امور کے مطلب کو سمجھتا ہے اور ان سے متمتع ہوتا ہے تو انکار صلوٰۃ کے ساتھ مسلمان نہیں ہو سکتا بلاشبہ ایسا شخص مرتد یا زندیق ہے اور تمام تر دائرۂ اسلام سے خارج ہے یہ تو حالت ان اشخاص کی ہے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یا مسلمان ہونے کا دھوکا خلق خدا کو دیتے ہیں ان کے علاوہ ایک فرقہ ایسے لوگوں کا ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے مگر معجزات سے انکار رکھتا ہے ایسے لوگوں کے نزدیک شق القمر یا صحت خورشید یا جذامی کا صحت پانا وغیرہ امور غیر فطرتی متصور ہیں ایسے حضرات معجزات سے انکار اس بنیاد پر رکھتے ہیں کہ معاملات فطرت کے خلاف کوئی امر ظاہر نہیں ہو سکتا ہے یعنی خرق عادات کوئی شے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حضرات بے حد تنگ چشم اور کم بین ہیں ان لوگوں نے اسی کو معاملۂ فطرت سمجھ لیا ہے جس قدر ان کے ذہن کو ادراک کی وسعت

حاصل ہوتی ہے ان کے ادراک وفہم سے جو بات باہر ہوتی ہے وہ ان کے نزدیک داخل احاطۂ فطرت نہیں ہوتی مگر اس جگہ اور معجزات انبیا علیہم السلام کو چھوڑ کر صرف رجعت خورشید کو مبحث گردانتا ہوں حضرات ناظرین راقم کی تقریر ذیل پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں

معجزات حضرات انبیا علیہم السلام کی نسبت منکرین معجزات برابر یہی کہتے چلے آتے ہیں کہ معجزہ کوئی شے نہیں ہے اس واسطے کہ معجزہ ایک امر غیر فطرتی یعنی خلاف نیچر ہے پس جو امر غیر فطرتی یا خلاف نیچر ہوتا ہے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا ظاہرا یہ قول ایک غیر باخبر سامع کو قرین پذیرائی معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول قلّت تدبر سے خبر دیتا ہے جیسا کہ عند التحقیق ثابت ہوتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ قول تب ہی صحیح سمجھا جا سکتا ہے جب تک معجزات حضرت انبیا علیہم السلام کے محالات عقلیہ سے مان نہ لئے جائیں ظاہرا ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات منکرین نے معجزات انبیا کو محالات عقلیہ سے سمجھ لیا ہے حالانکہ جتنے معجزے انبیا کے درج کتب ہیں وہ بلا استثنائے احدے سب کے سب امکانی پہلو رکھتے ہیں ایک بھی ان سے ایسا نظر نہیں آتا ہے کہ محال عقلی کا حکم رکھتا ہو فقیر کی اطلاع میں کسی نبی کی طرف کوئی ایسا معجزہ منسوب نہیں کیا گیا ہے جس کے ممکن الوقوع ہونے میں کسی معقولی کو عذر ہو سکتا ہے البتہ جتنے معجزے بیان کئے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے وقوع ہم لوگوں کے ہر روزہ کے تجربۂ فطرت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن

محالات عقلیہ کا حکم نہیں رکھتے حضرات انبیاؑ کے معجزے کتابوں میں پڑھے جاتے ہیں ایک بھی ان سے ایسا نہیں ہے کہ ہندسہ کے علوم متعارفہ یا دیگر مقدمات یقینیہ یا اولیات کے خلاف ہو مثلاً کوئی معجزہ ایسا نہیں بیان کیا جاتا ہے فلاں نبی نے کل سے جز کو اعظم کر کے دکھایا ہے لاریب کسی نبیؐ سے محالات عقلیہ کے خلاف کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا ہے اور نہ ایسا کوئی معجزہ سنا جاتا ہے جس کے وقوع سے کسی مقدمہ یقینیہ کے وجوب وکلیت میں ذرا بھی فساد لاحق ہوا ہو ایسی صورت میں حضرات نیچریہ کا انکار معجزہ پر اصرار اگر قلت تدبّر نہیں ہے تو کیا ہے اب ہم معجزہ رجعت خورشید کی نسبت یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ معجزہ محالات عقلیہ سے کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے کوئی منکر معجزہ ہمیں بتا دے کہ یہ معجزہ ہندسہ کے کس علوم متعارف یا کس مقدمہ یقینیہ کے خلاف پایا جاتا ہے اس معجزے میں سوا امکانی پہلو کے وجوب کا پہلو نظر ہی نہیں آتا ہے البتہ جو کچھ اس معجزے کے خلاف میں کہا جاسکتا ہے وہ اس قدر

اس کا وقوع روزانہ کے معاملہ فطرت کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا ہے یعنی جس قدر منکر کو معاملہ فطرت کا تجربہ حاصل ہے اسکے خلاف اس معجزہ کا وقوع معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اسقدر بھی معجزات تجربہ ہائے منکرین کے خلاف نہ ہوا کرتے تو پھر معجزات معجزات کیوں کہلاتے حضرات ناظرین غور فرمائیں کہ رجعت خورشید کی نسبت جو کچھ اعتراض منکرین معجزات وارد کر سکتے ہیں وہ اسقدر ہے کہ ہم لوگ ہر روز آفتاب کو ڈوبتے دیکھتے ہیں مگر اسے رجعت کرتے نہیں دیکھتے اور چونکہ یہ بات خلاف فطرت ہے اس لئے ایسا

کوئی معجزہ پیغمبر خدا صلعم سے ظہور میں نہیں آیا تھا ایسے اعتراض سے ظاہر ہے کہ معترضین نے رائے بالا کے قائم کرنے کے وقت محال و ممکن کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا تھا ورنہ نہ بہار ایسی غیر معقولانہ رائے قائم نہیں کرتے جا ہے لحاظ ہے کہ آفتاب کا ڈوب کر رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا وغیرہ وغیرہ محالات عقلیہ سے نہیں ہے یہ بخوبی ممکن ہے کہ کسی خاص سبب سے آفتاب ڈوب کر رجعت کرے یا ایک جگہ کسی وقت تک ٹھہر جائے یا مشرق کے عوض مغرب سے طالع ہو۔ ایسے وقوع نہ بہار احاطۂ امکان سے باہر نہیں ہیں ایسے وقوع ہم لوگوں کے لئے حیرت انگیز اس لئے معلوم ہوتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے تجربہ کے احاطہ تک کے اندر ایسے وقوع سے اطلاع نہیں رکھتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر ہم کسی شخص سے جو علم الافلاک سے خبر نہیں رکھتا ہے یہ کہیں کہ چار ہزار برس پہلے جو تارا اس وقت ہم لوگوں کا قطب شمالی ہے قطب شمالی نہ تھا اس وقت کا قطب شمالی وہ تارا تھا جس کا نام ثعبان (Thuban) ہے تو وہ ہمارے اس قول کو اپنے تجربۂ ذاتی کی بنیاد پر صحیح نہیں مانے گا اسی طرح سیکڑوں انقلابات سماوی کی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں جن کے سامنے آفتاب کا رجعت کرنا یا آفتاب کا ٹھہر جانا یا آفتاب کا مشرق کے عوض مغرب سے طلوع کرنا کوئی شے ہی نہیں ہے خدا جانے دنیا کب سے ہے مگر جس قدر صرف چار ہزار برس کے اندر کے انقلابات سماوی ظہور میں آئے ہیں وہ کیا کم حیرت افزا ہیں بہر سبب انقلابات شکل امکان رکھتے ہیں ان کو محالات عقلیہ سے وہی سمجھے گا جو

محال و ممکن کی تمیز نہیں رکھتا ہو گا پس حضرات منکرین کا رجعت خورشید سے انکار کوئی معقول پیرایہ نہیں رکھتا ہے اس سبب سے عالی نظروں کے قابل توجہ بھی نہیں ہے اسی منوال پر دیگر معجزات انبیا علیہم السلام کو بھی قیاس کرنا چاہیے اور جاننا چاہیئے کہ جتنے معجزات ظہور میں آئے ہیں وہ احاطۂ امکان سے باہر نہ تھے اس لئے وہ سب خلاف فطرت بھی نہیں کہے جا سکتے ہیں البتہ معترضین کے احاطۂ تجربہ کے اندر ان کی گنجائش نہیں دیکھی جاتی ہے مگر یہ امر خود تقاضائے معجزہ کے مطابق ہے کس واسطے کہ اگر معجزات کو ایسی گنجائش ہوتی تو معجزہ معجزہ نہ ہوتا۔

۵۵۔ آپ کو اسد اللہ یعنی شیر خدا اور ید اللہ کا خطاب ملا اس امتیاز کے حاصل ہونے کی یہ صورت ہوئی کہ شب معراج آنحضرت صلعم نے ایک مقام پر ایک شیر دیکھا حضرت نے اپنی انگشتری اس شیر کے منہ میں ڈال دی پھر مقام حجاب قوسین پر خیبر پہنچ کھانے میں جب ایک ہاتھ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نمایاں ہوا تو وہی انگشتری اس ہاتھ میں موجود تھی جب صبح شب معراج کو حضرت نے حضرت علیؑ کو دیکھا تو وہی انگشتری دست علی میں دیکھی اس سبب سے آپ کا لقب ید اللہ اور شیر خدا قرار پایا تنگ چشم اس واقعہ سے چشم پوشی کریں تو کریں مگر حضرت علیؑ کے ید اللہ اور شیر خدا کے ملقب ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے جو حوالہ رقم کی گئی۔ عربی فارسی اور اردو کے لٹریچر میں یہ ہر دو لقب امیر المومنین کے اکثر دیکھے جاتے ہیں کچھ نہیں تو ان زبانوں کے لٹریچر کے تقاضوں کے خیال سے بھی اس کی توجیہ قابل توجہ ہے جناب شاہ نیاز صاحب فرماتے ہیں

زہے عز و جلالی بوتراب فخر انسانی علی مرتضیٰ مشکلکشائے شیر یزدانی

استاد ناسخ کا شعر ہے

بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب　　دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا

۵۶۔ آپ کو بحکم خدا آنحضرت صلعم نے خرقۂ معراج عنایت فرمایا اس خرقے کے مرحمت ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ صفت ستاری میں یکتا تھے اس صفت کے صلے میں اس خلعت سے آپ سرفراز فرمائے گئے۔ لمؤلفہ

خدا کیونکہ نہ دیتا خرقۂ معراج حضرت کو　　گنہگاروں کے عیبوں کو ہمیشہ آپنے ڈھانکا

۵۷۔ شب معراج میں آنحضرت صلعم نے عرش پر لکھا دیکھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ اَیَّدْ نَاہُ بِعَلِیٍّ یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور محمدؐ کے مددگار علیؑ ہیں شیخ

ناسخ فرماتے ہیں

آج مولا ہے جناب حیدر کرار کا　　ہو گیا بازو زبردست احمد مختار کا

جناب شمس العلما مولانا محمد سعید صاحب عظیم آبادی نور اللہ مرقدہ کا مطلع ہے

جوہر نصرت عیاں از تیغ ابروئے علی　　شد قوی دین نبی از زور بازوئے علی

(۵۸) آپ قائل قول سلونی تھے۔ ملا جامی شواہد میں لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ جس کا جو جی چاہے سوائے عرش کی بات کے مجھ سے پوچھے میرے سینے میں علم کثیر ہے اس لعاب دہن رسول اللہ کی بدولت جسے ہم نے ذائقہ کیا تھا۔

(۵۹) آپ نے فرمایا کہ ہم بندۂ خدا برادرِ رسول خدا اور وارث رسول خدا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ ہم ناکح سیدۃ النسائیت رسول اللہ اور سید الاوصیا

اور خاتم الاوصیا ہیں اور ہم وہ ہیں کہ ہمارے سوا جو ان فضائل کا دعویٰ کرے اس کو خدائے تعالیٰ مبتلائے بلا کریگا کذا فی الشواھد

۶۰۔ آپ نے ایک دیر کے قریب چشمہ نکالا اس پر دیر کے راہب نے آپ سے پوچھا کہ آپ نبی یا فرشتہ ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں وصی پیغمبر آخرالزمان کا ہوں تب اس راہب نے ایمان لاکر یہ کلمہ پڑھا اشھد ان لا الہ اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ و اشھد ان علی وصی رسول اللہ یہ بھی حضرت جامی کی شواہد میں مندرج ہیں۔

۶۱۔ آپکا وصی رسول اللہ ہونا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے قول سے بھی ثابت ہے۔ **رباعی** علیٌّ حُبّہٗ جُنّہ ؛ قسیم النار والجنہ ؛
وصیُّ مصطفیٰ حقاً ؛ امام الانس والجنہ ؛

۶۲۔ آپ راہ ہدایت بتانیوالے اور گمراہی سے بچانے والے ہیں۔ حاکم نے کتاب مستدرک میں زید ابن ارقم سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے مَنْ یُرِیْدُ اَنْ یَّحْیٰی حَیٰوتِیْ وَیَمُوْتَ مَمَاتِیْ وَیَسْکُنَ جَنَّۃَ الْخُلْدِ الَّتِیْ وَعَدَنِیْ رَبِّیْ فَلْیَتَوَلَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَاِنَّہٗ لَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ ھُدًی وَّلَنْ یُّدْخِلَکُمْ فِیْ ضَلَالٍ یعنی جو شخص چاہے جینا ہمارے جینے کے ساتھ اور مرنا ہمارے مرنے کے ساتھ اور رہنا اس بہشت میں کہ جس کا وعدہ مجھ سے میرے رب نے کیا ہے تو چاہیے اس کو کہ تولا کرے علی بن ابی طالب سے کہ وہ تم کو نہ نکالے گا ہدایت سے اور نہ داخل کرے گا گمراہی میں۔

۶۳۔ آپ کا دوست رکھنے والا بہشتی اور آپ کا جھٹلانے والا جہنمی ہے

حاکم مستدرک میں عمار بن یاسر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا یا علی طوبیٰ لِمَن احبکَ وصدّق فیک وویلٌ لمن ابغضک

۶۴- آپ کی نسبت رسولؐ اللہ کو وحی ہوئی کہ سید المومنین اور امام المتقین اور قائد الغرّ المحجلین ہیں عبداللہ ابن عباس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا اوحیٰ الیّ فی علیّ ثلاث انہ سید المومنین وامام المتقین وقائد الغرّ المحجلین

۶۵- آپ کا منہ دیکھنا عبادت ہے مستدرک میں حاکم عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا النظر الیٰ وجہ علیّ عبادۃ -

۶۶- آپ بروز قیامت حامل لواء الحمد ہوں گے اور تمام انبیاء اس کے نیچے ہو کر چلیں گے اور وہ لوا آپ کے سر پہ تاج کی طرح چمکیگا۔ دیکھو کتاب معارج النبوت۔

۶۷- آپ کو گالی دینی رسولؐ اللہ کو گالی دینی ہے کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے باب مناقب علیؑ میں بروایت اُمّ سلمہ یہ حدیث مندرج ہے قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سبّ علیاً فقد سبّنی رواہ احمد۔ واضح ہو کہ شخص ناواقف کو ایسی حدیث کے سننے سے وحشت کا پیدا ہونا خلاف توقع نہیں ہے یعنی وہ ضرور خیال کر سکتا ہے کہ علی ایسے آدمی کو جو بہ نفس نفیس ایک قابل احترام اور واجب عزت آدمی تھے اور بھی ایک قریب رشتہ مند رسول کے تھے کوئی کیوں گالی دینے لگا مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ایک مدت دراز تک حضرت علیؑ مورد لعن و دشنام رہے ہیں رسول اللہ صلعم کو بہ حیثیت رسول ضرور اس

امر کی اطلاع تھی کہ لوگ حضرت علیؑ کو گالیاں دیں گے اس واسطے ایسا قول ارشاد فرما گئے
ظاہر ہے کہ عہد رسول اللہ میں کسی کو اس قدر جرأت کہاں تھی کہ حضرت علیؑ کو گالی دے
سکتا اور امر واقعی بھی یہی ہے کہ سبّ و شتم آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ظہور
میں آئے۔ سبّ علیؑ کے موجد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے حضرت
ممدوح صرف خود ہی نہیں سبّ علی فرماتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس کارِ خیر
پر امادگی دلاتے تھے چنانچہ حضرت ممدوح کی تبعیت میں اس دشنام دہی کا طریقہ
خوب جاری ہوا اور کیوں نہ جاری ہوتا جب حضرت ممدوح اپنے عہد کے
امیر المومنین اور خلیفہ برحق تھے حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کو حضرت علیؑ کے سبّ پر اس قدر اصرار تھا کہ حسب تحریر ابوالفدا و دیگر مصنفین
جب امام حسن علیہ السلام نے حضرت ممدوح کو نامہ صلح لکھا تو منجملہ اور شروط کے
یہ شرط بھی حوالۂ قلم کی کہ حضرت علیؑ کو بُرا نہ کہا کرو مگر حضرت امیر المومنین معاویہ
رضی اللہ تعالیٰ نے اس شرط کو قابل پذیرائی نہ سمجھا ناچار تب امام حسن علیہ السلام
نے یہ کہا کہ جس مجلس میں مجھ کو پاؤ میرے سامنے حضرت علیؑ کو گالی نہ دو بہرکیف
یہ شرط قبول ہوئی۔ خیر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو رائے شریف ہو
رسول اللہ صلعم حضرت علیؑ کی دشنام دہی کو عین اپنی دشنام دہی سمجھتے تھے جیسا کہ خدمت
بالا میں حوالۂ قلم ہوا۔

۴۸۔ آپ ہمیشہ مورد مراحم نبویؐ رہے مگر مواقع ذیل میں حضرت رسول خدا
نے خاص طور پر آپ کی عزت بخشی فرمائی اور ایسے الفاظ استعمال فرمائے جن سے
آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری جمیع مومنین پر فرض نظر آتی ہے۔

موقع اول :۔ قبل ہجرت آنحضرت صلعم نے اپنے تمام اہالیان خاندان کی دعوت فرمائی بعد فراغ طعام کے آنحضرت صلعم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں عام لوگوں پر مبعوث ہوا ہوں لیکن تم لوگوں پر بالخصوص اور اس قوم کا جو طور میرے ساتھ ہے اسے تم دیکھتے ہو اب تمھیں لازم ہے کہ میرے ساتھ میرے بھائی ہونے کی بیعت کرو۔ اس جماعت سے اس کام کے واسطے کوئی نہ اٹھا مگر حضرت علی مرتضیٰ ہرچند صغیر سن تھے فوراً اٹھے رسول اللہ صلعم نے آپ کو ہٹ جانے کو فرمایا بعد ازاں آنحضرت صلعم نے اسی قول کا تین بار اعادہ فرمایا لعدہر بار حضرت علی مرتضیٰ ہی اٹھا کئے تب آنحضرت صلعم نے اپنے دست مبارک کو آپ کے ہاتھ پر مارا اور یہ کلمہ ارشاد فرمایا وَرِثْتُ ابْنَ عَمِّیْ دُوْنَ عَمِّیْ یعنی اپنا وارث کیا میں نے اپنے چچیرے بھائی کو اور نہیں اپنے چچا کو۔ اسی قصے کی حدیث کو بروایت ربیعہ بن ماجہ کتاب الخصائص میں نسائی نے درج کیا ہے اور اس قصے کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور ابو الفدا مورخ نے بھی اس دعوت کے قصے کو اپنی کتاب تاریخ المختصر فی احوال البشر میں حوالہ قلم کیا ہے یہ مورخ لکھتا ہے کہ اس دعوت میں آنحضرت صلعم نے اپنے اہالیان خاندان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہوگا تب کسی نے کوئی جواب نہ دیا الا حضرت علی مرتضیٰ نے جنھوں نے بڑی خوشی کے ساتھ عرض کی کہ میں آپکا بھائی وصی اور خلیفہ ہوں گا اس پر آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے فرمایا کہ تو میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے

موقع ۲ :۔ آپ کو آنحضرت صلعم نے روز ہجرت ادائے امانات اہل مکہ کے لئے

اپنا نائب مقرر فرمایا اور خاص اپنے بستر پر سلوایا اور اپنا کپڑا اڑھایا اس قائم مقامی کا شرف آپ کے واسطے ایک عظیم امر نظر آتا ہے۔

موقع ۳ :۔ جس سال بیعت الرضوان ظہور میں آئی اسی سال قریش کے کچھ لوگ بعض غلاموں کو واپس لینے کی نظر سے رسولؐ اللہ کے پاس آئے رسول اللہ نے ان سے فرمایا کہ اے گروہ قریش خدا کی قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر ایک مرد مبعوث کرے گا جس کے ایمان قلبی کا اللہ تعالیٰ امتحان کر چکا ہے البتہ یہ شخص تم کو دین پر چلائے گا اور بعضے کو تم سے مارے گا جب اصحاب رسولؐ اللہ صلعم نے اس شخص کی نسبت آنحضرت صلعم سے پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ شخص یہ ہے کہ جو اس وقت جوتا مرمت کر رہا ہے یہ اشارہ آنحضرتؐ کا حضرت امیرؑ کی طرف تھا اس وجہ سے کہ آنحضرت صلعم نے آپ کو اپنا جوتا مرمت کرنے کو دیا تھا اور آپ نعل شریف کو مرمت کر رہے تھے۔

موقع ۴ :۔ آنحضرتؐ نے بوقت تبلیغ سورہ برات حضرت علی مرتضیٰؑ کو بحکم خداوند تعالیٰ اپنا قائم مقام کر کے مکہ کو روانہ فرمایا اور آپ نے سورۂ برات کے احکام سنائے کتاب اعلام الوریٰ اور حبیب السیر وغیرہ میں روایت ذیل درج ہے ولکن الامین ھبط الیّ عن اللہ عزوجل بانہ لایودی عنک الا انت او رجل منک وعلیؑ منی وھو اخی ووصیی ووارثی وخلیفتی فی اھلی وامتی بعدی یقضی دینی ولایودی عنی الا علی **ترجمہ** ۔لیکن جبرئیلؑ مجھ پر اس حکم کے ساتھ نازل ہوئے کہ اے محمدؐ نہیں کوئی ادا کرے حق کرے گا تجھ سے الا تو یا کوئی مرد جو تجھ سے ہو اور حال یہ ہے کہ علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے اور میرا

وصی ہے اور میرا وارث ہے اور میرا خلیفہ ہے میرے گھر میں اور میری امت میں اور میرے بعد میرے دین کو چلائے گا اور کوئی شخص ادائے حق مجھ سے نہ کہے گا. الا علی - اس معاملۂ تبلیغ کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں ذکر فرمایا ہے۔

موقع ۵ :- ایک بار آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو سردار عرب فرمایا چنانچہ مستدرک میں بروایت حضرت عائشہؓ حدیث ذیل مندرج ہے اور ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے. عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہم ادعوا لی سید العرب فقلت یا رسول اللہ الست سید العرب قال انا سید ولد آدم و علی سید العرب

ترجمہ :- حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ سردار عرب کو میرے پاس بلاؤ تو میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ سردار عرب نہیں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں سردار اولاد آدم ہوں اور علیؑ سردار عرب ہے۔

موقع ۶ :- پیغمبر خدا صلعم نے آپ کو سید المومنین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین فرمایا یہ القاب آپ کے لئے مختص ہیں۔

موقع ۷ :- پیغمبر خدا صلعم نے آپ کو یہ فرمایا کہ تو میرے بعد ہر مومن اور مومنہ کا امام و سردار ہے ازالۃ الخفا میں یہ حدیث بروایت حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مندرج ہے اور وہ حدیث یہ ہے قال لہٗ ای لعلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت ولی کل مومن من بعدی و مومنۃ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں ولی کے معنی سوا سردار اور امام کے دوست

نام محبوب وغیرہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اس واسطے کہ من بعدی کا لفظ ان میں بے کسی معنیٰ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

موقع ۸ :۔ ایک بڑے مجمع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب منشہ دل دہی یہ فرمایا کہ کسی کا دروازہ مسجد نبوی میں سوائے علی مرتضیٰؑ کے دروازے کے کھلا نہیں رہے۔ اس کی تعمیل کی گئی اور یہ امر بہت اشخاص کے لئے موجب حسد ہوا۔ کتاب جذب القلوب میں یہ قصہ مندرج ہے اور اس کی حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے اسی طرح رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے علیؑ یہ مسجد میرے اور تیرے سوا کسی شخص جنب پر حلال نہیں ہے پھر آنحضرت صلعم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس طرح دی کہ حکم خداوندی صادر ہوا کہ اے موسیٰؑ تو ایک مسجد پاک بنا اور اس میں۔۔ سوا تیرے اور ہارونؑ اور پسران ہارونؑ کے کوئی شخص ساکن نہ ہو۔

موقع ۹ :۔ پیغمبر خدا نے ایک بار جناب امیرؑ کو اپنا نائب اور قائم مقام اس طرح مقرر فرمایا کہ آپ کے سر پر دستار اپنے دست مبارک سے باندھی پھر آپ کو اپنے شتر پر سوار کر کے کفار کی جانب روانہ فرمایا اور وقت روانگی یہ ارشاد زبان مبارک پر لائے کہ اگر ایک شخص بھی علی مرتضیٰؑ کے ہاتھ پر ایمان لائے گا تو وہ دنیا و مافیہا سے افضل ہو گا اس کے ساتھ آنحضرتؐ نے یہ دعا بھی بحق علی مرتضیٰؑ فرمائی کہ اللھم ثبت لسانہ واھد قلبہ اور آپ کی منقبت میں اقضاکم علیؑ ارشاد فرمایا دیکھو جناب شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کی مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۲۲۹ و ۲۳۰)۔

موقع ۱۰:۔ جب ملک یمن کے غنائم کی نسبت حضرت خالدؓ بن ولید نے لوگوں کو ترغیب دے کر شکایت علیؑ کی نظر سے رسولؐ خدا کے پاس بھیجا تو غصے سے آنحضرت صلعم کا چہرہ سرخ ہو گیا صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ اس وقت آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ کی شان میں گمان بد نہ کرو اس لئے کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ ولی تمہارا ہے جس شخص کے ہم مولا ہیں اس کا علی مولا ہے. ولی اور مولا سے صاف صاف مراد حاکم ہے. یعنی اس کے حکم میں کسی مسلمان کو سرتابی نہیں چاہئے کس واسطے کہ جیسے ہم تم لوگوں کے حاکم ہیں ویسا ہی علیؑ تم لوگوں کا حاکم ہے پس مال غنائم کی تقسیم میں اس کا جو حکم ہے تم لوگوں کو اس کے حکم میں شکایت کی مجال نہیں ہے۔

موقع ۱۱ جب رسول خدا صلعم تبوک کو تشریف لے جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے جناب امیرؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مدینہ میں مقرر فرمایا حضرت علیؑ کے واسطے یہ امر نہایت موجب فخر کا تھا مگر منافقوں نے عداوت سے یہ مشہور کرنا چاہا کہ رسول خدا صلعم کو آپ کی طرف سے کدورت لاحق ہو گئی ہے اس لئے آپ کو مدینہ میں چھوڑ کر تبوک کو تشریف فرما ہوتے ہیں حضرت علیؑ نے بحضور رسولؐ خدا عرض کی کہ حضور مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ مقرر فرماتے ہیں حالانکہ میں نے پانچ لڑائیوں میں کبھی تخلف نہیں کیا۔ اس پر رسولؐ اللہ نے حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کی مثال دی اور فرمایا کہ تم میرے نزدیک ایسے ہو جیسا کہ ہارون موسیٰؑ کے لئے تھے اور یہ مثال اس قصے پر مبنی ہے کہ جب حضرت موسیٰ میقات پر تشریف لے گئے تھے تو حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے اس قصے کے متعلق جو حدیث ہے وہ ذیل میں عرض کی

جاتی ہے۔ اخرج البخاری عن مصعب بن سعد عن ابیہ ان رسول اللہ صلعم خرج الی تبوک واستخلف علیا فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء قال الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی مدارج النبوۃ میں اس حدیث کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے داخل کرتے ہیں لاریب یہ حدیث حضرت علی مرتضیٰ کے بڑے علو مرتبہ سے خبر دیتی ہے مگر جو معاندین علی ہیں اور جو تنقیص شان مرتضوی میں کوشاں رہتے ہیں ان کا قول ہے کہ اس حدیث سے کوئی خاص عزت شاہ ولایت مآب کی ثابت نہیں ہوتی ہے اس واسطے کہ رسول خدا صلعم نے آپ کو اپنے اہل و عیال پہ خلیفہ مقرر فرمایا تھا عام اہل مدینہ پر خلیفہ نہیں مقرر فرمایا تھا اول تو اہل عناد کا یہ قول خود ہی لغو ہے اس واسطے کہ رسول اللہ نے جب ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ کی مثال بیان فرمائی تو آپ کا جمیع اہل مدینہ پہ خلیفہ ہونا ظاہر ہو گیا دوم یہ کہ جب آپ اہل و عیال رسول اللہ پہ خلیفہ بنائے گئے تو عوام اہل مدینہ کیا شے ہیں جن پر آپ کے خلیفہ ماننے جاننے میں کوئی عذر کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معاندین کے خیال میں اہل و عیال رسول اللہ عوام اہل مدینہ سے افضل و اشرف نہ تھے تب ہی تو ایسی لنگڑی عذر داری پیش کی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا اہل بیت و عترت رسول اللہ کی قدر دانی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ تعصب آدمی کو اندھا کر دیتا ہے۔ اللھم احفظنا من ذٰلک

موقع ۱۳: سنہ ہجری میں جناب رسول خدا صلعم نے منادی فرمادی

کہ آنحضرت صلعم حج کو تشریف لے جانے کو ہیں جس شخص کو شریک حج ہونا منظور ہو مدینہ میں آئے اور ہمرکاب جناب رسالتمآب کے چلے بہ خبر پاکر ہزاروں آدمی قبائل عرب سے حاضر ہو گئے اور رسول خدا صلعم ایک مجمع کثیر کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف فرما ہوئے جناب امیرؑ یمن میں تھے آپ بھی اس ملک سے روانہ ہو کر مکہ میں رسول خدا صلعم کے حضور میں پہنچے حضرت رسول خدا نے مناسک حج ادا فرمائے ایک خطبہ بھی نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ پڑھا اس خطبے میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اب وفات میری بہت نزدیک ہے اور قریب ہے کہ فرستادہ خدائے عزوجل آئے اور میں لبیک کہوں پس میں اپنے بعد تم لوگوں میں دو چیز عالی قدر چھوڑتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے بڑی ہیں اور وہ آپس سے جدا نہ ہوں گی تاوقتیکہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں اگر تم لوگ ان کی پیروی کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک ہو گے تو ہرگز گمراہی میں نہ پڑو گے اور وہ دو چیز عالی قدر قرآن مجید اور میرے اہلبیت ہیں ترمذی جابرؓ سے جو حدیث روایت کرتے ہیں وہ یہ ہے عن جابر قال رایت رسول اللہ صلعم فی حجۃ یوم العرفۃ وھو علیٰ ناقۃ القصویٰ یخطب فسمعتہ یقول یا ایھا النّاس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی یعنی حضرت جابرؓ روایات کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ کو حج میں بروز عرفہ درحالیکہ آنحضرت اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار تھے اور خطبہ فرما رہے تھے پس ہم نے رسول خدا صلعم کو یہ کہتے سُنا کہ اے لوگو ہم نے بہ تحقیق تم لوگوں میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو پکڑو گے تو ہرگز

گمراہ نہ ہو گے یعنی قرآن اور میرے اہل بیت یہ حدیث سعد ابن وقاص سے بھی مروی ہے اور تحفہ اثنا عشریہ میں بھی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اس حدیث کو اس طور پر مندرج فرماتے ہیں۔ انی تارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ وعترتی اسی طرح جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا میں اس حدیث کو درج کیا ہے اور یہ حدیث صحیح و متواتر ہے اور کسی کو اس حدیث کی صحت میں جائے گفتگو نہیں ہے بہر حال جب حج سے رسولؐ خدا نے فراغت پائی تو آنحضرتؐ نے مدینہ کو معاودت فرمائی راہ میں جس وقت مقام خم غدیر کو پہنچے کہ ذی الحجہ کی اٹھارھویں تاریخ تھی اور ظہر کا وقت تھا جبرئیل امین یہ خطاب رب العزت سے لائے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے رسولؐ پہنچا دے اس پیغام کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے پس اگر تو یہ نہیں کرتا ہے تو گویا ہماری رسالت کی تبلیغ نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے اس وحی کے نازل ہونے پر آنحضرت صلعم وہاں ٹھہر گئے اور لوگوں کو جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ جاننا چاہیے کہ خم غدیر ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں سے مختلف راہیں نکلی ہیں جب معاودت کے وقت رسول اللہ صلعم کے ہمراہیان حج یہاں پہنچے تو بہت سے لوگ مختلف راہوں سے اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے پس رسولؐ اللہ نے ان لوگوں کو بلانے بھیجے

واسطے آدمی بھیجے جب گئے ہوئے لوگ واپس آچکے اور بھی جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے رسول خدا سے آملے تب آنحضرت نے نماز پڑھی اور چار کجاوں کا منبر بنایا اور اس پر چڑھ کر ستر ہزار آدمی کی طرف خطاب کرکے فرمایا الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسہم یعنی آیا تم نہیں جانتے کہ میں بہتر دوست تر و نزدیک تر مومنوں کا ہوں ذات مومنان سے سامعین نے جواب میں عرض کیا۔ بلیٰ صاحب مدارج النبوۃ اس قول نبوی کے یہ معنیٰ بتلاتے ہیں کہ میں مومنوں کو کوئی حکم ایسا نہیں دیتا کہ جو ان کی صلاح و نجات و خیریت دنیا و آخرت کے خلاف ہو بخلاف ان کے نفوس کے کہ ان سے کبھی شر و فساد کا بھی احتمال ہے بعد ازاں آنحضرت نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہوں کہ ایک ان میں سے دوسرے سے بزرگ تر ہے اور وہ قرآن و اہل بیت ہیں ان سے خبردار رہنا اور دیکھنا کہ ان کے ساتھ تم کیا سلوک کرتے ہو اور ان کے حقوق کس طرح ادا کرتے ہو اور یہ دونوں امر میرے بعد ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ وہ مجھ تک حوض کوثر پر پہنچیں۔ اسکے بعد آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا مولا خدا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں۔ اسکے بعد دست علی کو پکڑ کر فرمایا۔ اللھم من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ و دار الحق حیث دار۔ یعنی اے خدا میرے جسکا مولیٰ میں ہوں۔ پس اس کا مولیٰ علی ہے۔ اے اللہ میرے تو دوست رکھ اسکو جو دوست رکھے علی کو اور تو

دشمن ہو اس کا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اس کا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ اس کو جو علیؑ کو چھوڑ دے اور پھیر حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے حضرت امیرؑ کو ایک خیمے میں بیٹھنے کے واسطے حکم دیا تاکہ مومنین آپ کو مولائے مومنین ہونے کی مبارک باد دیں چنانچہ ازواج مطہرات نے آپ کے خیمہ میں جا کر آپ کو مبارک باد دی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان پُرزور لفظوں سے مبارک باد فرمائی بخ بخ یا ابا الحسن لقد اصبحت مولائی ومولا کل مومن ومومنۃ اس خطبہ خم غدیر کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی آج کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارا اور تمام کی تم پر اپنی نعمت اور راضی ہوا میں واسطے تمہارے دین اسلام سے۔ امام احمدؒ ابن حنبل جو ائمہ اربعہ اہل سنت سے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ بعد نازل ہونے آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے رسولؐ اللہ نے فرمایا: الحمد للہ علیٰ اکمال الدین واتمام نعمتہ ورضایہ برسالتی وولایت علیؑ من بعدی یہ قصہ خم غدیر کا حبیب السیر میں بھی مندرج ہے یہ تاریخ فارسی زبان میں ہے معمولی حیثیت کا آدمی بھی اس کو خود دیکھ سکتا ہے واضح ہو کہ اس قصہ غدیر کو صحابیوں کی ایک جماعت کثیر اور تابعین اور محدثین کے ایک گروہ غفیر نے روایت کی ہے اڑہائی سو علمائے شافعی نے بھی حدیث خم غدیر کو حوالہ قلم کیا ہے منجملہ ان کے علامہ مغربی نے ایک نہایت خوب قصیدہ

تہنیت خم غدیر کا منقبت علی مرتضیٰ میں تصنیف فرمایا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے
اوضح بالتاویل ما کان مشکلاً   علیؑ بعلم ناله بالوصیۃ
المختصر یہ معاملہ غدیر کا تاریخ اسلام میں بہت کچھ ممتاز صورت نظر آتا ہے اور
جو اس کے تمام اجزا پر غور کیجئے تو ایک بڑے اہم امر سے خبر دیتا ہے کہ ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا صلعم نے اپنے بعد کا کوئی ضروری انتظام خود اپنے
حین حیات میں انجام کرنا چاہا تھا اور نہ یہاں اتنے بڑے اہتمام سے ایک ایسے
معمولی امر کو مراد نہیں رکھا تھا کہ جس سے اسی قدر ظاہر ہو کہ علیؑ ناصر اور
دوستدار مومنین کے ہیں جیسا کہ شیخ ابن حجر وغیرہ کا قول ہے ارباب انصاف
ملاحظہ فرمائیں کہ اگر رسول اللہ کو اسی قدر بیان کرنا منظور ہوتا کہ علی ناصر اور
دوستدار مومنین ہیں اور ان کے حاکم اور ان کے متصرف بامور دینا و دین
نہیں ہیں تو اس کی کیا ضرورت تھی کہ خدائے تعالیٰ بذریعہ وحی کے رسولؐ
اللہ سے اس موکدانہ طور پر خطاب فرماتا کہ اے رسولؐ پہنچا دے اس پیغام
کو جو نازل کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے پس اگر تو یہ نہیں
کرتا ہے تو گویا میری رسالت کی تبلیغ نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجھ کو
آدمیوں کے شر و فساد سے محفوظ رکھے گا یہاں   یہ جزو آیت واللہ یعصمک
بھی قابل لحاظ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اہل شر و فساد منافقین
وغیرہ سے مطمئن نہ تھے اور ان کی طرف سے فساد کا احتمال غالب تھا اس
لئے اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ سے وعدۂ حفاظت فرماتا ہے پھر اس آیت کے
نازل ہوتے ہی آنحضرتؐ کمیل اس طرح   ہمراہیان حج کو جمع فرماتے اور

پالان شتر سے منبر بنا کر اس پہ چڑھتے اور ان سے یہ سوال فرماتے کہ آیا ہم تم لوگوں سے ان روئے تمہارے نفسوں کے اچھے یا نزدیک تر یا دوست تر ہیں پھر ان سے جواب میں قول بلیٰ پا کر کتاب اللہ اور اپنی عزت کے متمسک ہونے کی تاکید فرماتے پھر خدا کو اپنا مولیٰ اور اپنے کو تمام مومنین کا مولا بنا کر دست علیؑ کو پکڑتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ اے خدا میرے جس کا مولا میں ہوں پس اس کا مولیٰ علیؑ ہے اے اللہ میرے تو دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور تو دشمن ہو اس کا جو دشمن ہو علیؑ کا اور تو مددگار ہو اس کا جو مددگار ہو علیؑ کا اور تو چھوڑ اس کو جو چھوڑے علیؑ کو اور تو پھیر حق کو ساتھ علیؑ کے جس طرف وہ پھرے اگر ان تمام اہتمامات سے مراد خدا و رسولؐ اسی قدر تھی کہ علی مجرد ناصر و دوستدار مومنین کہے جائیں تو دنیا میں کسی نبی یا کسی بادشاہ یا کسی حاکم یا کسی مدبر نے ایسی فضول کارروائی نہیں کی ہے اس پہ طرہ یہ ہے کہ جب کلمات بالا آنحضرت صلعم بحق علی مرتضیٰؑ فرما چکے تب آپ نے تہنیت کی ہدایت فرمائی اور امہات مومنین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ادائے مبارک باد فرمائی اور بقول امام حنبل علیہ الرحمۃ بعد نازل ہونے آیت الیوم اکملت لکم دینکم کے خود رسول اللہ صلعم نے ادائے سپاس الٰہی کے طور پر یہ فرمایا الحمد للہ علی اکمال الدین واتمام نعمۃ ورضائہ برسالتی وولایت علی من بعدی ظاہر ہے کہ یہ مبارک بادیاں اور یہ ادائے سپاس صرف اتنی بات کی بنیاد پر ظہور میں نہیں آئی تھیں کہ حضرت علیؑ کی ناصر یا دوستدار مومنین ہیں دنیا و دین دونوں میں حق پسندی انسان کے لئے

ایک نہایت مفید امر ہے حضرات ناظرین با تمکین اس قصے کے تمام اجزا کو ملحوظ رکھ کر اپنی رائے قائم فرمالیں اس سے زیادہ راقم الحروف اور کیا گزارش کر سکتا ہے ۔

واضح ہو کہ مناقب علی علیہ السلام میں جن آیات قرآنی و احادیث نبویؐ و دیگر معاملات سیر و تاریخ کو فقیر نے بالا میں عرض کیا ہے اکثر ان میں ایسے ہیں کہ عربی و فارسی و اردو کے لٹریچر میں ان کی طرف حوالات و اشارات ہوا کرتے ہیں مذہبی شاعری میں ان کو بکثرت دخل رہا ہے منقبت کی غزلیں قصیدے مسدس مثنویات رباعیات وغیرہ ان سے خالی نہیں ہوتیں فردوسی سعدی سنائی انوری حافظ جامی مولوی روم ملا محتشم کاشی قاآنی اور دیگر شعرائے نامی و گرامی سبھوں نے کچھ نہ کچھ ان آیات قرآنی احادیث نبویؐ اور دیگر معاملات سیر و تاریخ کو اپنی منقبت نگاریوں میں جگہ دی ہے یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص امور بالا سے ناواقف رہ کر منقبت کی غزلیں قصیدے مسدس مثنویات رباعیات وغیرہ سمجھ سکے ذیل میں راقم ایک اپنی مذہبی غزل درج کرتا ہے جس میں کچھ مضامین ایسے منظوم ہیں کہ جو امور بالا سے تعلق رکھتے ہیں

غزل

مزین ہو بسم اللہ سے مطلع ہے دیوان کا ... الٰہی ہو ادا مجھ سے بیاں ہی حسن قرآن کا
فزوں ادراک سے ہے مرتبہ شاہِ ولایت کا ... اسے سرتاج خالق نے بنایا جن و انسان کا
فقیری میں مجھے بخشا خدا نے اوج سلطاں کا ... گدا مجھکو بنایا آستانِ شاہِ مرداں کا
رولاتا ہے لہو آنکھوں سے غم شاہِ شہیداں کا ... مرے گریہ سے دل ہے پانی پانی ابر باراں کا

نمودِ شکلِ ہستی کن فکاں کی کارسازی ہے
ظہورِ ہر دو عالم ہے اشارہ تیرے فرماں کا

توانائی وہ ہر ناتواں کا دستِ خالق ہے
جو آنکھیں ہوں کھلے کوئی تماشا پیر کنعاں کا

تغافل اس کا رستم کو بنا دے زال سے بدتر
توجہ اس کی بخشے مور کو رتبہ سلیماں کا

تری معراج سے معراج پائی عرشِ اعظم نے
فلک کہتے ہیں جس کو ہے وہ زینہ تیرے ایواں کا

طہارت پنجتن کی آیت قرآں سے ثابت ہے
نجس خود ہے جو منکر ہو کلامِ پاکِ یزداں کا

زہے توقیر و شانِ آستانِ عرش پیرامن
بلا گرداں فلک ہے گنبدِ شاہِ خراساں کا

علیؑ سے تا بہ مہدیؑ بہ امام ہر دو عالم ہیں
ہر اک ان میں ہے حکم حق سے رہبر جن و انساں کا

علی ہے راز دان حق علیؑ ہے ہمزبانِ حق
علیؑ ہے ترجمان حق علی معنی ہے قرآں کا

سرِ خیلِ اماماں ہے امام پاکبازاں ہے
امم کا مقتدی ہے پیشوا ہے اہل ایماں کا

پڑھی نادِ علیؑ جب حکم رب سے سرورِ دیں نے
کھلا جوہر احد میں ذوالفقارِ شاہ مرداں کا

شہا جس دم ترا بحرِ توجہ جوش پر آیا
ہوا غرقِ فنا دم میں عدو موسیٰ عمراں کا

اٹھایا پردہ ظلمت کو تیرے نور نے ورنہ
نہاں تھا خضر کی آنکھوں سے چشمہ آبِ حیواں کا

اٹھا دنیا سے عیسیٰ نام پاکِ مرتضیٰ لیتا
علیؑ نام خدا ہے مومنو ہمنام یزداں کا

ہوا تو حکم حق سے ناخدائے زورقِ نصرت
نہ پہنچا کوئی صدمہ نوحؑ کی کشتی کو طوفاں کا

کیا سجدہ ملائک نے تجھے آدم کی صورت میں
ہوا گمراہی شیطاں کا باعث عذر شیطاں کا

خلیل اللہ کو تیرے کرم نے امن میں رکھا
دکھایا آتشِ نمرود نے جلوہ گلستاں کا

علیؑ کے ہاتھ میں کونین کی عقدہ کشائی ہے
امام جنی و انسی ہے مالک جسم کا جاں کا

ہمارا طائرِ دل ہے کبابِ آتشِ الفت
نہ ہو کیونکر اثر اس میں حدیث طیر بریاں کا

وہ بلبل ہوں کہ باغِ منقبت میں شور ہے اپنا
مرے نغموں سے دم ہے بند مرغانِ خوش الحاں کا

خدا کیونکہ نہ دیتا خرقۂ معراج حضرت کو
گنہگاروں کے عیبوں کو ہمیشہ تو ہی ڈھانکا

نبیؐ سے اے شہِ دیں تو نے پائی دخترِ ذی شاں
کیا حق نے تجھے مورد عطائے تیغ براں کا

ولا تیری نہ ہو جس میں مسلماں ہو نہیں سکتا
مسلماں کا جو معنیٰ ہے وہی معنیٰ ہے سلماں کا

سنا ہے آفتابِ حشر میں گرمی بہت ہوگی
شہا سایہ ملے رمزِ قیامت تیرے داماں کا

بجا ہے گر ائمہ کی ذات پہ نازش کرے دوراں
فلک سے ہے زیادہ مرتبہ تیرے ثنا خواں کا

منتخبات از دیوان امیر المنین علی علیہ السلام

نفی نسبت طینی و مدح علم و دین

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ التِّمْثَالِ اَكْفَاءُ
اَبُوْهُمُ اٰدَمُ وَ اُمُّهُمْ حَوَّاءُ

معنی:- جمیع افراد انسان شکل ظاہری کے اعتبار سے یکساں ہیں باپ سبھوں کے آدمؑ ہیں اور ان کی ماں حواؑ ہیں۔ یعنی تمام انسان جسمی ترکیب کے رو سے برابر ہیں اس واسطے کہ سبھوں کے ماں باپ وہی آدم و حوا ہیں پس تفاخر نسب کوئی شئے نہیں ہے اگر تفاخر کوئی جائز کوئی امر ہے تو اس کا سبب نسب نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ کلام بالا کی عمدگی محتاج بیان نہیں ہے سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

ظاہرا شیخ علیہ الرحمہ کی کہ یما بوستان اور گلستان کا ماخذ دیوان امیر المومنین علیہ السلام معلوم ہوتا ہے جس قدر کلمات حکیمانہ و فلسفیانہ ان کتابوں میں موجود

ہیں وہ سب کے سب اس دیوان میں پائے جاتے ہیں بلاشبہ حضرت شیخ نے مولا علیہ السلام کے اقوال نہایت توجہ کے ساتھ مطالعہ فرمائے ہیں اس لئے ان کتابوں کو ایسی مقبولیت حاصل ہے۔

وَاِنَّمَا اُمَّهَاتُ النَّاسِ اَوْعِيَةٌ مُسْتَوْدَعَاتٌ وَلِلْاَحْسَابِ اٰبَاءُ

معنی:- اور نہیں ہیں آدمیوں کی مائیں الا ظرف کہ جس میں ودیعت نطفہ ہوتی ہے اور احساب کے لئے باپ ہیں۔ یعنی مادران مردم ظروف کی حیثیت رکھتی ہیں ان میں نطفہ سپرد ہوا کرتا ہے مگر حساب نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے اور باپ ہی کا فضل و شرف پایۂ اعتبار رکھتا ہے چنانچہ سیادت کی نسبت بھی باپ ہی کی جانب سے ہوتی ہے ماں کی جانب سے سیادت سے کوئی شخص سید نہیں ہوسکتا ایسے شخص کو فقہا شریف کہتے ہیں سید نہیں کہتے۔

فَاِنْ يَّكُنْ لَهُمْ مِنْ اَصْلِهِمْ يُفَاخِرُوْنَ بِهِ فَالطِّيْنُ وَالْمَاءُ

معنی:- پس اگر انہیں از روئے اصل و نسل کے کوئی ایسی وجہ شرف حاصل ہے جس پر وہ فخر و مباہات کرتے ہیں تو ان کی اصلیت اسی قدر ہے کہ ان کی خلقت مٹی اور پانی سے ظہور میں آئی ہے۔

وَاِنْ اَتَيْتَ بِفَخْرٍ مِنْ ذَوِيْ نَسَبٍ فَاِنَّ نِسْبَتَنَا جُوْدٌ وَ عُلَمَاءُ

معنی:- کسی کو اہل علم کے سوا فضل حاصل نہیں ہے یہ تحقیق کہ اہل علم راہ ہدایت پر ہیں اور جو شخص ان سے طلب ہدایت کرتا ہے اس کے وہ راہبر ہوتے ہیں یعنی اہل علم کے سوا کسی کو شرف حاصل نہیں ہے ذریعۂ فضیلت علم ہے نہ نسب اور نہ اسباب دنیا سے کوئی شے ہے

بنی آدم از علم یابد کمال — نہ از حشمت و جاہ و مال و منال

وَقِيمَةُ الْمَرْءِ مَا قَدْ كَانَ يُحْسِنُهُ — وَالْجَاهِلُونَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ

معنی:۔ اور آدمی کی قیمت وہی ہے جو اس کا علم ہے اور جاہلوں کا طور یہ ہے کہ اہل علم کے دشمن ہیں۔

فَفُزْ بِعِلْمٍ وَلَا تَبْغِي لَهُ بَدَلًا — فَالنَّاسُ مَوْتَى وَأَهْلُ الْعِلْمِ أَحْيَاءُ

معنی:۔ پس چاہیے کہ ہم لوگ شیوۂ علم اختیار کریں اور علم کا بدل نہ ڈھونڈیں اس لئے کہ اشخاص بلے علم مُردوں کے برابر ہوتے ہیں اور اہل علم زندوں کا حکم رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہالت موت کے برابر ہوتی ہے اور جاہل مردہ سے کم نہیں ہوتا۔

تحذیر از مجالست جاہلان و تنفیر از موانست غافلان

وَلَا تَصْحَبْ أَخَا الْجَهْلِ وَإِيَّاكَ وَإِيَّاهُ — فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ أَرْدَى حَلِيمًا حِينَ آخَاهُ

معنی:۔ جاہلوں کے ساتھ صحبت نہ رکھ اور ان سے تمام تر کنارہ رہ اس واسطے کہ جاہلوں کے ساتھ مواخات کرنے سے مرد حکیم کو ہلاکت منتج ہوئی ہے

ز جاہل گریزندہ چوں تیر باش — نہ آمیختہ چوں شکر شیر باش

نہ از دہا گر بود یار غار — ازاں بہ کہ جاہل بود غم گسار

يُقَاسُ الْمَرْءُ بِالْمَرْءِ إِذَا مَا هُوَ مَا شَاهُ — وَلِلشَّيْءِ مِنَ الشَّيْءِ مَقَايِيسُ وَأَشْبَاهُ

معنی:۔ آدمی جس شخص کی ہمراہی کرتا ہے اسی کا سا قیاس کیا جاتا ہے اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ایسی نسبت قیاس و مشابہت ہوا کرتی ہے کہ جس کے ذریعے سے استدلال کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

وَلِلْقَلْبِ عَلَى قَلْبٍ دَلِيْلٌ حِيْنَ يَلْقَاهُ۔

معنی :۔ اور واسطے قلب کے اوپر قلب دیگر کے ہدایت ہے جب کہ قلب قلب سے ملتا ہے یعنی ایک شخص دوسرے کا ملاقی ہوتا ہے تو اس کا قلب دوسرے قلب سے ہدایت پاتا ہے۔

شکایت از روزگارِ غدار و حکایت دوستانِ بے اعتبار

تَغَيَّرَتِ الْمَوَدَّةُ وَالْاِخَاءُ ۔۔۔ وَقَلَّ الصِّدْقُ وَانْقَطَعَ الرَّجَاءُ

معنی :۔ متغیر ہو گئی دوستی اور برادری اور کم ہو گئی راستی اور منقطع ہو گئی امید یعنی نہ دوست دوست نہ برادر برادر رہے دنیا سے راستی جاتی رہی اور اس کے رخصت ہوتے ہی خیر کی امید بھی منقطع ہو گئی۔ لاریب زوال راستی کے بعد پھر خیر کی کیا امید کی جاسکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے یہ شعر اور مابعد کے اشعار بڑی دل شکستگی کی حالت میں ارشاد فرمائے ہیں رنگ کلام تمام تر اظہار آزردگی کرتا ہے خاص کر آخر کا شعر جو آنے والا ہے اور جس میں حضرت نے حقیقت حال کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے یہ آخر کا شعر بد الست فقر شعر اول کے اجمالی مضامین کا مصرح ہے

وَاَسْلَمَنِی الزَّمَانُ اِلٰی صَدِیْقٍ ۔۔۔ کَثِیْرِ الْغَدْرِ لَیْسَ لَهٗ دَعَاءٌ

معنی :۔ اور سپرد کیا مجھے زمانے نے ایک ایسے دوست کو جو نہایت پیمان شکن ہے اور جو رعایت دوستاں ملحوظ نہیں رکھتا۔

سَیُغْنِیْنِی الَّذِیْ اَغْنَاهُ عَنِّیْ ۔۔۔ فَلَا فَقْرٌ یَدُوْمُ وَلَا ثَرَاءٌ

معنی :۔ پس عنقریب وہ کس (یعنی خدا) مجھے اس سے بے نیاز کر دیگا جس نے اسے مجھ سے بے نیاز کر دیا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ بے زری کو مداومت ہے

اور نہ تونگری کو. سبحان اللہ کیا قول ہے حافظ فرماتے ہیں ۔ ؎

چوں نماند دولتِ شبہائے وصل بگذرد ایام ہجران نیز ہم

وَلَیْسَ یَدُ الْحِمَا اَبَدًا نَعِیْمٌ کَذٰلِکَ الْبُؤْسُ لَیْسَ لَہٗ بَقَاءٌ

معنی :۔ اور کسی نعمت کو بقا نہیں ہے اسی طرح کسی سختی کو بھی استمرار نہیں ہے۔

وَکُلُّ مَوَدَّۃٍ لِلّٰہِ تَصْفُوْ وَلَا یَصْفُوْ مَعَ الْفِسْقِ الْاِخَاءُ

معنی :۔ ہر دوستی جو خدا کے لئے ہوتی ہے صافی ہوتی ہے لیکن بھائی چارہ جو فسق و فجور کے لگاؤ سے ہوتا ہے صافی نہیں ہوتا یعنی جو دوستی خالصتہً للہ ہوتی ہے وہی صافی ہوتی ہے اور اسی کو پائداری بھی حاصل رہتی ہے لیکن جو برادرانہ مرالطبت فسق و فجور کے لگاؤ سے پیدا کی جاتی ہے نہ صافی ہوتی ہے اور نہ اس کو استحکام حاصل رہتا ہے۔

اِذَا نَکَرَتْ عَھْدًا مِّنْ حَمِیْمٍ فَفِیْ نَفْسِی التَّکَرُّمُ وَالْحَیَاءُ

معنی :۔ جب کوئی اقارب سے میرے ساتھ پیمان شکنی کرتا ہے تو میرا نفس تکریم و حیا کے باعث اس سے طالب انتقام نہیں ہوتا. سبحان اللہ کیا ذات مرتضوی ہے واقعی مولائے دو عالم کا یہی انداز مزاج تھا ؎

از علی آموز اخلاصِ عمل تا رہا گردی ز شیطانِ دغل

لاریب مولا کی کریم لنفسی فہم انسانی سے باہر ہے اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت اپنے دشمن مغلوب کے ساتھ جس نے روئے مبارک پر تھوک دیا تھا کس طرح پیش آئے مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اوخیوانداخت بر رفے علیؑ　　افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

حقیقت یہ ہے کہ صفات مسیحیہ بھی ذات پاک میں اس درجے کی واہب العطایا نے بخشی تھیں کہ اگر حضرت چھ سو برس قبل ظہور اسلام کے اس عالم میں رونق افروز ہوتے تو ظاہرا جناب مسیح علیہ السلام کی بعثت کی کوئی حاجت نہ ہوتی

وَلِكُلِّ جِرَاحَةٍ فَلَهَا دَوَاءٌ　　وَسُوءُ الْخُلْقِ لَيْسَ لَهُ دَوَاءُ

معنی :۔ اور ہر جراحت کے لئے دوا ہے مگر بد خلقی کے آزار کے لئے کوئی دوا نہیں ہے واقعی یہ ہے کہ جس شخص میں خلقت کے رو سے بد خلقی لاحق رہتی ہے کسی صورت سے نہیں جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ آدمی خوش اخلاق پیدا ہوتا ہے خوش اخلاقی تعلیمی امر نہیں ہے بقول سعدی علیہ الرحمہ **مصرع**

طبیعی است اخلاق نیکو نہ کسب

وَرُبَّ اَخٍ وَفَيْتُ وَ فِيٌّ　　وَلٰكِنْ لَاتَدُوْمُ لَهُ الْوَفَاءُ

معنی :۔ بہت سے برادر وفادار کی ہیں نے وفا کی مگر ہمیشگی اس کی وفاداری کو نہیں ہے یعنی میں نے بہت سے دعوی داران وفا کے ساتھ وفا کی ہے مگر ان سے بیوفائی ہی ظہور میں آیا کی ہے۔

يُدِيْمُوْنَ الْمَوَدَّةَ مَارَاَوْنِيْ　　وَيَبْقَى الْوُدُّ مَا بَقِيَ اللِّقَاءُ

معنی :۔ برقرار رکھتے ہیں محبت کو جب تک کہ مجھے دیکھتے رہتے ہیں اور باقی رہتی ہے مودت محبت جبتک کہ ملاقات ہوا کرتی ہے یعنی دیکھے کی محبت رکھتے ہیں

اَخِلَّاءٌ اِذَا اسْتَغْنَيْتُ عَنْهُمْ　　وَاَعْدَاءٌ اِذَا نَزَلَ الْبَلَاءُ

معنی :۔ ارباب دنیا کی یہ حالت ہے کہ وہ تب ہی تک دوست بنے رہتے

ہیں کہ جب تک ہم ان سے مستغنی رہتے ہیں اور جب مصیبت آگھرتی ہے تو دشمن ہو جاتے ہیں۔ یعنی ارباب دنیا کی دوستی کا یہ طورہُوا کرتا ہے کہ جب تک انسان کو خوش حالی حاصل رہتی ہے اور اسی خوش حالی کے سبب سے بے نیازی نصیب رہتی ہے تو اس کی دوستی کا دم اہل دنیا بھرتے ہیں مگر جب وہی شخص مبتلائے آفت ہو جاتا ہے تو وہی دعویٰ داران دوستی کھلے ڈلے انداز کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند۔ لاف یاری و برادر خواندگی

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

فَاِنْ غُیِّبْتُ عَنْ اَحَدٍ قَلَانِیْ وَعَاقَبَنِیْ بِمَا فِیْہِ اِکْتِفَاءُ

معنی:۔ پس اگر میں کسی دوست سے دور از نظر ہوتا ہوں تو وہ دوست میرے ساتھ دشمنی کرتا ہے اور اچھی طرح مجھ سے ساتھ عقوبت کے ساتھ پیش آتا ہے۔

اِذَا مَادَاْسُ اَھْلِ الْبَیْتِ وَلّٰی بَدَالَھُمْ مِنَ النَّاسِ الْجَفَاءُ

معنی:۔ جب سردار اہل بیعت یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو لوگوں کی طرف سے انہیں اہل بیت پر جفائیں شروع ہوئیں۔ اس کلام سے امیرالمومنینؑ کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صلعم کی وفات کے بعد لوگوں کے معاملات اہل بیعت کے ساتھ اچھے نہ تھے ورنہ اس طرح کے ملال آگیں کلام جناب ولایت مآب نفرماتے ظاہر ہے کہ تمام اشعار بالا میں حضرت نے احباب دنیا کی پوری تصویر دکھلائی ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ دوستان پُر غرض ایسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ اشعار بالا میں بیان کئے

گئے ہیں۔

دعاء مناجات یا قاضی الحاجات

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَنْتَ مَوْلَاہُ فَارْحَمْ عُبَیْدًا اِلَیْکَ مَلْجَاہُ

معنی:۔ کھڑے ہیں ہم تیرے حکم کی تعمیل کو تو مولیٰ میرا یعنی میرا آزاد کرنے والا ہے پس رحم کر ایسے بندے کہ تیرا ملتجی ہے۔

یَا ذَا الْمَعَالِیْ عَلَیْکَ مُعْتَمَدِیْ طُوْبٰی لِمَنْ کُنْتَ اَنْتَ مَوْلَاہُ

معنی:۔ اے صاحب بزرگیہا تجھ پر میرا تکیہ ہے۔ خوش ہے عیش اس کا کہ جس کا تو مولیٰ ہے۔

طُوْبٰی لِمَنْ کَانَ نَادِمًا اَرِقًا یَشْکُوْ اِلٰی ذِی الْجَلَالِ بَلْوَاہُ

معنی:۔ خوش ہے عیش اس کا کہ پشیمان وبیخواب رہتا ہے تاکہ اپنی بلا کا شکوہ حضور ذوالجلال میں کہے۔

مَا بِہٖ عِلَّۃٌ وَلَا سُقْمٌ اَکْثَرُ مِنْ حُبِّہٖ لِمَوْلَاہُ

معنی:۔ اسے کوئی مرض یا کوئی بیماری اپنے مولا کے عشق سے زیادہ نہیں ہے یعنی مرض عشق کے سوا اس کو کوئی بیماری نہیں ہے۔

اِذَا خَلَا فِی الظَّلَامِ مُبْتَهِلًا اَجَابَہُ اللّٰہُ ثُمَّ لَبَّاہُ

معنی:۔ جب وہ تاریکی میں جا بیٹھتا ہے اور رو رو کر دعائیں مانگتا ہے تب اسے اللہ جواب دیتا ہے اور لبیک فرماتا ہے اس طور پہ جیسا کہ اشعار آئندہ میں ارشاد خداوندی مسطور کئے جاتے ہیں۔

واضح ہو کہ اشعار بالا دعاء مناجات کا طریقہ نبھانے ہیں۔ ۔۔۔۔

دعا و مناجات مخ عبادت ہیں یہ گمراہوں اور جاہلوں کا شیوہ ہے جو کہتے ہیں کہ دعا و مناجات کی کوئی حاجت نہیں ہے دعا و مناجات سے مسلمان کو چارہ نہیں ہے اس سے انکار اسی کو ہوگا جو خدا کا قائل نہیں ہے اور درحقیقت دہریہ ہے۔ البتہ دہریے کے نزدیک دعا و مناجات کوئی شئے ہو نہیں سکتی مگر جس کو خدا کے وجود کا یقین ہے وہ دعا و مناجات سے انکار نہیں رکھ سکتا ہے بعض جاہلوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دعا تقاضائے رضا کے خلاف ہے ان جاہلوں کو یہ نہیں معلوم کہ رضائے الٰہی اسی میں ہے کہ بندہ دست دعا کو خدا کی جناب میں بلند کرلے اور اس سے عافیت جسمانی اور روحانی کا طالب ہو یہ امر کبھی رضائے الٰہی کے موافق نہیں ہے کہ بندہ خدا سے مستغنی ہو بیٹھے اور یہ کہے کہ دعا کی کیا حاجت ہے جیسا خدا کی مرضی میں آتا ہے وہ ویسا کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ جو خدا کی مرضی ہوتی ہے وہی ہوتا ہے مگر صریحاً خدا کی مرضی کے مطابق یہ امر نص قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ خدا سے دعائیں مانگے اگر دعا طلبی بیکار شئے ہوتی تو اس قدر دعائیں کیوں قرآن میں دیکھی جاتیں انبیائے سلف کیوں کاربند دعا ہوتے صحف قدیم میں دعائیں بکثرت مندرج ہوتیں پیغمبر خدا کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کہ دعائیں فرماتے علی مرتضیٰ دعا کے طریقے بتلاتے ہیں ائمہ دعا طلبی کو عبادت جانتے اور صحیفہ کاملہ کی سی کتاب دعا وظیفہ طالبان حق ہوتی۔ اگر دعا کوئی شئے نہیں ہے۔ تو نماز بھی کوئی شئے نہیں ہے کس واسطے کہ نماز تو دعاؤں ہی پر مشتمل نظر آتی ہے لاریب دعا سے انکار شیطان کا کام ہے یہ مردود ازلی کس کی جناب میں

دست دعا بلند کرے خدا کا تو وہ دشمن ہے۔ المختصر دعا و مناجات سے مسلمان کو چھٹکارا نہیں ہے اس کا وہی شخص منکر ہوگا جو خدا کو لاشئی جانتا ہوگا ورنہ عبادت سے انکار خدا کے ماننے والا نہیں کر سکتا ہے پس چونکہ دعا عین عبادت ہے امیر المومنین علیہ السلام اپنے پیروان کو دعا کا طریقہ بتلاتے ہیں آپ کے ارشاد کے مطابق داعی کو سراپا نیاز ہو کر طالب دعا ہونا چاہیے اور آخر اشعار بالا میں خلوت گزینی کی ہدایت ہے اور اس لئے کہ تمام تعلقات دنیوی سے دل و دماغ داعی کو فراغت حاصل ہو جائے تاکہ یکسوئی کے ساتھ عرض حال درگاہ خداوندی میں کر سکے اس شعر سے مراقبے کی تعلیم بھی ظاہر ہوتی ہے بہر حال جب داعی اس طور سے عرض حال کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے قبول دعا کے وقت جو خطاب خداوند تعالیٰ اپنے بندے کی طرف فرماتا ہے وہ اشعار ذیل میں ذکر پاتا ہے۔

سَأَلْتَ عَبْدِیْ وَاَنْتَ فِیْ کَنَفِیْ ... وَکُلُّ مَاقُلْتَ قَدْ سَمِعْنَاہٗ

صَوْتُکَ تَشْتَاقُہٗ مَلَائِکَتِیْ ... فَذَنْبُکَ الْاٰنَ قَدْ غَفَرْنَاہٗ

فِیْ جَنَّۃِ الْخُلْدِ مَاتَمَنَّاہٗ ... طُوْبَاہٗ طُوْبَاہٗ ثُمَّ طُوْبَاہٗ

سَلْنِیْ بِلَاحِشْمَۃٍ وَلَارَھَبٍ ... وَلَا تَخَفْ اِنَّنِیْ اَنَا اللہُ

معنی:۔ تو نے سوال کیا اے ہمارے بندے اور تو ہمارے دائرۂ حمایت میں ہے اور جو کچھ کہ تو نے کہا ہم نے اسے سنا تیری آواز کے مشتاق ہمارے فرشتے ہیں پس تیرے گناہ کو اس وقت ہم نے معاف کیا بہشت جاوید میں ہے وہ

چیز جس کا تو متمنی ہوا خوشا حال اس چیز کا جس کی تو تمنا کرے ہم سے اپنے مطلب کا طالب ہو بے لجاجت اور بے خوف کھائے اور نہ ڈر بہ تحقیق کہ ہم اللہ ہیں اور ہمارے کرم کی حد نہیں ہے۔

بیان آنکہ بنائے کار مردم بر مال ست نہ بر عقل کامل و طبع راست

يُغَطِّي عُيُوبَ الْمَرْءِ كَثْرَةُ مَالِهِ ... يُصَدَّقُ فِيمَا قَالَ وَهُوَ كَذُوبٌ

وَيُزْرِي بِعَقْلِ الْمَرْءِ قِلَّةُ مَالِهِ ... فَيَحْمُقُهُ الْأَقْوَامُ وَهُوَ لَبِيبٌ

معنی :- آدمی کی زیادتی مال اس عیوب کو چھپا دیتی ہے پس اس کا قول سچا مانا جاتا ہے حالانکہ وہ دروغ گو ہے اور آدمی کی کم مایگی سے اس کی عقل خوار ہوتی ہے پس لوگ اس کو بیوقوف بناتے ہیں حالانکہ وہ خردمند ہے۔

مدح علم و ادب و حمد عقل و حسب

لَيْسَ الْبَلِيَّةُ فِي أَيَّامِنَا عَجَبًا ... بَلِ السَّلَامَةُ فِيهَا أَعْجَبُ الْعَجَبِ

معنی :- روزگار میں بلا کا ہونا کوئی عجیب انگیز امر نہیں ہے البتہ روزگار میں سلامتی کا پایا جانا سب عجب انگیز مضامین سے زیادہ عجیب انگیز مضمون ہے۔

لَيْسَ الْجَمَالُ بِأَثْوَابٍ تُزَيِّنُهَا ... إِنَّ الْجَمَالَ جَمَالُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

معنی :- جامہ سے زینت انسان کو نہیں ہوتی۔ مرد کو جمال علم و ادب سے ہوتا ہے

لَيْسَ الْيَتِيمُ الَّذِي قَدْ مَاتَ وَالِدُهُ ... إِنَّ الْيَتِيمَ يَتِيمُ الْعَقْلِ وَالْحَسَبِ

معنی :- وہ یتیم نہیں ہوتا جس کا باپ مرجاتا ہے یتیم وہ شخص ہے جو عقل و حسب کا یتیم ہوتا ہے

ارشاد ارباب صلاح بہ اسباب فلاح۔

فَرْضٌ عَلَى النَّاسِ أَنْ يَتُوبُوا ... لٰكِنْ تَرْكُ الذُّنُوبِ أَوْجَبُ

معنی :۔ آدمی پر فرض ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے مگر گناہوں کا ترک کرنا واجب تر ہے۔

وَالدَّهْرُ فِي صَرْفِهِ عَجِيبٌ ۔۔۔ وَغَفْلَةُ النَّاسِ فِيهِ اَعْجَبُ

معنی :۔ روزگار کے حوادث عجیب ہیں اور غفلت آدمی کی حوادث روزگار میں عجیب تر ہے۔

وَالصَّبْرُ فِي النَّائِبَاتِ صَعْبٌ ۔۔۔ لٰكِنْ فَوْتُ الثَّوَابِ اَصْعَبُ

معنی :۔ صبر حوادث روزگار میں ایک دشوار امر ہے مگر اس سے زیادہ تر دشوار حوادث روزگار پر صبر کے ثواب کا فوت ہو جانا ہے۔

وَكُلُّ مَا تَرْتَجِيْ قَرِيْبٌ ۔۔۔ وَالْمَوْتُ مِنْ كُلِّ ذَاكَ اَقْرَبُ

معنی :۔ دنیا کی ساری امیدیں قریب ہیں مگر موت سب امیدوں سے قریب تر ہے۔ واضح ہو کہ امیر المومنین کا دیوان۔ ۔ ۔ رمسائل اخلاق و حکمت سے معمور ہے اور محتاج انتخاب نہیں ہے ہر طالب حق کا فرض منصبی ہے کہ آپ کے تمام کلام کو بغور مطالعہ کر کے اپنے دین و دنیا کو سنوارے اس کتاب میں حضرت کے تمام کلام معجز نظام کی گنجائش کہاں ہے اس لئے صرف تھوڑے اشعار نمونے کے طور پر داخل ہذا کئے گئے۔

قصیدہ فرزدق۔

واضح ہو کہ قصیدہ آئندہ کو فرزدق نے بدیہہ کہا تھا اور اس کے کہنے کا یہ طور ہوا کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان اپنے باپ کے عہد خلافت میں شام سے بہ تقریب حج مکہ معظمہ آیا ہوا تھا۔ وقت طواف جب اس نے

چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے تو ازدحام مردم سے اسے اس کا موقع نہ ملا
پس ایک منبر پہ بیٹھ کر لوگوں کا تماشا دیکھنے لگا اس وقت جناب سید
الساجدین حضرت امام ہمام زین العابدین علیہ السلام طواف کے لئے
تشریف لائے اور جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگ غایت ادب
سے دور دور ہٹ گئے اور آپ نے بے مزاحمت حجر اسود کو بوسہ دیا جب
اہل شام نے خلائق کا یہ رنگ دیکھا تو ایک شامی نے ہشام سے پوچھا
کہ یہ صاحب جاہ و جلال جس کی زائرین کعبہ نے اس قدر تعظیم کی کون ہے
ہشام کو اس خیال فاسد نے لیا کہ اگر ہم بتاتے ہیں کہ یہ یادگار و جانشین پیغمبر
ہی تو اہل شام اس کی جانب مائل ہو کر اس کا کلمہ پڑھنے لگیں گے۔ پس بطرز
تجاہل اس نے غایت بے پروائی سے سائل کو جواب دیا کہ ہم اسے نہیں
پہچانتے۔ اتفاقاً وہاں فرزدق موجود تھا اور ہشام اور اس کے ساتھی کی
گفتگو سن رہا تھا اس سے رہا نہ گیا جوش ولائے اہلبیت میں اس نے یہ
قصیدہ ہشام کے روبرو پڑھا ہشام کی بے دینی حرکت میں آئی اس نے
فرزدق کو محبوس کیا۔ جب حضرت امام علیہ السلام کو اس کی خبر ہوئی۔ آپ نے فرزدق کو
بارہ ہزار درم بھیجے اس دوستدار خاندان پیغمبر نے لینے سے انکار کیا اور کہلا بھیجا میں نے صلے کے
خیال سے قصیدہ مدحیہ نہیں کہا تھا۔ میری غرض اس مدح خوانی سے مجرد خدا و رسول کی طرف داری
اور آپ سے امید مغفرت و شفاعت تھی حضرت امام علیہ السلام نے
فرمایا کہ ہم اہلبیت جو چیز کسی کو دے دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے اور
خدائے تعالیٰ تیری نیت سے واقف ہے جو تیری مراد ہے اسے بر لائیگا

فرزدق نے تعمیل ارشاد کی اور دین و دنیا دونوں میں اچھا رہا۔

اے حضرات ایمان والے اس قصّے سے آپ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اہل حکومت اور ان کے پیروان کا معاملہ خاندان نبوت کے ساتھ کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ بہت تھوڑے لوگ تھے جو خاندان نبوت کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور جو رکھتے تھے ان پر اہل حکومت کی طرف سے بے حد سختیاں ہوتی تھیں فرزدق مجرد اس جرم پر کہ اس نے خاندان پیغمبرؐ کی ثناخوانی کی۔ قید کیا گیا اللہ اللہ کیا مسلمانی تھی۔ ہشام کو دیکھئے کہ حج کو آیا تھا اور امام وقت کو بقول خود نہیں جانتا تھا۔ تو تو پھٹکار ایسے حج پر اور ایسی مسلمانی پر جس کو خاندان پیغمبرؐ سے بے تعلقی ہو۔ یہی حال اس وقت کے دنیا طلب مسلمانوں کا تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کا کلمہ پڑھتے تھے اور ان کی اولاد و احفاد کی تخریب میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھتے تھے کون سی ایذا اور کونسی بے آبروئی ہے جسے کلمہ گویوں نے خاندان پیغمبرؐ کے لئے اٹھا نہیں رکھی۔ کیا کیا حقوق اہل بیت ضائع نہیں کئے گئے ہیں فقیر نمبر وار از ابتدا تا انتہا تمام مصائب خاندان پیغمبرؐ کو عرض کر سکتا ہے مگر ۲ دو وجہ سے قلم کو روک لیتا ہے۔ اوّل یہ کہ اسی دنیا میں بقیہ زندگی کو بسر کرنا ہے دوم یہ کہ اگر حق گوئی میں زیادہ کد کی تو یہ کتاب حسب مراد اشاعت پذیر نہ ہو گی اس عہد میں بھی ہشام سے ہزاروں پڑھے لکھے مسلمان ہیں کہ جو نہیں جانتے کہ زین العابدین امام ہیں یا نہیں اور اگر امام ہیں تو خاندان پیغمبرؐ کے امام ہیں یا کسی اور خاندان کے اور اگر خاندان پیغمبرؐ کے امام ہیں تو کون سے امام ہیں ان ناموں سے ناواقفیت تو

اکثر کلمہ گو رکھتے ہیں. فقیر اپنے ذاتی تجربہ سے کہہ سکتا ہے کہ زمانہ موجودہ میں ہزار خواندہ مسلمان سے شاید ایک شخص ایسا نکلے گا جو ترتیب وار ائمہ اثنا عشر کے ناموں کو زبانی بتا سکتا ہے اللہ اللہ خاندان پیغمبرؐ کے ساتھ اس سے زیادہ بے تعلقی کیا ہو سکتی ہے یہ کوئی عجب انگیز امر نہیں ہے جب تعلیم کا یہی طور رکھا گیا ہے کہ خاندان پیغمبرؐ سے لاعلمی لاحق رہے اس تعلیم کے اصول وہی ہیں جن پر ہشام نے اپنے سائل کو جواب دیا تھا کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کے حالات و معاملات کے چھپانے کے بندو بست ہمیشہ ہوا کئے ہیں. یہ انھیں بندو بست کا نتیجہ ہے کہ ہزار پڑھے لکھے کلمہ گویوں میں ایک آدمی بھی اس وقت ایسا نہیں پایا جاتا ہے جو ائمہ کے نام صحیح طور پر ترتیب وار بتا سکے ان کی سوانح عمری سے خبر رکھے تو بیرون از توقع ہے اگر دیدۂ انصاف سے دیکھئے تو اس لاعلمی میں صرف خاندان پیغمبرؐ کی کسر شان نہیں ہے بلکہ خود پیغمبر صاحبؐ کی کسر شان ہے رسول اللہؐ نے قرآن اور اپنی عترت کو دو امر اہم فرمایا ہے پس تعجب ہے ایسے مسلمانوں سے جو ان کی عترت اور آل اطہار سے لاعلمی رکھتے ہیں خیر اب دوستداران خاندان پیغمبرؐ قصیدۂ ذیل سے لذت روحانی اٹھائیں اور اس مصنف کی دلاکی داد دیں۔

قصیدہ فرزدق

هٰذَا الَّذِی تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ ۔۔۔ وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

معنی :- یہ وہ شخص ہے کہ مکہ اس کے جائے قدم کو پہچانتا ہے اور خانہ کعبہ

اس کو پہچانتا ہے اور پیرامون۔ حرم و حرم پہچانتے ہیں یعنی اے ہشام تو اگر اس شخص کو نہیں پہچانتا ہے تو کیا۔ اس شخص کے موضع قدم کو خانۂ کعبہ اور حل و حرم پہچانتے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمُ ... هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

معنی :۔ یہ بیٹا بہترین بندگان خدا کا ہے۔ یہ پرہیزگار۔ پاکیزہ پاک سردار گروہ ہے بہترین بندگان خدا سے رسول اللہ اور سردار گروہ سے سردار قریش مراد ہے

اِذَا رَاَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهُمْ ... اِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

معنی :۔ جب قوم قریش اسے دیکھتی ہے تو ان میں کا کہنے والا کہتا ہے کہ اس شخص پر بزرگی اور جوانمردی کا خاتمہ ہے۔

يُنْمٰى اِلٰى ذِرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِيْ قَصُرَتْ ... عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

معنی :۔ بلند ہوتا ہے اس اوج عزت کو کہ جس کی دریافت میں عرب الاسلام اور عجم عاجز ہیں۔ یعنی اسے وہ ارتفاع عزت حاصل ہے کہ اہل عرب و عجم اس تک پہنچ نہیں سکتے۔

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهٖ ... رُكْنُ الْحَطِيْمِ اِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

معنی :۔ قریب ہو جاتا ہے سنگ اسود کہ پکڑ لے اس کے ہاتھ کو جب وہ آتا ہے بوسہ دینے کے واسطے۔ یعنی سنگ اسود یہ جان کر کہ وہ فرزند رسولؐ ہے اسے پکڑ لینا چاہتا ہے۔

فِيْ كَفِّهٖ خَيْزُرَانٌ رِيْحُهُ عَبِقٌ ... فِيْ كَفِّ اَرْوَعَ فِيْ عِرْنِيْنِهٖ شَمَمُ

معنی :۔ اس کے کف دست میں بید ہے کہ جس کی بو خوش ہے یہ ہاتھ میں اس

خوش جمال کے ہے کہ جس کی ناک بلند ہے. جاننا چاہیئے کہ بینی کا بلند ہونا شرف و بزرگی کی علامت ہے وجاہت ظاہری کو عمدگی باطن کے ساتھ ایک تعلق عظیم ہے اس لئے انبیا نہ صرف معائب جسمانی سے تمام تر پاک تھے بلکہ صاحب جمال بھی تھے واضح ہو کہ پیغمبر خدا حضرت بی بی اور علی مرتضیٰ اور ان کی تمام اولاد و احفاد کو خدا نے حسن و جمال بخشا تھا لاریب فطرت اسی کی مقتضی تھی کہ ایسے ایسے ارباب فضل و شرف کو کمالات صوری بھی حاصل ہوتے. بخیال راقم بدصورت آدمی کمتر خوش صفات ہوتے ہیں بلاشبہ صورت اور سیرت میں کوئی تعلق خفی ضرور ہے۔

يُغْضِي حَيَاءً وَيُغْضَى مِنْ مَهَابَتِهِ فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

معنی :۔ وہ حیا سے نظر اوپر نہیں کرتا ہے اور لوگ ہیبت سے اس پر نظر نہیں کر سکتے بس اس سے گفتگو نہیں کی جا سکتی ہے الا اس وقت کہ وہ متبسم ہوتا ہے یعنی حالت بشاشت میں ہوتا ہے. بنی زادگی کا رعب ایسا ہی ہونا چاہیئے تب تو وقت طواف وہ، وہ لوگ اپنے جی سے ہٹ گئے تھے۔

يَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰى مِنْ نُوْرِ غُرَّتِهِ كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

معنی :۔ نور ہدایت اس کے نور پیشانی سے پھٹ کر نکلتا ہے جیسا کہ آفتاب کہ اس کی درخشانی سے تاریکیاں زائل ہو جاتی ہیں. یہ شاعرانہ مدح نہیں ہے حقیقت حال بھی یہی ہے کہ ان حضرات ائمہ سے نور ہدایت اشاعت پذیر ہوتا ہے

مِنْ جَدُّهٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِيَاءِ لَهٗ وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

معنی :۔ ممدوح کا جد وہ ہے کہ جس کے سامنے تمام انبیا کا فضل زیردست

ہوگیا اور جس کی امت کے فضل کے مقابلے میں تمام انبیاء کی امتیں زیر دست ہوگئیں یعنی ممدوح کا جد افضل الانبیا ہے اور ممدوح کے جد کی امت افضل الامم ہے۔

مُنْشَقَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ نَبْعَتُهُ   طَابَتْ عَنَاصِرُهُ وَالْخِيْمُ وَالشِّيَمُ

معنی:۔ اس کا درخت رسول اللہ سے اگا ہے پاک ہوئے عناصر اس کے اور پاک ہوئی خوبو اس کی یعنی ممدوح فرع نخل نبوت ہے اور اس کی ترکیب بدن اور خوبو سب کے سب پاک وصاف واقع ہوئے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ اِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ   بِجَدِّهٖ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

معنی:۔ یہ پسر فاطمہ ہے جان لے اگر تجھ کو نہیں معلوم ہے اس کا نانا خاتم النبیین ہے۔

وائے بر ہشام کہ اس نے زین العابدین علیہ السلام کی نسبت اظہار ناواقفیت کیا اور وائے ان مسلمانوں پر بھی جنھوں نے ائمہ علیہم السلام سے کلمہ گویوں کو ناواقف رکھنے کے بندوبست کئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جو کلمہ گو حضرات ائمہ سے تجاہل یا لاعلمی روا رکھتا ہے یا ان سے مطلع رہنے کو ایک غیر ضروری امر سمجھتا ہے تو لاریب ایسا شخص اسی ہشام کی امت کا آدمی ہے وہ ہزار کلمہ پڑھنے پر بھی امت رسول اللہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے بہت جائے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں خاندان پیغمبر سے ایسی بے تعلقی کلمہ گویوں میں دیکھی جاتی ہے کہ الٰہی توبہ فقیر نے ہزاروں ایسے حضرات دیکھے ہیں جو عربی خوان ہیں صوفی مشرب ہیں واعظ ہیں فقیہ ہیں حاجی ہیں زائرین مزارات اولیا ہیں مصحف بدست ہیں پابند صوم وصلوٰۃ ہیں کاسب ہیں شاغل ہیں

احد خدا جانے کیا کیا ہیں مگر دوازدہ اماموں کے ناموں سے آشنائی تک نہیں رکھتے۔ لاریب اگر ان برگزیدگان حق کو حضرات ائمہ علیہم السلام سے کوئی تعلق ہوتا تو جس طرح اتنے کمالات کے حاصل کرنے کی طرف سعی فرماتے گئے ہیں بیچارے اماموں کو بھی اپنے گوشۂ خاطر میں جگہ دیتے تب ان مظلوموں کے نام بھی ان اہل کمالات کو یاد رہتے بے تعلقی کی حالت میں کب کوئی کسی کو یاد رکھنے کی زحمت اختیار کر سکتا ہے۔ ناظرین تحقیق فقیر کے قول بالا کی خود تحقیق فرمالیں ہزاروں ممتاز صورت ایسے مسلمان نکلیں گے جو حضرات ائمہ سے تمام تر بےخبر ہیں اور ان سے باخبر رہنا کوئی ضروری امر نہیں جانتے اور ناچیز نے چند پڑھے لکھے حضرات کو جو ائمۂ خاندان پیغمبر سے تمام تر بےخبر تھے مختلف وقتوں میں آگاہ کر دیا ہے کچھ بزرگوار نے تو میری عرض معقول سمجھ کر حضرات ائمہ کے نام سیکھ لئے۔ مگر بہتوں نے ناتوجہی کو راہ دی اور ہشام وقت بنے رہے۔

اللہ شرّفہٗ قِدمًا وَ عَظّمہٗ — جَرٰی بِذَالِکَ لَہٗ فِی لَوحِہِ القَلَمُ

معنی:۔ خدا تعالیٰ نے اسے بزرگ و عظیم بنایا قدم میں اس کی بزرگی و عظمت کو اللہ پاک نے قلم قدرت سے لوح محفوظ پر مثبت فرمایا ہے۔ یعنی اس کی بزرگی و عظمت قدیمی ہے کسی کمبخت کی توہین و تحقیر سے اس کی بزرگی و عظمت میں کمی لاحق نہیں ہو سکتی۔

اَللَّیثُ اَھوَنُ مِنہُ حِینَ تُغضِبُہٗ — وَالمَوتُ اَیسَرُ مِنہُ حِینَ یَختَصِمُ

معنی:۔ ممدوح سے شیر سبک تر ہے جس وقت کہ تو غصے میں لائے اسے

اور موت آسان تر ہے ممدوح سے جس وقت کہ وہ ستم یا غضب دلایا جائے یعنی جب ممدوح غصہ دلایا جاتا ہے تو اس وقت اس سے شیر سبک تر ہے اور جب ممدوح غضب دلایا جاتا ہے تو اس وقت اس سے موت آسان تر ہے۔ واضح ہو کہ پیغمبرؐ خدا اور ان کے خاندان کے ائمہ نفسانیت سے تمام تر پاک تھے ان حضرات کو غضب و غصہ سے کوئی علاقہ نہ تھا لیکن غضب و غصہ ان کو تب ہی آتا تھا کہ جب اللہ کے حقوق معرض تلف میں در آتے تھے ظاہر ہے کہ حقوق خداوندی کی نگرانی نبی سے ہوا کرتی ہے پس چونکہ حضرت سید الساجدین برحق جانشینان پیغمبر صلعم سے ہیں حقوق خداوندی کے تلف ہونے پر آپ کا پر غضب ہونا شان امامت سے ہے۔

فَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ ھٰذَا بِضَائِرِہٖ ٭ اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ

معنی :۔ پس تیرا یہ کہنا کہ یہ کون ہے ممدوح کو ضرر رساں نہیں ہو سکتا تو نے جسے نہیں پہچانا اسے عرب و عجم پہچانتے ہیں۔

کِلْتَا یَدَیْہِ غِیَاثٌ عَمَّ نَفْعُھُمَا ٭ تُسْتَوْکِفَانِ وَلَا یَعْرُوْھُمَا عَدَمُ

معنی :۔ دونوں ہاتھ اس کے ایسے فریاد رس ہیں کہ ان سے نفع عام جاری ہے ان سے بخشش کی ریزش ہوا کرتی ہے اور وہ ہاتھ کبھی خالی نہیں ہوتے واقعی خاندان پیغمبرؐ کا جود ایسا ہی ہے کہ ابر مطیر کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ ایسے جواد نہ ہوئے ہیں۔ نہ ہوں گے ان کے جود کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں خوف تطویل کلام سے اس جگہ پر نقل نہیں کی جاتی ہیں۔

سَھْلُ الْخَلِیْقَۃِ لَا تُخْشٰی بَوَادِرُہٗ ٭ یَزِیْنُہُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّیَمُ

معنی :- وہ نرم طبیعت از روے خلقت کے ہے اس کے مزاج کی تیزیاں ڈر کے قابل نہیں ہیں اسے دو شئے آراستہ کئے ہوئے ہیں ایک حسن خلق دوم خوش خوئی ۔

حَمَّالُ اَثْقَالِ اَقْوَامٍ اِذَا فُدِحُوْا ۔۔۔ حُلْوُ الشَّمَائِلِ تَحْلُوْ عِنْدَہٗ نِعَمُ

معنی : وہ قوم کے باروں کا اٹھانے والا ہے اس وقت جب اقوام مبتلاے قرض ہوتی ہے وہ شیریں خصائل ہے اس کے پاس ہیں ہو کر نعمتیں شیریں ہو جاتی ہیں یعنی مردمان مقروض کو شدائد قرض سے نجات دینے والا ہے اور چونکہ شیریں خصائل ہے اس لئے اس سے احسان نمائی ظہور میں نہیں آتی ہے جس کے سبب سے اس کی نعمتیں لوگوں کو خوشگوار معلوم ہوتی ہیں ۔

مَاقَالَ لَاقَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِہٖ ۔۔۔ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُہٗ نَعَمُ

معنی :- کبھی لا نہیں کہا اِلّا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ کہتے ہیں اگر تشہد نہ ہوتا تو اس کا لا نَعَمْ ہوتا یعنی سوال سائل پہ کبھی لا نہیں کہا لا اس کی زبان پہ تب ہی آتا ہے جب وہ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہِ کہتا ہے اگر ضرورت تشہد نہ ہوتی تو ہمیشہ نعم ہی فرماتا کبھی لفظ لا کو زبان پہ نہیں لاتا واقعی خاندان پیغمبر کا جود ایسا ہی دیکھا جاتا ہے کہ گاہے سایل سے ان حضرات کی زبان پاک آشناے انکار نہیں ہوتی تھی ۔

لَا یُخْلِفُ الْوَعْدَ مَیْمُوْنٌ نَقِیْبَتُہٗ ۔۔۔ رَحْبُ الْفِنَاءِ اَرِیْبٌ حِیْنَ یَعْتَزِمُ

معنی :- وہ وعدہ خلاف نہیں ہے مبارک جان ہے مہمان نواز ہے اور صراط مستقیم کے اختیار کرنے میں زیرک ہے ۔

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ ۔۔۔ عَنْهَا الْغِيَايَةُ وَالْاِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ

معنی :۔ اس نے خلائق کو گرفتار احسان کر ڈالا پس خلائق سے رنج درویشی اور مفلسی جاتی رہی۔

هُمُ الْغُيُوثُ إِذَا مَا أَزْمَةٌ أَزَمَتْ ۔۔۔ وَالْأُسْدُ أُسْدُ الشَّرَىٰ وَالْبَأْسُ مُحْتَدِمُ

معنی :۔ یہ لوگ یعنی ممدوح وآبائے ممدوح باراں ہیں جب شدت قحط استیصال مردم کرتی ہے اور یہ لوگ شیران راہ کوہ سلمیٰ ہیں جس دم کہ ہنگامہ کارزار برپا ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ شریٰ کوہ سلمیٰ کی راہ کو کہتے ہیں وہاں شیروں کی کثرت پائی جاتی ہے۔

لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ أَكُفِّهِمُ ۔۔۔ سِيَّانِ ذٰلِكَ إِنْ أَثْرَوْا وَإِنْ عَدِمُوا

معنی: کم نہیں کرتی ہے تنگی فراخی کو ان کے ہاتھوں سے برابر ہے تنگی اور فراخی خواہ وہ مالدار اور خواہ غیر مالدار رہیں۔ یعنی ان کی سخاوت زر داری اور بے زری دونوں حالتوں میں یکساں رہتی ہے یہ کوئی مبالغہ پردازی نہیں ہے خاندان پیغمبر کا یہی حال رہا ہے کہ دولت مندی اور بے دولتی کو ان کی سخاوت شعاری میں کوئی دخل نہ ہوتا تھا

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمُ ۔۔۔ فِي كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُومٌ بِهِ الْكَلِمُ

معنی :۔ مقدم ہے بعد ذکر اللہ کے ذکر ان کا ہر سخن کی ابتدا میں اور سخن کا خاتمہ بھی انھیں کے ذکر پر ہے۔ یعنی بعد ذکر خدا کے ذکر محمد وآل محمد کا ہر سخن پر مقدم ہے اسی طرح انھیں حضرات کے ذکر پر ہر سخن کا خاتمہ بھی ہونا چاہیے واضح ہو کہ حکم نبوی صلعم بھی ایسا ہے۔ اللّٰھم صلّ علی محمد وآل محمد

یَأبیٰ لَھُم اَن یَحُلَّ الذّمُّ سَاحَتَہُم　　　خِیمٌ کَرِیمٌ وَاَیدٍ بِالنّدیٰ ھُضُم

معنی :- نہ نکوہش انکار رکھتی ہے کہ ان کے گھر میں فرود آتے کیونکہ ان کی خصائل کریم ہیں اور ان کے ہاتھ پُر از داد و دہش ہیں یعنی ایسے ہاتھ ہیں کہ جو کچھ رکھتے ہیں دے ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ارباب جود و سخا کے گھر نکوہش کیونکر آسکتی ہے۔

اَیُّ الخَلاَئِقِ لَیسَت فِی رِقَابِھِم　　　لِاَوَّلِیَّۃِ ھٰذَا اَو لَہٗ نِعَمُ

معنی :- کون خلائق سے ہے جو ان کے بندگان سے نہیں ہے بسبب اولیت اس شخص کے یا بسبب اس کی نوازش اور انعام کے یعنی اس وقت کون ایسے لوگ ہیں جو خاندان پیغمبر کے بندے نہیں ہیں اس غلامی کا سبب یہ شخص ہو رہا ہے اول اپنی افضلیت اور دوم اپنی نوازش و کرم کی بنیاد پر۔

مَن یَعرِفِ اللّٰہَ یَعرِفْ اَوَّلِیَّۃَ ذَا　　　وَالدِّینُ مِن بَیتِ ھٰذَا نَالَہُ الاُمَمُ

معنی :- جو شخص خدا کو پہچانے گا وہ اس شخص کی اولیت کو بھی پہچانے گا اور امتوں نے دین کو اس شخص کے گھر سے پایا ہے اس قول کی صحت میں اسی کو گفتگو ہو گی جو تنقیص شان علی ابن ابی طالب اور بقیہ ائمہ معصومین علیہم السلام مدنظر رکھتا ہو گا واضح ہو کہ یہ قصیدہ فی البدیہہ کہا گیا تھا۔ اس سے فرزدق کی طباعی کا موازنہ کرنا چاہیئے۔ واقعی یہ شخص بڑی قوت شاعری رکھتا تھا اس پر لطف یہ ہے کہ اس کا مذاق شاعری کس قدر عالی تھا اس قصیدے میں کسی قسم کی بد مذاقی کی بات نظر نہیں آتی ہے نہ مبالغہ ہے نہ تشبیہ و استعارہ کی کثرت ہے جو مضمون ہے وہ ایسا ہی ہے کہ پیغمبر و خاندان پیغمبر کے معاملات کے

حسب حال ہے علاوہ اس کے ہر شعر کس قدر خلوص و ولا کے مزے سے بھرا ہُوا ہے جوش دین اور ایمان راستی عقیدت کا جلوہ ہر شعر سے عیاں ہے لاریب جس شاعر کو خاندان پیغمبرؐ کے ساتھ اس قدر تعلق نہ ہوگا وہ ایسا پُرتاثیر قصیدہ نہیں تصنیف کر سکتا ہے خدائے تعالیٰ فرزدق کو جزائے خیر دے کہ اس نے پیغمبرؐ صاحب کے خاندان مظلوم کو اس جوش ولا کے ساتھ یاد کیا خدایا وہی جزائے خیر تو ان حضرات کو بھی عطا فرما جو اس قصیدہ کو اسی جوش کے ساتھ مطالعہ فرمائیں ظاہر ہے کہ ایسے قصیدوں کا صدق دل سے پڑھنا تمام تر حقوق خاندان پیغمبرؐ کا ادا کرنا اور اپنی عاقبت کا سنوارنا ہے خیر اب حضرات ناظرین اس قصیدے کو متنبی کے اس قصیدے کے ساتھ جو کاتب ہارون کی شان میں ہے ملائیں وقت مقابلہ ظاہر ہوگا کہ متنبی کا کلام کس قدر نا مطبوع مبالغوں سے بھرا ہُوا ہے صاف متنبی کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شاعر اجرت طلب تھا۔ کیا خود اپنے دل میں متنبی اس کا معترف نہ ہوتا ہوگا. کہ اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض لغو سرائی ہے اس کی تحریر کا مصداق نہ ہارون نہ ہارون کا آقا ہو سکتا تھا اور نہ کوئی ان کا ایسا دنیا دار شخص ہو سکتا ہے اسی کے برخلاف فرزدق کے قصیدے کو قیاس کرنا چاہئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا ممدوح اس کے محامد سے بدرجہا عالی و برتر ہے اور اس لئے جو کچھ اس نے کہا ہے بہت ہی قلیل در قلیل ہے حضرات ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ قصیدہ گوئی کا یہ مطلب زینہار نہیں ہے کہ شاعر سلاطین و اُمرا کی مدحوں سے شاعری کو ذلیل کرے قصیدہ گوئی سے مراد

ہے کہ یا مسائل اہم پیرایۂ نظم میں بیان کئے جائیں یا خدا و رسولؐ و آل رسولؐ کی حمد و نعت و منقبت کے مضامین خوش اسلوبی کے ساتھ موزوں کئے جائیں پس جاننا چاہیئے کہ متنبی اغراض قصیدہ گوئی کے خلاف کاربند ہوا ہے اور فرزدق تمام تر تقاضاۓ قصیدہ گوئی کے قرین رہا ہے۔

ذیل میں نمونے کے طور پر کچھ ایسے اشعار درج کئے جاتے ہیں جو ماقبل کے اشعار سے تمام تر علٰحدہ رنگ رکھتے ہیں یہ اشعار زہیر بہاء الدین زہیر کے ہیں یہ شخص ایک بڑا قابل شاعر گذرا ہے علاوہ اس کے بہت کچھ جامع علوم و فنون تھا اس کا دیوان دیدنی ہے اس کی شاعری تمام تر یورپین مذاق رکھتی ہے اس لئے اہل یورپ کو اس کا انداز کلام نہایت پسند ہے ایشائی مبالغوں سے لاریب اس کے سب ہی اشعار پاک ہیں تشبیہ اور استعارے بھی الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں شاعری کا لطف اس عمدگی مضامین اور شستگی زبان سے ہویدا ہے بلاشبہ تعلیم یافتہ اشخاص کو اس شاعر کا کلام ضرور ہے کہ پسند آئے حضرات شائقین زہیر کے دیوان کو ضرور ملاحظ فرمائیں یہ دیوان شہر لندن میں چھپ گیا ہے فقیر کے پاس جو نسخہ ہے مطبوعۂ لندن ہے اسی نسخہ کے دیباچے میں بہاء الدین زہیر کی نسبت ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان و ابناء ابناء الزمان میں سے یہ حالات مندرج دیکھے جاتے ہیں کہ ابوالفضل زہیر بن محمد بن علی بن یحیٰی بن الحسن بن جعفر بن منصور بن عاصم المہلبی العتکی ملقب بہ بہاء الدین الکاتب فضلاے عصر سے تھا اور نظم و نثر اور خطاطی میں

سب پر غلبہ رکھتا تھا سلطان ملک صالح خدیو مصر کی سرکار سے متعلق تھا جب سلطان مذکور شام کی طرف گیا وہ بھی ہمراہ تھا اور جب اس کا قبضہ دمشق پر ہو گیا اس نے بھی اس شہر میں قیام اختیار کیا بعدازاں ملک صالح گرفتار ہو گیا تب زہیر شہر نابلس میں رہ کر اپنے آقا کے حالات کا نگران رہا جب صالح کو مخلصی حاصل ہوئی اور وہ مصر کی سلطنت کو واپس گیا یہ شاعر بھی اس کے ساتھ مصر کو گیا ابن خلکان لکھتا ہے کہ ہم کو زہیر سے ملاقات ہوئی اور ہم نے اس کے چند اشعار اس کی زبان سے سنے اس مورخ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ زہیر مصر میں مر گیا اس کی وفات کا سن ہجری ۶۵۶ اور سن عیسوی ۱۲۵۹ ہے اور اس کی قبر قرافات الصغرےٰ میں قبر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واقع ہے۔

نمونہ کلام زہیر

وَقَالَ وَكَتَبَ اِلٰى بَعْضِ اَصْدِقَائِهِ وَكَانَ قَدْ غَرِقَتْ سَفِيْنَتُهُ وَذَهَبَ كُلُّ مَا كَانَ فِيْهَا

یعنی شاعر نے اپنے ایک ایسے دوست کو یہ اشعار لکھے ہیں کہ جس کی کشتی سفر دریا میں ڈوب گئی تھی اور جو کچھ اس کا مال تھا ضائع ہو گیا تھا۔

لَا تَعْتِبِ الدَّهْرَ فِيْ خَطْبٍ رَمَاكَ بِهِ — اِنِ اسْتَرَدَّ فَقِدْمًا طَالَ مَا وَهَبَا

حَاسِبْ زَمَانَكَ فِيْ حَالَيْ تَصَرُّفِهِ — تَجِدْهُ اَعْطَاكَ اَضْعَافَ الَّذِيْ سَلَبَا

وَاللّٰهُ قَدْ جَعَلَ الْاَيَّامَ دَائِرَةً — فَلَا تَرٰى رَاحَةً تَبْقٰى وَلَا تَعَبَا

وَكَمْ مِنْ مَالِكٍ وَهِيَ الرَّدُّ حَقًّا سَلَبَتْ ... لَا تَأْسَفَنَّ لِشَيْءٍ بَعْدَهَا ذَهَبَا
مَا كُنْتُ أَوَّلَ مَمْنُوٍّ بِحَادِثَةٍ ... كَذَا مَضَى الدَّهْرُ لَا بِدْعًا وَلَا عَجَبَا
وَرُبَّ مَالٍ نَمَا مِنْ بَعْدِ مَرْزِئَةٍ ... أَمَا تَرَى الشَّمْعَ بَعْدَ الْقَطِّ مُلْتَهِبَا

یعنی زمانے پر عتاب نہ کر کہ اس نے تجھے محل تردد میں ڈالا۔ اس کا دستور ہے کہ دے کر اپنی دی ہوئی چیز کو لے لیتا ہے زمانے کے بہبود تصرف پر نظر ڈال تجھے معلوم ہو گا کہ جس قدر لیتا ہے اس کا مضاعف تجھے دیتا ہے خدا نے زمانے کو گردان بنایا ہے پس نہ رنج کو قرار ہے نہ راحت کو تیرا راس المال تیری جان ہے جو سلامت رہ گئی پس جان کے سوا اور جو کچھ شئے جاتی رہی اس پر ہرگز افسوس نہ کر تو ہی پہلا شخص نہیں ہے کہ مبتلائے مصیبت ہوا ہے دنیا کا یہی انداز ہے اکثر یہی ہوتا ہے کہ مال نقصان پذیر ہو کر ترقی کرتا ہے جیسا کہ شمع گل لینے سے روشن تر ہوتی ہے۔

ان اشعار کا فطرتی انداز محتاج بیاں نہیں ہے شاعر کی خوش مذاقی ہر مصرع سے عیاں ہے،

وله

وَكَتَبَ إِلَى صَدِيقٍ لَهُ فِي جَوَابِ كِتَابٍ

یعنی ایک دوست کے خط کے جواب میں ہر دو شعر ذیل زہیر نے لکھے۔

وَأَتَى كِتَابُكَ وَهُوَ يَا ... لْأَشْوَاقِ عَنِّي يُعْرِبُ
فَلَقَى لَدَيْكَ كَأَنَّهُ ... يُمْلِي عَلَيْكَ وَتَكْتُبُ

یعنی تیرا خط پہنچا اور وہ میرے شوقوں کا اظہار کرتا ہے گویا کہ تیرے دم تحریر میرا دل تیرے پاس موجود ہو کر تجھے مضامین بتا رہا تھا۔

وله

وقال فی رحلت الشباب

یعنی رخصت شباب میں زہیر نے یہ کہا ہے

رَحَلَ الشَّبَابُ وَلَمْ اَنَلْ ‏ مِنْ لَذَّةٍ فِيهَا نَصِيبِي

يَا طِيبَهُ لَوْ لَمْ يَكُنْ ‏ مَلْاٰءُ الصَّحَائِفِ بِالذُّنُوبِ

اَرْسَلْتُ دَمْعِي خَلْفَهُ ‏ نَعْسَاهُ يَرْجِعُ مِنْ قَرِيبِ

هَيْهَاتَ لَا وَاللهِ مَا ‏ هُوَ بِالسَّمِيعِ وَلَا الْمُجِيبِ

فَقَدِ انْجَلَى لَيْلُ الشَّبَا ‏ بِ وَقَدْ بَدَا صُبْحُ الْمَشِيبِ

فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ‏ وَصْلَ الْحَبِيبَةِ وَالْحَبِيبِ

وَرَاَيْتُ فِي الْنُّوَادِهِ ‏ مَا كَانَ يَخْفٰى مِنْ عُيُوبِي

یعنی شباب رخصت ہو گیا اور لذت شباب سے مجھے کچھ بھی بہرہ حاصل نہ ہوا۔ شباب خوش تھا مگر کاش دفتر گناہ سیاہ نہیں ہوا ہوتا میں نے شباب کے پیچھے آنسو رواں کئے اس امید پر کہ شاید شباب معاودت کرے مگر افسوس کہ اس نے عود نہ کیا اور بخدا میری ایک نہ سنی۔ المختصر شباب کی رات بسر ہو گئی اور پیری کی صبح نمودار ہو گئی پس الوداع اے وصل یار میں نے انوار پیری میں اپنے ان عیوب کو معائنہ کر لیا جنہیں شباب کی ظلمت چھپائے ہوئے تھی۔ سبحان اللہ کیا خوب استعارہ شاعر نے اختیار کیا ہے

وله

اَيُّهَا الْغَائِبُ عَنِّي اِنَّنِي ‏ عَلِمَ اللهُ لَمُشْتَاقٌ اِلَيْكَ

فَاِذَا هَبَّ نَسِیْمٌ طَیِّبٌ ۔ اَنَا ذَالِکَ الْوَقْتَ سَلَّمْتُ عَلَیْکَ

یعنی اے دوست کہ تو غائب ہے مجھ سے خدا جانتا ہے کہ میں کس قدر تیرا مشتاق ہوں جب ہوائے عطر آگیں بہتی ہے تو میں اس وقت تجھے سلام سے یاد کرتا ہوں۔

تمام ہوئی جلد اول

قطعہ تاریخ از نتیجہ افکار جناب سید علی محسن صاحب بلگرامی شاگرد حضرت صفیر بلگرامی

کامل شعر و سخن سید امداد امام ۔ جن کی تحقیق ہے دنیا میں من الشمس اظہر

ہیئت و ہندسہ و طب و فلاحت پہ عبور ۔ ہے قیافہ و نجوم آٹھ پہر پیش نظر

صرف و نحو اور معانی و بیاں میں کامل ۔ عالم علم ریاضی و تواریخ و سیر

فن تفسیر و حدیث و فقہ و علم کلام ۔ منطق و حکمت و اخلاق و ادب ہیں از بر

ایک فن میں کوئی کامل ہو تو ہے قابل قدر ۔ جامعیت کا بیاں لطف ہے اے اہل نظر

دیکھو جس فن میں انھیں کامل و اکمل دیکھو ۔ ڈھونڈو جس علم میں بہتر سے ملیں گے بہتر

کس لیاقت کی لکھی ہے یہ کتاب نایاب ۔ اس سے انکار ہے بے شبہہ خطائے منکر

ہیں ہر اک ملک کے شاعر کے خیالات بہم ۔ امرء القیس کہیں اور کہیں ورجل ہومر

ہے کہیں شاعری اہل عرب کی توضیح ۔ مصر و یونان کے شاعر ہیں کہیں پیش نظر

مختصر یہ ہے کہ ہے عطر یہ مجموعے کا ۔ بس گیا جس سے دماغ ہنر و اہل ہنر

للہ الحمد کہ چھپکر ہوئی مطبوع جہاں ۔ شکر صد شکر کہ چھپکر ہوئی منظور نظر

فکر تاریخ جو کی بے سر اعدا محسن ۔ دل پکارا کہ لکھو ۔ گلبن بستان اثر

۱۳۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
صل علیٰ احمد و آل کریم

تقریظ سراپا تاثیر از شاعر بے مثال و نازک خیال جناب سید علی محسن صاحب متخلص بہ محسن بلگرامی شاگرد حضرت صفیر بلگرامی

راست میگویم و یزداں نہ پسندد جز راست
حرف ناراست سرِ دین روش اہرمن است

امابعد حضرات ناظرین پر روشن ہو کہ بحمد اللہ کتاب کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن جلد اول تصنیف جناب شمس العلماء مولوی حکیم سید امداد امام صاحب متخلص بہ اثر مرتب ہو کر طبع ہو گئی۔ الحق یہ کتاب عجیب و غریب ہے اسکا رنگ تمام ایشیائی تصانیف سے نرالا ہے شاید یورپین زبانوں میں بھی اس انداز کی کتاب کمتر موجود ہوگی مصنف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ شاعری کیا شئے ہے فطری اور غیر فطری شاعری میں کیا فرق ہے شاعری کی صنفیں کیا کیا ہیں شاعری کے اغراض کیا کیا ہیں۔ شاعری سے اغراض انسانی کو کس قدر تعلق ہے اسی طرح صدہا مسائل علمیہ سے اس کتاب لاجواب میں حضرت مصنف نے بحث کی ہے علاوہ اس کے ہر زمانہ کی شاعری سے خبر دی ہے۔ مصری یونانی۔ لاطینی اطالوی۔ جرمن۔ انگریزی۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ بھاشا۔ چینی۔ جاپانی۔ برہمائی۔ شاعریوں کے حقائق کو بقدر ضرورت حوالۂ قلم کیا ہے۔ پھر جس

ملک کی شاعری کو بیان کیا ہے اس ملک کے جغرافیہ۔ تاریخ۔ سیر۔ تمدن۔ مذہب
اخلاق۔ معاشرت۔ ادب۔ علم و فضل۔ مذاق۔ حرفہ۔ صنعت۔ تجارت
پیداوار۔ آب و ہوا۔ مزاج بلدان۔ وحوش۔ طیور۔ جبال۔ بحور۔ معادن وغیرہ
وغیرہ کو بھی خوش مذاقی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ جدت مضامین اس قدر ہے
کہ مصنف کی جو کچھ قدر کی جائے بجا ہے۔ لاریب اس تصنیف سے حضرت مصنف
کی قوت دماغی حق پسندی۔ وفور اطلاع خوش مذاقی حسن بیان حسب مراد
آشکارا ہے۔ اس دیار کے اکثر ارباب علم و فضل حضرت مصنف کے نام نامی سے
واقف ہیں۔ کس واسطے کہ مذاق شاعری کے علاوہ حضرت مصنف کو اکثر علوم و فنون میں
بہرہ دانی حاصل ہے۔ عربی فارسی وغیرہ وغیرہ کے سوا حضرت مصنف کو زبان
انگریزی میں بھی دخل کامل ہے۔ فلسفہ جدید و قدیمہ سے وفور اطلاع کی شکل پیدا
ہے۔ معقولات و منقولات سے اطلاع کافی حاصل ہے طبابت۔ باغبانی۔
زراعت اور شاعری کے ساتھ حضرت مصنف کی طبیعت ایک مناسبت خاص
رکھتی ہے۔ علاوہ اس کے مذاہب مختلفہ سے پوری باخبری حضرت مصنف رکھتے
ہیں۔ چنانچہ نظم کلام میں بھی ان کی تصانیف موجود ہیں اقسام مذاق کے ساتھ مذاق
شکار کچھ ایسا پیدا کیا ہے کہ کوئی شخص بے جامع و تحصیل ہوئے ان کے اس
انداز مذاق کو حاصل نہیں کر سکتا راقم الحروف نے چاہا تھا کہ جناب مصنف کی سوانح
عمری نذر ناظرین کرے مگر مکروہات زمانہ سے فرصت نہ ملی بہرحال اس جگہ
حضرت مصنف کے کچھ خاندانی اور خاص حالات ذیل میں حوالہ قلم کئے جاتے ہیں
حضرت :- مصنف ہمارے صوبہ بہار کے ایک ممتاز خاندان سادات کے آدمی

ہیں اور خود بھی ایک مشہور و معروف شخص ہیں. چونکہ جناب مصنف کے خاندان سے راقم الحروف کے بزرگوں کو چھ سات پشت سے مرابطت کی شکل قائم رہی ہے. راقم الحروف پر حضرت مصنف کے خاندان کی حقیقت اچھی طرح روشن ہے

حضرت مصنف یعنی جناب شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب جو خلف اکبر جناب شمس العلما مولوی سید وحید الدین خان بہادر ابن سید امداد علی خاں بہادر ابن سید امام علی ابن سید بقیۃ اللہ ابن سید احمد اللہ حسینی الحسنی کے ہیں نسبت نسل حضرت زید شہید فرزند ارجمند حضرت امام زین العابدین علی ابن الحسین ابن علی ابن ابیطالب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رکھتے ہیں.

ان کا نانا ہے حسن دادا حسین جدا علی جناب ممدوح کے سید فیروز جو سید ابوالفرح واسطی کی نسل سے تھے. ہندوستان میں تشریف لائے حضرت مصنف کے والد بزرگوار کے اجداد مادری سے حضرت سید حسین خنگ سوار تھے. جو اس صوبہ میں بشکل مجاہد تشریف لائے اور بعد نغیابی کے موضع نیورہ میں توطن پذیر ہوئے اور اسی نیورہ میں جو اس وقت حضرت مصنف کا مسکن ہے ان کا مزار واقع ہے. یہ بزرگ حضرت سید حسن خنگ سوار کے کہ مزار شریف اجمیر کی پہاڑی پر واقع ہے. اور جن کا ذکر کتاب مفتاح التمارتخ میں مسٹر بیل صاحب فرماتے ہیں برادر اصغر تھے حضرت مصنف کے والد کے مادری بزرگواروں میں نواب حاجی سید احمد سعید خان بہادر ظفر جنگ امیر الورا اور نواب سید عتیق اللہ خاں صوبہ دار اٹاوہ بھی تھے ان دونوں نامی بزرگواروں کے حالات کتاب سیر المتاخرین کے صفحہ ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۲۳ و ۳۲۹.

۳۳۳.۴.۳۳۴، ۳۳۹ ، میں مندرج ہیں اور کتاب رقعات عالمگیری کے رقعہ ۵۲ و رقعہ ۹۴ میں بھی حضرت اورنگ زیب شاہنشاہ دہلی انھیں عزت کے ساتھ یاد فرماتے ہیں اسی طرح کتاب گولڈن بک میں سر رچپر ٹیمپ برج صاحب ممبر پارلیمنٹ جناب شمس العلما سید وحید الدین خان بہادر پدر جناب مصنف کے حالات میں نواب حاجی سید احمد سعید خانصاحب کا ذکر کرتے ہیں۔

مصنف ممدوح کے اجداد مادری میں سید محمد نجیب ایک بہت بڑے تعلقہ دار صوبہ بہار کے تھے ان کے صاجزادے سید حسن عسکری افواج دہلی کے بخشی تھے. یہ حضرت اپنے وقت کے ایک بڑے نامی اور صاحب اختیار امیر تھے ان کا مزار موضع کراپر سرا میں واقع ہے. سید حسن عسکری صاحب کے دو فرزند میر امجد علی صاحب اور نواب میر مردان علی خان بہادر بڑے نامی و گرامی ہوئے میر امجد علی صاحب تو وہی بزرگ ہیں جن کا نام ضلع پٹنہ کے جنوبی حصول میں آج تک السنۂ خلائق پر جاری ہے اور جنھوں نے اپنے لشکر سوار و پیادہ سے کولون کی لڑائی میں سرکار انگلشیہ کو بڑی اعانت دی تھی اور جس کے صلہ میں ان کو ایک بڑا تعلقہ سرکار بہادر سے ضلع گیا میں مرحمت ہوا تھا یہ حضرت اپنے وقت کے ایک بڑے قوی اور ذی اختیار تعلقہ دار تھے. اور نہایت سخی اور سپاہی مزاج آدمی تھے نواب میر مردان علی خان بہادر سرکار انگلشیہ کی طرف سے عامل ضلع شاہ آباد کے تھے. اور وسیع اختیارات فوجداری و عدالت و مال و بند و بست وغیرہ وغیرہ کے ساتھ ایک بہت بھاری تنخواہ بھی سرکار انگلشیہ

سے پاتے تھے نواب ممدوح سید امداد علی خان بہادر حضرت مصنف کے جد امجد کے حقیقی نانا تھے۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت مصنف یعنی شمس العلما حکیم مولوی سید امداد امام صاحب کو سرکار انگلشیہ سے چند پشت کا شرف نمک خواری حاصل ہے خود حضرت مصنف وکیل درجہ اعلیٰ و پروفیسر و منیجر وغیرہ تھے۔ والد ماجد جناب مصنف کے شمس العلما سید وحید الدین خان بہادر عہدہ ہائے صدر الصدور و مجسٹریٹ ضلع و رجسٹرار ضلع و جج اسمال کاز کورٹ و جسٹس آف دی پیس پر سرفراز تھے دادا حضرت مصنف کے سید امداد علی خان بہادر صدر الصدور اور حاکم فوجداری تھے پردادا حضرت مصنف کے سید امام علی حاکم مال بہ لقب تحصیلدار تھے۔ اسی طرح جد الجد حضرت مصنف کے یعنی سید بقیۃ اللہ صاحب بھی اسی عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس زمانہ میں یہی عہدہ بہت ممتاز سمجھا جاتا تھا اس واسطے کہ اس زمانہ کے عہدہ ہائے جلیلہ اس زمانہ میں قائم نہیں ہوتے گئے تھے جناب مصنف کے والد ماجد کے نانا سید سلامت علی خان اور ماموں سید راحت علی خان بہادر جلیلہ عہدہ ہائے عدالت و فوجداری پر سرفراز تھے جناب مصنف کے حقیقی چچا سید فرید الدین خان صاحب بھی حاکم عدالت تھے اس خاندان کے اور دو بزرگوار سید نجم الدین صاحب و سید فرزند علی صاحب جو حضرت مصنف کے چچا تھے آفتاب اقران و امثال تھے۔ سید فرزند علی صاحب ایک نادر درجہ کی عقل و دانش رکھتے تھے اور بڑے ممدوح خلائق تھے سید نجم الدین صاحب کی خدمتیں دفتر ہائے سرکاری میں مندرج ہیں۔ دلیم ٹیلر صاحب بھی

اپنی تصنیف جسیم موسوم بہ سی دہشت سال در ہند میں سید نجم الدین صاحب کو بڑی عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے زمانہ میں بڑی بڑی کارگزاریاں سید نجم الدین صاحب سے نمایاں ہوئیں جس کے جلد وہیں سرکار بہادر نے انہیں عہدہ ڈپٹی مجسٹریٹی و خطاب سے سرفراز فرمانا چاہا مگر اس عزت کی پذیرائی میں جناب ممدوح خواہان معذرت ہوتے اس کے پہلے جناب ممدوح قیام دہلی کے زمانہ میں دربار شاہ دہلی سے بھی عزت یاب ہو چکے تھے مگر جناب ممدوح کو کوئی میلان اس طرح کی عزت یابیوں کی طرف نہ تھا بلکہ خلوت نشینی کی طرف ہمیشہ راغب تھے اور اسی طرح زندگی بسر کر ڈالی۔

اس وقت میں بھی جناب مصنف کے خاندان کے حضرات مشاہیر صوبہ بہار سے ہیں خود حضرت مصنف مخاطب بہ شمس العلما از جانب گورنمنٹ ہیں یہ خطاب بہت اعلیٰ درجہ کا ہے یہ خطاب سرکاری خطاب نواب سے چھوٹا ہے ورنہ ہندی خطابوں سے اعلیٰ ہے۔ حضرت مصنف کے برادر اوسط انریبل سید فضل امام خان صاحب منجانب گورنمنٹ خان بہادر کا خطاب رکھتے ہیں مولوی سید نصیر الدین خان بہادر ولد مولوی سید فرزند علی صاحب ایک کارگزار افسر سرکاری ہیں اور ہمارے شہر میں صیغہ مال و فوجداری کے ایک ممتاز حاکم ہیں مولوی سید محی الدین خان بہادر ولد سید نجم الدین صاحب مغفور الیہ عہدہ ڈپٹی کلکٹری و مجسٹریٹی پر فائز ہیں۔

مولوی سید شرف الدین صاحب ولد اصغر مولوی سید فرزند علی صاحب ایک نہایت فروغ یافتہ بیرسٹر ہیں اور کمالات صوری و معنوی سے مملو ہیں

مولوی سید ظہیر الدین صاحب جو حال میں عہدہ دار صیغہ مال تھے ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف و محقق ہیں۔ ان کے والد جناب مولوی سید عبدالوہاب صاحب ایک بڑے نامی گرامی بزرگ تھے شجاعت و سخاوت میں کمتر اپنا نظیر رکھتے تھے۔ مولوی محمد یحیٰ صاحب ایک نہایت فروغ یافتہ وکیل درجہ اعلیٰ ضلع پٹنہ کے ہیں۔ علاوہ حضرات بالا کے اور چند حضرات ہیں۔ جو بجا آوری خدمت سرکار کے خیال سے عہدہ ہائے آنرری مجسٹریٹی و میونسپل کمشنری و ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ کو انجام کر رہے ہیں۔ ان حضرات کے ذکر کے ساتھ حضرت مصنف کے برادر اصغر کا بھی ذکر ضروری ہے تاکہ نوجوانوں کو ان کے حالات کی اطلاع سے تعلیم کی شکل پیدا ہو۔ ان کا نام نامی مولوی سید یوسف امام صاحب ہے انہوں نے صغر سنی سے انتظام زمینداری و تجارت و کاشتکاری کیطرف توجہ فرمائی اور جو زمانہ نوجوانوں کے برباد ہونے کا ہے اسے اکتساب معیشت میں بسر کیا اس وقت ماشاء اللہ وہ نہایت مرفہ الحال ہیں اور یہ مرفہ الحالی ان کی زیادہ تر قابل تعریف اس نظر سے ہے کہ اکتساب معیشت میں انہوں نے کبھی عصمت دیانت و امانت کو ہاتھ سے نہیں دیا اور کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ان کی سیادت اور عالی خاندانی کے خلاف تھا اس وقت حکام انگلشیہ بھی ان سے رضامند ہیں اور ان کی خاص رعایا بھی ان سے تمام تر خورسند ہے۔

حضرت مصنف کے اخلاف بھی اسی درخت کے پودے ہیں۔ مولوی سید علی امام صاحب و مولوی سید حسن امام صاحب صاحبزادگان حضرت مصنف فروغ یافتہ بیرسٹرایٹ لا ہیں ذہانت و ذکاوت و اخلاق وغیرہ میں چشم بد دور

سراپا فضل خداوندی نظر آتے ہیں۔ میں ان دونوں لڑکوں کی نسبت بہت کچھ لکھتا مگر اس خوف سے کہ لوگ میری تحریر کو رعایتی نہ سمجھیں صرف اس شعر پر جو کہ افضال الٰہی سے ہوا نیک ہوا نام پڑھتا گیا جب ایک کے بعد ایک ہوا قناعت کرتا ہوں۔

جناب مصنف کے ہمشیرزادہ سید محمد سلیمان صاحب پسر اکبر مولوی سید محمد یحییٰ صاحب بھی بیرسٹرایٹ لا ہیں اور حیدرآباد کی عدالت ہائی کورٹ سے متعلق ہیں سید ضمیر الدین ولد مولوی سید نصیر الدین خان بہادر لندن میں ڈاکٹری کا علم پڑھ رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ دو تین سال میں کامیاب ہو کر ہندوستان کو واپس آئیں گے۔ مولوی سید عبدالحمید صاحب بی۔اے۔بی۔ال پسر کلانی جناب مولوی سید عبدالحی صاحب مرحوم کے جو کہ زمیندار کلاں اور جنرل مینجر تھے حضرت مصنف کے خویش ہیں ان دنوں یہ صاحب سکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع شاہ آباد کے ہیں ایک اور ہمشیرزادہ حضرت مصنف کے مولوی سید زین الدین صاحب بی۔اے ہیں۔ اور بی۔ال کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔ سید محمد خلیل داماد مولوی سید محمد اسماعیل صاحب کے بی۔اے ہیں اور بی ال کے امتحان میں جانے والے ہیں۔ سید عنایت کریم صاحب جو بی۔اے۔بی۔ال۔ اور مولوی سید نصیر الدین خان بہادر کے خویش ہیں وہ بفرزند وکیل شہر پٹنہ کے ہیں امسال حضرت کے ایک بھانجی داماد خواجہ اقبال حسین صاحب نے بھی۔ بی۔اے کا امتحان پاس کیا ہے ایک اور بھانجی داماد مولوی عبدالرحیم صاحب بیرسٹرایٹ لا ہیں ہائیکورٹ کے پیشہ بیرسٹری کے علاوہ ڈپٹی لیگل ریمیمبرنسر

کے عہدہ پر بھی سرفراز ہیں۔ ایک اور ہمشیر زادہ حضرت مصنف کے مولوی سید مظہر امام صاحب سررشتہ دار محکمہ افیون ہیں۔ الغرض این خانہ تمام آفتاب ست الّٰھم زد ولا تنقص۔

حضرت مصنف ۱۷ اگست ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے اس حساب سے سن شریف ۴۸ برس کا ہے کمالات صوری و معنوی جو مبدء فیاض نے عطا فرمائے ہیں اسکی تحریر کے لئے ایک جداگانہ کتاب ہونی چاہئے۔ علم حساب۔ جبر مقابلہ اقلیدس۔ علم مثلث۔ علوم معدنیات و نباتات علم حیوانات۔ علم مناظرہ جغرافیہ۔ تاریخ۔ سیر۔ فلسفہ جدیدہ و قدیمہ وغیرہ وغیرہ سے پوری واقفیت حضرت مصنف کو ہے ایسا شخص کیوں نہ پایہ عالی رکھے۔ اور فن شکار میں تو حضرت مصنف کو وہ ید طولا حاصل ہے کہ شاید ہمارے ملک ہندوستان میں کوئی نظیر نکلے۔ اس پر طرز زندگی ایسی سادہ۔ ہمدردی بنی نوع انسان تو گویا گھٹی میں پڑی ہے اپنے اپنے موقع پر اس طرح کی خالص اور سچی ہمدردی ظہور میں آئی ہے کہ واقعی اہل ملک کے لئے نمونہ کا فائدہ دے سکتی ہے۔ میں ضرور دو چار واقعے ہمدردی کے لکھتا مگر خوف طوالت سے قلم انداز کئے۔ شجاعت و سخاوت تو خاندانی ترکہ ہے۔ کتنے شیر و پلنگ، اژدر و نہنگ مارے اور بہت مواقع میں سچی شجاعت کی داد دی ایام سرما دگرما کی شب ہائے تار صحرا و کوہ میں بسر کیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جفاکشی کے لئے مخلوق ہوئے ہیں۔ اس صفت شجاعت کے ساتھ سیر چشمی ایسی کہ کمتر دیکھی گئی ہے۔ اپنے دیار میں قناعت و دیانت و امانت و خلق و انکسار و تواضع میں بھی مشہور رہے ہے

ہیں۔ تصانیف ممدوح سے حضرت کی کثیر المذاقی ظاہر ہے جناب ممدوح کی قابل لحاظ تصانیف ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) کتاب مراۃ الحکما — یہ دونوں کتابیں سویڈن میں ترجمہ ہوگئی ہیں اور ایک فرمان
(۲) کتاب الاثمار — شاہ سویڈن ونار دے کا بنام مصنف مصنف کے پاس ہے حضرت شاہ خلد اللہ ملکہ نے یہ دونوں کتابیں اپنی یونیورسٹیوں کو استفادہ ملکی کے خیال سے سپرد فرمائی ہیں جیسا کہ مضمون فرمان ہے۔

(۳) کتاب کیمیائی زراعت — یہ کتاب بمنظوری مہتمم زراعت سرکاری یعنی ڈائرکٹر ایگری کلچر طبع ہوئی۔

(۴) ہدیہ قیصریہ — جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند دام اقبالہا کی سوانح عمری ہے جس تحقیق و تدقیق سے جناب مصنف نے یہ تحریر لکھی ہے دیکھنے والے کا دل جانتا ہے۔

(۵) معیار الحق — اس میں نکاح حضرت زینب جحش پر جو الزامات ملحدین ہیں ان کا جواب ہے اس رسالہ پر تقریظ حضرت تاج العلما مولانا سید علی محمد صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ فی الجنۃ ثبت ہے

واضح ہو کہ اس کتاب کاشف الحقائق کے ساتھ حضرت مصنف کا دیوان بھی طبع ہوا ہے اس کی نسبت جناب مرزا محمد جعفر صاحب اوج مدظلہ صاحبزادہ جناب غفران مآب سلطان الذاکرین حضرت مرزا سلامت علی صاحب دبیر اعلی اللہ مقامہ فی الجنان نے جو تحریری رائے ظاہر فرمائی ہے اور نیز جناب حکیم

سید لقمان حید ر صاحب رئیس و وکیل عدالت آرہ نے جو تقریظ رقم فرمائی ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

تقریظ چکیدۂ کلک گہر سلک جناب مرزا محمد جعفر صاحب متخلص بہ اوج خلف الرشید جناب سلطان الذاکرین مرزا دبیر صاحب اعلی اللہ مقامہ فی الجنان۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت عزیست صفاتہ السنۃ البلغاء وقصرت عن ادراک حقیقۃ عقول الحکماء ص وقدم وبارک علی اکمل الانس خیر البشر محمد المصطفیٰ واٰلہ النجباء

امابعد بہ نحوائے آیہ وافی ہدایہ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات وبمفہوم حدیث شریف ان من الشعر لحکمۃ صناعۃ شعریہ کہ عموماً بہ مسائل حکیمہ مستلزم ہے اپنی دیگر صنف تخیل سے کمابعد فی المشرقین ممتاز ہے اور از بسکہ بہترین مسائل حکیمہ اخلاق حضرات چہاردہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے اذکار اخبار ہیں۔ پس خصوصاً ان بیانات پر مبنی ہونا فی الدارین موجب اعزاز ہے دو نیو لا پیدا شد مجموعہ کمالات و ہنر ہمارے معزز دوست فاضل کامل محقق الادیب مدقق الاریب ذو الفطنۃ الوقاد والقریحۃ النقاد مکارمہ لاتحصے ومحاسنہ لاتملے ارسطوی زمان بطلیموس دوران بدر الحکما شمس العلما جناب مولوی سید امداد امام صاحب اثر تخلص کا ملاحظہ ہیچمدان سے گذرا۔ ماشاء اللہ کیا کہنا اگرچہ اردو ئے معلی مادری زبان ہمارے ذی علم دوست کی نہیں ہے اس پر یہ محاورت محاورت کی کوششیں طاقت ظلاقت کی جوششیں اور سگے لفظ نئے پیرائے مناسب

رعایتیں چوکھی ترکیبیں روح افزا حسن و عشق کے دلکش آئین. قدرتی فطرتی انداز جناب مرزا غالب مرحوم بہ واتہ جس کی پسند پر فطرت خواہ مخواہ مجبور کہتی ہے میں کیا ہر اہل ذوق کے دیدہ شوق میں کھبنے کے لائق. اور وفور فصاحت میں فائق ہیں. بس.

عبدہ و ابن عبدہ محمد جعفر اوج

تحریر جناب مولوی حکیم محمد سعید نعمان حیدر صاحب وکیل عدالت آرہ

جناب شمس العلما حکیم مولوی سید امداد امام صاحب کی کثیر المذاقی ایک امر مسلم ہے شاعری بھی ان کے مذاق ہائے گوناگون کا ایک جلوہ ہے انکی شہرت اسی فن کی دستگاہ پر موقوف نہیں ہے. ان کی آبائی عزت ان کی ذاتی قابلیت اس قدر ہے کہ اس کی تفصیل طولانی ہے ؎

سو پشت سے ہے پیشہ آبا سپہگری کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

لیکن چونکہ ان کا مذاق شاعری اس جگہ پہ زیر بحث ہے نور راقم الحروف ان کی شاعری کی نسبت اپنے خیالات ذیل میں درج کرتا ہے۔

جناب شمس العلما مولوی حکیم سید امداد امام صاحب کے کلام میں کیوں اثر نہ ہو جب یہ قول تجربہ ہائے کافی ووافی سے مان لیا گیا ہے کہ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد علاوہ اس کے جو صاحبان کہ مصنف والا نژاد کی ادبی و فطری طینت و صفائی قلب سے فیض حاصل کرنے کا فخر تمام رکھتے ہیں ان کے خیال میں تو یہ کلام سہل الممتنع اشراقیت کا پورا پورا رنگ پیدا کرتا ہے. سادگی کے ساتھ فصاحت کلامی نوخاندان سیادت کے ساتھ ہمیشہ سے مختص رہی ہے اس پہ تحصیل و

تکمیل علوم و فنون قدیم و جدید و زبان ہائے عربی فارسی و انگریزی وغیرہ نے دل صفا منزل پر حضرت مصنف کے ایک ایسا محققانہ اثر ڈالا ہے کہ جوانانہ مذاق جو محض حیاسیات ظاہری کی لذات بے ثبات سے تعلق رکھتا ہے اب ان کی چشم آخر بیں کے سامنے بالکل پھیکا پڑ گیا ہے مگر ساتھ اس کے بھی غزل سرائی کے سے نازک رنگ بیں اس کے حلقہ کے اندر رہکر جس قدر فطرتی جذبات محققانہ مسائل عاشقانہ واردات قلبیہ محض بیساختہ پن کے ایک نیچرل پیرایہ میں جناب شمس العلما صاحب نے جو پیش کش اہل بصیرت کیا ہے اسکا مزا اس دل سے پوچھیے جو کسی قدر بھی پرسوز ۔

افکارِ غالب

اثر خامہ

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

غالب نے ایک شعر میں دعویٰ کیا ہے کہ :-

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدّعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

ہر چند مرزا کا ہمہ گیر تخیل اس قابل ہے کہ شاید علم کو ہفت خوانِ شوق طے کرنے کے بعد بھی اس تک رسائی حاصل نہ ہو سکے تاہم اِن فن کاروں کی طرح بعض شخصیات بھی لطیف قوّتِ جاذبہ کی مالک ہوتی ہیں اور قدرت نے انھیں ایسے دل و دماغ سے نوازا ہوتا ہے کہ وہ ہر بڑے صاحبِ علم و فن کے تخیل و تفکّر کا احاطہ کر کے حتّی المقدور معنی کو آگہی کے دام میں مقید کر دیتی ہیں خلیفہ عبدالحکیم انھیں حضرات میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے متذکرہ بالا کتاب میں غالب کے فلسفیانہ اشعار کی شرح اس انداز سے کی ہے اور اس چابکدستی سے شعری پیکروں کو بے نقاب کیا ہے کہ بعض مقامات پر وہ شاعر سے زیادہ داد کے خود مستحق نظر آتے ہیں۔ غالب پر جس قدر بلند پایہ کتابیں تا حال لکھی جا چکی ہیں ان میں یہ کتاب اپنی انفرادیت اور افادیت کے لحاظ سے غالباً سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ چنانچہ غالب کے فن کو سمجھانے میں اہلِ قلم حضرات سے جو کوتاہیاں رہ گئی تھیں، انھیں خلیفہ صاحب نے بہ طریقِ احسن رفع کر دیا ہے اور غالب کی شاعری کا یہ تشنۂ تکمیل پہلو مکمل ہو کر منصۂ شہود پر آگیا ہے۔ ان معنوی خوبیوں کے علاوہ کتاب کی ظاہری ہیئت بھی جاذبِ نظر ہے۔

ناشر: مکتبہ معین الادب ۰ لاہور

نور وز پریس اردو بازار۔ لاہور